جینت پرمار: حیات اورفن

مقالہ برائے

ڈاکٹر آف فلاسفی (اردو)

مقالہ نگار

سری سین کمار بھارتی

رجسٹریشن نمبر: **15HUPH08**

نگراں

ڈاکٹر عبدالرب منظر

اسوسیٹ پروفیسر، شعبۂ اردو

یونی ورسٹی آف حیدرآباد، تلنگانہ

شعبۂ اردو

اسکول آف ہیومانٹیز

یونی ورسٹی آف حیدرآباد، گچی باؤلی، حیدرآباد، تلنگانہ۔ ۵۰۰۰۴۶

۲۰۲۱ء

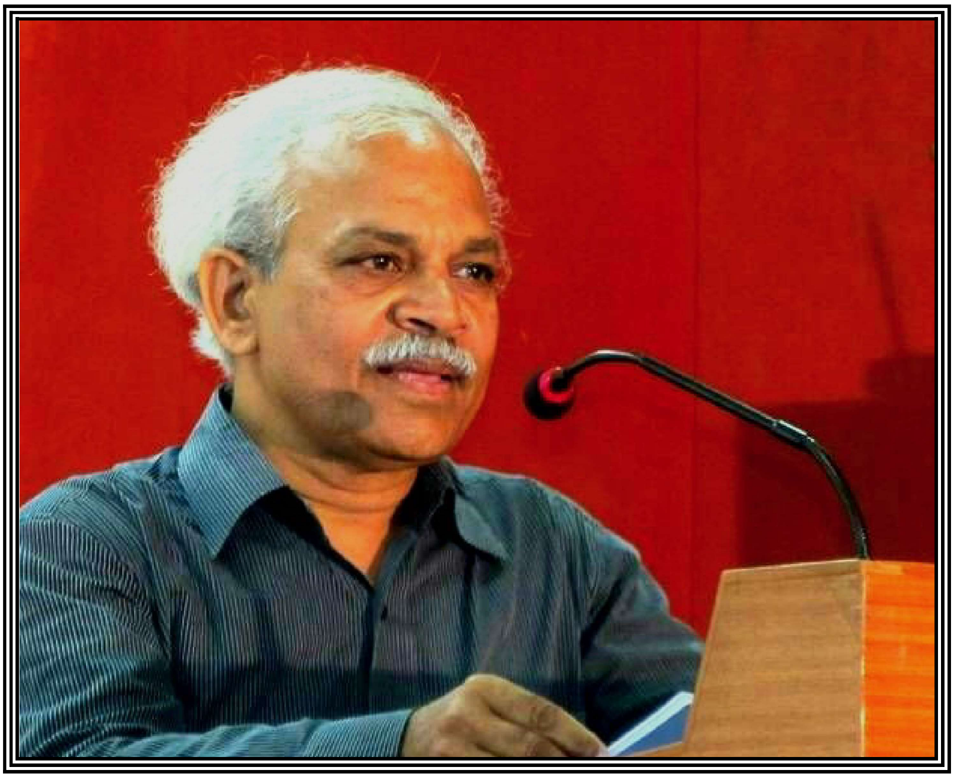

جینت پرمار

جینٹ پر مار: حیات اور فن

فہرست

پیش لفظ		4
باب اول:	جینت پرمار: سوانح اور شخصیت	8
باب دوم:	جینت پرمار: عہد اور معاصرین	53
باب سوم:	جینت پرمار: دلت شعور اور اس کے محرکات	140
باب چہارم:	جینت پرمار کی شاعری کا تنقیدی جائزہ	183
	(الف) جینت پرمار کی نظم نگاری	
	(ب) جینت پرمار کی غزل گوئی	
باب پنجم:	جینت پرمار بحیثیت مصور	275
ماحصل		292
کتابیات		298

پیش لفظ

سب سے پہلے میں ربِ کریم خداوند تعالیٰ کا شکر گذار اور احسان مند ہوں کہ جس کے فضل و کرم سے میرا یہ مقالہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ کورس ورک کے دوران پڑھایا گیا کہ تحقیق کے لئے ایسے موضوع کا انتخاب کرنا چاہیے جو نیا ہو اور اس شخصیت پر مواد بھی مل سکے اور وہ شخصیت ادب میں اپنی خاصی پہچان رکھتی ہو۔ تحقیق کے ضمن میں راقم الحروف نے ایسی ہی شخصیت کا انتخاب کیا جو بحیثیت دلت شاعر ملک بھر میں جانی پہچانی جاتی ہے۔ آج کے اس دور میں دلت ادب کی تخلیقات کو خصوصاً ہندوستان کے مختلف زبانوں میں اہمیت دی جانے لگی ہے۔ اس سے پہلے بھی دلت مسائل تخلیق ہو رہے تھے۔ جب سے دلت سماج میں بیداری آنے لگی ہے تب سے اس ادب میں دلت زندگی کے مسائل کی عکاسی صاف طور پر دکھائی دینے لگی ہے۔ اردو میں لکھنے والے زیادہ تر ادیب و شاعر غیر دلت سماج سے ہیں۔ مراٹھی، ہندی اور ہندوستان کی دوسری زبانوں سے جڑے دلت ادیب و شاعر اپنی زندگی سے جڑے مسائل خود پیش کر رہے ہیں۔ مگر اردو میں دلت ادیب و شاعر کی کمی تھی اس کمی کو جینت پرمار پر کیے ہیں۔ ان کو ہی میں نے موضوع تحقیق بنایا۔ استاد محترم جناب اے۔ آر منظر صاحب نے میری دلچسپی دلت ادب سے فطری لگاؤ دیکھ کر، مجھے جینت پرمار پر تحقیق کرنے کا مشورہ دیا اور یوں میرا موضوع ''جینت پرمار: حیات اور فن'' طے پایا گیا۔ جو تحقیق کے آخر مراحل تک میری جستجو کا ساماں بنا رہا۔

راقم الحروف نے اس مقالے کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جو اس طرح ہیں:

بابِ اول: ''جینت پرمار: سوانح اور شخصیت'' کے عنوان سے ہے۔ اس باب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں جینت پرمار کی خاندانی حالات، پیدائش، تعلیم و تربیت، ملازمت، شادی،

اولاد، علمی و ادبی سرگرمیاں، مشاغل، ان کی تصانیف، اور انعامات و اعزازات کی تفصیلات رقم کی گئی ہے۔ اور دوسرا حصہ جینت پرمار کی شخصیت سے متعلق ہے۔ اس حصے میں جینت پرمار کے حلیہ، لباس غذا وغیرہ سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

بابِ دوم: ''جینت پرمار: عہد اور معاصرین'' کے متعلق ہے۔ اس باب میں جینت پرمار کا عہد اور ان کے ہمعصر اہم شعرا کا تعارف اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہوئے ان کے کلام کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس باب میں کل 15 شعراء یعنی یعقوب راہی، چندر بھان خیال، صادقہ نواب سحر، عدم گونڈوی، نعمان شوق، شین۔ کاف نظام، ریاض لطیف، محمد علوی، عنبر بہرائچی، ندا فاضلی، محسن جلگانوی، رؤف خیر اور شفیق فاطمہ شعریٰ کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

بابِ سوم: ''جینت پرمار: دلت شعور اور اس کے محرکات'' ہے۔ اس باب میں جینت پرمار کا دلت شعور اور اس کے محرکات کو پیش کیا گیا ہے۔ جینت پرمار کی شاعرانہ و مفکرانہ محرکات دلتوں کی حالاتِ زندگی کا سفرنامہ اور چترُ ورن chaturvaran سے بغاوت ہے۔ بغاوت اس ناطے سے کہ چترُ ورن نظام کے زیرِ عمل ہی دلتوں کی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔ اس لیے جینت پرمار کے نقطۂ نظر میں دلت شعور وہ ہے جو اپنی تاریخ کو نظرِ ثانی کرتی ہے۔ اور ان کے ساتھ ہوئے اور ہو رہے چھوا چھوت، غیر برابری، عصمت دری اور غلام بنانے کی تمام کوششوں کی مخالفت کرتی ہے۔ اور ساتھ اپنے حقوق کے لیے جنگ و آزادیٔ حیات کا خواہاں بھی ہے۔

بابِ چہارم: ''جینت پرمار کی شاعری کا تنقیدی جائزہ'' کے عنوان کے تحت ہے۔ یہ باب اس مقالے کا اہم باب ہے۔ یہ باب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں جینت پرمار کی نظم نگاری کے حوالے سے فنی تدابیر پر گفتگو کی گئی ہے۔ نظموں کے موضوعات سے لے کر تشبیہوں، استعاروں، علامتوں اور پیکروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں جینت پرمار کی غزل گوئی کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ اور ان کی غزلوں کے موضوعات اور فنی امتیازات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بابِ پنجم: ''جینت پرمار بحیثیت مصور'' ہے۔ اس باب میں جینت پرمار کی مصوری کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ جینت پرمار کی مصوری میں وہ معصومیت ہے جو بچوں کی مصوری میں ہوتی ہے۔ ان کی مصوری

بھی ان کی شاعری کی طرح خاموشی سے اپنی کہانی سناتی ہے۔اس کے اندر بھی دردوغم کا الگ انبار ہے اور جینت پرمار نے شاعری کے ساتھ مصور کے کرب کو بھی جھیلا ہے۔اس بات کا اندازہ ان کے مجموعوں میں کی گئی مصوری سے بہ خوبی ہوتا ہے۔جینت پرمار اپنے مختلف مجموعوں میں نظموں کی مناسبت سے تصویر بھی پینٹ کیے ہیں تا کہ نظموں کے ساتھ تصویر سے بھی نظم کی تفہیم ممکن ہو سکے۔

ماحصل: اس عنوان کے تحت پورے مقالے کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اور اردو ادب میں موصوف کے مقام و مرتبے کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔مقالے کے آخر میں الف بائی ترتیب سے کتابیات بھی شامل کی گئی ہے۔

میں اپنے نگراں ڈاکٹر عبدالرب منظر صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی شفقت اور جذبۂ صادق نے مقالہ کی ہر مشکل آسان کردی۔آپ نے نہایت خلوص و محبت کے ساتھ میری رہنمائی فرمائی۔اس کے بعد میں صدر شعبۂ اردو پروفیسر سید فضل اللہ مکرم صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جن کے زیر قیادت شعبہ میں مقالہ داخل کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر حبیب نثار صاحب کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔مجھے ہمیشہ استاد محترم کا قرب حاصل رہا۔میں اپنے ڈی۔سی۔ارا کین ڈاکٹر محمد کاشف صاحب اور ڈاکٹر رفیعہ بیگم صاحبہ کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کے تعاون کے بغیر مقالے کی تکمیل ممکن نہ تھی۔شعبہ کے دیگر اساتذہ میں ڈاکٹر عرشیہ جبین صاحبہ، ڈاکٹر زاہد الحق صاحب اور ڈاکٹر نشاط صاحب کا دل کی گہرائیوں سے مشکور ہوں جنھوں نے وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی کی اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔میں جینت پرمار صاحب کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے وقتاً فوقتاً اپنے نیک مشوروں سے نوازا اور مواد کی فراہمی میں بھی کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا اور اپنے دوست اطیع اللہ، زنیرہ ابرار، محمد شارب، اویس احمد بھٹ، بہاری لال، محمد عبید الرحمٰن وغیرہ کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔مواد کی تلاش اور چھان بین کی سلسلے میں اندرا گاندھی میموریئل لائبریری یونی ورسٹی آف حیدرآباد، سید حامد لائبریری مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی حیدرآباد، ڈاکٹر بی۔ار۔ امبیڈکر میموریئل لائبریری عثمانیہ یونی ورسٹی حیدرآباد، ، ڈاکٹر بی۔ار۔امبیڈکر سینٹرل لائبریری جواہر لال نہرو یونی ورسٹی دہلی، دہلی یونی ورسٹی لائبریری ، ڈاکٹر ذاکر حسین سینٹرل لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ یونی ورسٹی دہلی اور اخدا بخش اورئینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

بہار کے کارکنوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنھوں نے بعض رسائل و جرائد اور کتابوں کے فراہمی میں راقم کی کافی مدد کی۔

میں اپنے والد مرحوم شری رم دیورام اور والدہ مرحومہ شری متی اکمی دیوی کا بے حد مشکور و ممنوں ہوں جن کی شفقت و محبت شامل حال رہی۔ جنہوں نے پسماندہ خطے سے تعلق رکھنے کے باوجود مجھے اس حد تک تعلیم دی اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں اچھے اور برے میں تفریق کرسکوں۔ اور ان ہی کی دعاؤں اور قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ آج میں تحقیقی کام کے قابل ہوا۔ کاش میرے والدین اس دنیا میں ہوتے تو آج ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ ہوتا، خیر خدا ان پر اپنے کرم کی بارش کرے اور ان کی مغفرت فرمائے۔ میں اپنے بھائیوں وجے بہادر، امر کمار آریہ اور اپنی بہنوں شکنتلا دیوی، منجو دیوی، ریتا دیوی، ریکھا دیوی اور بھابھی نیشا دیوی وغیرہ کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جن کی دعائیں اور نیک تمنائیں میرے ساتھ رہیں۔

ریسرچ اسکالر | اگست۔2021
سری سین کمار بھارتی | حیدرآباد

باب اول

جینت پرمار: سوانح، شخصیت اور ادبی خدمات

سوانح

ہندوستان کی ریاست گجرات ہمیشہ سے ہی مختلف علوم وفنون اور صنعت وتجارت کا گہوارہ رہا ہے جو اپنی منفرد شناخت اور مخصوص تہذیب وثقافت کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہاں تک کہ اردو زبان وادب کی ادبی و لسانی ارتقائی منزل کا بھی امین ہے۔ اس سرزمین نے جہاں قاضی محمود دریائی بیرپوری، شاہ محمد علی جیوگام دھنی، میاں خوب محمد چشتی اور بابا شاہ حسینی وغیرہ جیسے صوفیائے کرام کو جنم دیا وہیں ولی گجراتی، شیخ احمد گجراتی، سید محمد اقدس احمد آبادی، شیخ محمد منظور، لطف اللہ بن محمد اکرم فریدی، میر غیاث الدین شائق، سید نورالدین فائق، احمد سعیدی، آمر سورتی، محمد عمر سہیل، سید سراج الدین کمتر، جمیل کلیمی، محمد علوی، وارث علوی، عادل منصوری، مظہر الحق علوی، ریاض لطیف، رشید افروز وغیرہ جیسی ادبی شخصیات کی جائے پیدائش ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ مابعد جدیدیت کے تناظر میں اپنی فنکارنہ صلاحیت اور مخصوص موضوعات کے حوالے سے شاعری کے افق پر رونما ہوئے جینت پرمار جیسا دلت شعلہ نوا شاعر بھی اسی سرزمین سے پیدا ہوا۔

آباواجداد:

جینت پرمار دلت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے دادا مادھو جی صوبہ گجرات کے ضلع گاندھی نگر کے ایک چھوٹے سے گاؤں اجول (Ajol-अजोल) میں پیدا ہوئے، جو ایک شریف النفس انسان تھے اور پیشے سے بُن کر تھے۔ وہ اپنے گاؤں سے روزگار کے لئے شہر احمد آباد آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انھوں نے رَری ماں (Rarimaa - ररीमॉ) سے شادی کی۔ رَئی بین کے بطن سے دولڑکے پیدا ہوئے جن کے نام پرشوتم داس اور کیشو لال تھے۔ والد کی طرح بیٹے بھی تعلیم وتربیت سے محروم ہی رہے اور انھوں نے

والد ہی کے پیشہ کو ذریعۂ معاش بنایا۔ جینت پرمار کے خاندان کے حوالے سے مزید معلومات حاصل کرنے کی غرض سے جب راقم الحروف نے ان سے رجوع کیا تو یہ پتہ چلا کہ وہ اپنے حسب ونسب کے متعلق کچھ زیادہ معلومات نہیں رکھتے ہیں۔ میرے ایک استفسار کے جواب میں انھوں نے بس یہی کہا:

'' مجھے اپنے بزرگوں کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ہے۔ دادا، دادی میری پیدائش سے قبل اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ اپنے والدین اور محلے کے بڑے بزرگوں کے ذریعے یہی سنا ہوں کہ میرے دادا، دادی گاندھی نگر ضلع کے ایک چھوٹے سے گاؤں اجول (Ajol-अजोल) کے رہنے والے تھے، جو بُنائی کڑھائی کا کام کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ کام کی تلاش میں شہر احمد آباد آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ میرے دادا کا نام مادھو جی (Madhav ji - माधव जी) اور دادی کا نام رَری ماں (Rarimaa - ररीमॉ) تھا۔'' [1]

پرشوتم داس، جینت پرمار کے والد تھے جن کی پیدائش گجرات کے شہر احمد آباد کے قصبہ شاہ پور میں ہوئی۔ یہ ایک محنتی مل مزدور تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے سرگرم کارکن بھی تھے۔ انہیں اُونچ نیچ سے جہاں بہت دکھ تھا وہیں اپنی قوم کو محنت ومشقت کرنے کا حوصلہ بھی دیتے تھے۔ وہ مانتے تھے کہ ہم اپنے آپ کو موجودہ بے حس سماج کے سامنے اس وقت تک ثابت نہیں کر سکتے جب تک ہم میں تعلیم کی بیداری نہ ہوگی یا ہمارے اندر کوئی ایسی مخصوص صفت ہو کہ یہ سماج خود ہمیں تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ پرشوتم داس سماج میں سب کو برابر مانتے تھے۔ سماج کے اُونچ نیچ یعنی سماجی غیر برابری کی وجہ ہی سے شاید انھوں نے کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا سے اپنا تعلق استوار کیا۔

پرشوتم داس ایک مہذب انسان تھے۔ دلت ہونے کے باوجود بھی ان کے گاؤں اور محلے کے لوگ ان کا احترام کرتے تھے اور حسبِ ضرورت یا موقع بموقع ان کا ساتھ بھی دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کارپوریشن الیکشن میں سب نے ان کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہوئے دو بار منتخب کیا۔ پرشوتم داس اپنی قوم کے علاوہ دیگر قوموں کے

لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے۔قابلِ غور بات یہ ہے کہ آج سے تقریباً ستر اسّی سال قبل دلتوں کے علاوہ دیگر قوم کے افراد نے بھی انہیں اپنا رہبر تسلیم کیا۔ جب کہ اُس دور میں اعلیٰ ذات کے لوگ ادنیٰ طبقہ کے افراد کو اپنے محلے میں بسانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ پرشوتم داس کے ہمعصروں اور ساتھیوں میں دلت اور غیر دلت سب لوگ آپس میں اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہتے تھے۔ پرشوتم داس فنِ ملکھمب (Mallakhamb / मलखंब) میں ماہر تھے۔ملکھمب ہندوستان کا ایک روایتی کھیل ہے جس میں کھلاڑی ایک لکڑی کے ستون کے اوپر یا رسّی پر مختلف کرتب دکھاتے ہیں۔دراصل اس میں استعمال ہونے والے ستون کو ملکھمب ہی کہا جاتا ہے۔ملکھمب (خالص، ملکھمبھا) دو الفاظ پر مشتمل ہے۔'ملّہ मल्ल' (بلوان یا جنگجو) اور 'کھمب' (کھمبھا، खम्भा یا ستون)۔ملکھمب کھیل میں انہیں کئی انعامات و اعزازات سے بھی نوازا گیا تھا۔اس سلسلے میں جینت پرمار کہتے ہیں:

'' میرے پرانے گھر کے سامنے یہ جو مدرسہ کی شکل میں گھر دکھائی دے رہا ہے، کبھی یہ اکھاڑا ہوا کرتا تھا۔میرے والد ملکھم کے ماہر تھے، اسی اکھاڑے میں وہ ملکھمب کھیلا کرتے تھے۔ انہیں ملکھمب کا بے حد شوق تھا۔ملکھمب کے مقابلے میں انہیں کئی بار انعام بھی ملا تھا۔میں بھی کبھی کبھار اس اکھاڑے میں ورزش کرنے کے لئے جایا کرتا تھا۔'' ۲؎

جینت پرمار کی والدہ کا نام ''ڈاہی بہن، डाही बहन'' تھا۔جینت پرمار کی والدہ پڑھی لکھی نہیں تھیں۔وہ گھریلو کام کاج کے ساتھ ساتھ جینت پرمار کے والد پرشوتم داس کے ساتھ مِل میں بھی کام کرنے کے لیے جایا کرتی تھیں۔وہ اپنے اصول کی بڑی پکّی تھیں۔بچوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیتی تھیں۔اس کے متعلق جینت پرمار اپنی نظم '' ماں کی چِنتا ''میں رقمطراز ہیں :

کبھی چارپائی پہ
بِستر بِچھاتے ہوئے
ماں کو دیکھا بھی ہے؟

کھینچتی ہے
کبھی سیدھا کرتی ہے
چدّر کو کیسے!
کہ اِک آدھ سِلوٹ
تمہارے بدن میں کہیں چُبھ نہ جائے!!

جینت پرمار کی تین بہنیں اور چار بھائی ہیں۔ان کی بہنوں کا نام کملا، جشومتی اور نینا ہے۔ان کی سبھی بہنیں بھی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ ہوئیں جس کے بنا پر کملا، جشومتی سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئیں۔ سب سے چھوٹی بہن نینا گھریلو خاتون ہیں۔جینت پرمار کے سب سے بڑے بھائی دِنیش چندر دوسرے نمبر پر اِیشور تیسرے نمبر پر جینت پرمار اور سب سے چھوٹے بھائی بھرت ہیں۔بڑے بھائی دِنیش چندر اب اس دنیا میں نہیں رہے۔٦ دسمبر ۱۹۹۲ء بابری مسجد کے انہدام پر ملک کا ماحول کشیدہ ہو گیا تھا ہر طرف فسادات و کشیدگی برقرار تھی جینت پرمار کے دوسرے بھائی ایشور چندر اسی دوران ذریعۂ معاش کی خاطر اپنے آبائی وطن سے دور تھے جن کا آج تک کوئی پتا نہیں چل سکا۔جینت پرمار کے چھوٹا بھائی بھرت گھریلو کاروبار میں مصروف ہیں۔

جینت پرمار کے والد محترم (پرشوتم داس) نے اپنی زندگی میں بڑا اتار چڑھاؤ دیکھے۔جینت پرمار کے والد صاحب کی صحت بگڑنے کی وجہ سے ۱۳ ستمبر ۱۹۸۳ء کو اس جہانِ فانی کو خیر باد کہہ گئے۔جینت پرمار کو اپنے والد صاحب کے انتقال کا شدید صدمہ پہنچا۔کیوں کہ والد سے بے حد محبت کرتے تھے۔انھوں نے اپنی نظم ’’خالی آرام کرسی کو تکتا رہا‘‘ میں اپنے والد کا سراپا، اوصاف اور تاریخ وفات کی یادوں کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

فجر ہی فجر میں
مری سرد پلکوں کی کھڑکی سے
اُڑتے ہیں
نیندوں کے اُجلے کبوتر

کسی کو مَیں پاتا ہوں
آرام کرسی میں بیٹھا ہوا۔
وہی سوتی دھوتی پہ
کرتا سفید
ہرا رنگ چشمہ
وہی کالی عینک
وہی کالے کینوس کے جوتے
وہی ہاتھ میں ڈائری
تجھے کیسے بھولوں!
مری روح کے اجلے کینوس پہ
ہے ثبت چہرا تیرا
مری دھمنیوں میں
مہکتی ہے خوشبو ترے نام کی
اس سے پہلے کہ بستر سے نکلوں
ہوا تیز تر دستِ گلدان سے
زرد پتّوں کو لے کر نکلنے لگی
جاتے جاتے کلنڈر سے
۱۳ ستمبر ۱۹۸۳ء کا
کالا ورق پھاڑ کر لے گئی
فجر کی اذاں نے جگایا مجھے
اَللہُ اَکبَر ------
خالی آرام کرسی کو تکتا رہا

برگِ مژگاں پہ شبنم چمکنے لگی۔

والد کی وفات کے بعد جینت پر مار کے سر پر صرف ماں کا سایہ باقی رہا۔ ماں تو آخر ماں ہوتی ہے۔ وہ اپنی اولاد کو کبھی دُکھ کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ چناں نچہ جینت پر مار کی والدہ نے ایک تناور درخت کی مانند اُسے غم واندوہ کی تیز دھوپ سے راحت کا سایہ فراہم کیا۔ ان کی والدہ نہایت ہی شریف، دردمند اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ ۲۰۰۳ء میں ماں بھی جینت پر مار کو چھوڑ کر اِس دیارِ فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئیں۔ جینت پر مار اپنی ماں کی موت پر نظم ''ماں کی موت پر تین نظمیں'' میں لکھتے ہیں:

ٹین کی چھت سے ٹکرائے
آخری لفظ
سیاہ بادل کی مانند
کانپ اُٹھی تاریک ہوا
گم سُم کھڑکی کے پردے
بدن برف
پتھر کے پاؤں
آسمان، تارے جامد
آخر کار
لفظ نے اپنے معنی کو آزاد کیا
آنگن میں تلسی نے پتّوں کو مُرجھایا۔

ولادت :

۱۱ ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کو گجرات کے شہر احمد آباد کے قصبہ شاہ پور کے ایک دلت مِل مزدور کے گھر میں ایک لڑکے نے جنم لیا جسے جینت پر مار کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جینت پر مار اپنی ولادت کے تعلق سے راقم الحروف کو بتایا:

’’ میں ۱۱ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کو احمد آباد کے قصبہ شاہ پور میں پیدا ہوا۔ میرے والدین مِل مزدور تھے۔ میری تاریخ ولادت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ میری ماں اسکول میں جو تاریخ پیدائش داخلہ کے وقت درج کروائی تھیں وہی آج تک قائم ہے۔‘‘ ۳؎

بچپن:

جینت پرمار نے اپنے بچپن کے دن شہر احمد آباد کے قصبہ شاہ پور کے گلی کوچوں میں بڑی ہی غربت و افلاس میں بسر کیا۔ شہر احمد آباد ہندستان کا ایک مشہور شہر مانا جاتا ہے۔ یہ شہر ہمیشہ علوم وفنون تہذیب وثقافت اور صنعت وتجارت میں ایک بلند مقام کا حاصل رہا بلکہ اردو زبان و ادب کی ابتدا و ارتقاء میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔ شفاعت قادری شہر احمد آباد کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں:

’’ یہ وہی شہر ہے جہاں وارث علوی ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی اکبر علی ترندی اور مظہر الحق علوی نے تنقیدی علمی تاریخی اور ادبی خدمات انجام دیں۔ یہ وہی شہر ہے جہاں سرشار بلند شہری اور رشید افروز نے اپنی شاعری کا آغاز کیا۔ یہ وہی شہر ہے جہاں محمد علوی اور عادل منصوری کی جدید شاعری پروان چڑھی۔ شہر احمد آباد کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں سے جدید اردو شاعری کا آغاز ہوا۔ کیوں کہ ’شب خون‘ تو بہت بعد میں شروع ہوا۔ ۱۹۵۵ء میں نئی شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔ ادھر پاکستان میں ظفرؔ اقبال، ناصرؔ کاظمی اور منیرؔ نیازی جدید غزلیں اور نظمیں کہہ رہے تھے۔ ادھر ہندوستان میں بھی جدید شاعری ہو رہی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جدید شاعری کا پہلا مشاعرہ ۱۹۵۵ء میں احمد آباد کے پریما بھائی ہال میں وارث علوی کی

صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں شہر یارؔ، بمل کرشن
اشکؔ، بشیر بدرؔ، محمد علویؔ اور دیگر شعرا شامل تھے۔ یہ جدید
شاعری کا پہلا مشاعرہ تھا اور اسی وقت سے ہندوستان میں
جدیدیت کی تحریک کا آغاز ہوا۔'' [۴]

واقعی اس سرزمین نے اردو ادب کو ایسی قدآور اور معروف شخصیات دی ہیں جنھوں نے نہ صرف ہندو پاک میں بلکہ پوری دنیا میں اپنی قابلیت کا پرچم لہرایا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جینت پرمار کے بچپن کے دن شہر احمد آباد کے قصبہ شاہ پور کے گلی محلوں میں بڑی ہی غربت میں گزرے کیوں کہ وراثت میں انھیں کچھ بھی ایسا نہ ملا تھا جس پر وہ فخر کرتے یا جس کے سبب انہیں مالداروں یا عزت داروں میں شمار کیا جاتا۔ ہندوستانی سماج میں ایک دلت کے گھر پیدا ہونا شاید دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے، کیوں کہ ایک دلت کی جس دن ولادت ہوتی ہے اسی دن چھوا چھوت اور نفرت و حسد تا حیات اس کے نام رقم کر دیا جاتا ہے۔ جینت پرمار کو بھی یہی چیز وراثت میں ملی۔ دریائے سابرمتی اور گندی بستی کی تنگ گلیاں، بدبودار ہوائیں، نالوں کی گندگی، جھگّی جھونپڑی اور اس میں کوڑا کرکٹ اٹھانے والے فٹ پاتھ کے رہنے والے اور بات بات پر جھگڑا کرنے والے شرابی اور تاش و جوا کھیلنے والوں کا جہاں بسیرا ہو ایسے ماحول میں جینت پرمار کا بچپن گزرا۔

جینت پرمار بچپن سے ہی سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔ وہ اپنے اندر ایک حساس اور فکرمند دل رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بچے کی پہلی درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ اور بچوں کی تربیت میں ماں کا اہم کردار رہتا ہے۔ جینت پرمار کی تربیت میں بھی ان کی ماں کی تربیت کا بڑا دخل رہا۔ ماں کی تربیت، ماں کی ممتا، شفقت اور محبت کا ذکر کرتے ہوئے جینت پرمار کہتے ہیں:

'' ہم لوگ احمد آباد کے Walled city شاہ پور میں
رہتے تھے۔ میرے محلے میں ہندو اور مسلم دونوں ہمسایہ کی طرح
رہتے تھے۔ وہاں پر پیپل کے درخت کے سائے تلے میرا ایک
چھوٹا سا گھر تھا جس کی چھت ٹین کی تھی۔ اس چھوٹے سے گھر

میں میرا پورا خاندان رہتا تھا۔ میرے گھر کے سامنے کچھ دوری پر ایک پیپل کا پیڑ تھا۔ جہاں محلے کے لڑکے کرکٹ، گیند، گُو لّی ڈنڈا، کنچے وغیر کھیلتے تھے، وہ بات بات میں گالی گلوج اور لڑتے جھگڑتے تھے۔ میں گھر کے دروازے کے پاس کھڑا ہوکر یہ تماشہ دیکھا کرتا تھا۔ میں بچپن میں اکثر گھر میں ہی رہا کرتا تھا، اسکول کی طرف سے ملا ہوم ورک کو پورکرتا تھا، ماں چاہتی تھی کہ محلے کے بچوں کے ساتھ میں نہ کھیلوں ۔ جب گھر میں کوئی نہیں رہتا تھا تو میں لکڑی کے کوئلے سے دیواروں پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچا کرتا تھا۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ہم بھائی بہنوں میں کسی کی بھی طبیعت خراب ہوتی تھی تو میری ماں جھاڑ پھونک کے لئے گھر سے کچھ دوری پر بابا کے مزار پر لے جاتی تھیں۔ میری ماں بچپن میں مجھ کو کہانیاں اور گیت گا کرسنایا کرتی تھی۔'' ۵؎

جینت پرمار نے زندگی کے بڑے دردانگیز لمحے دیکھے ہیں۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں جینت پرمار نے زندگی کے شب وروز گزارے ہیں۔ بچپن میں دیکھتے تھے کہ ماں نیم کے چھاؤں میں پھٹی پرانی میلی کچیلی گدڑی لے کر چارپائی پر بیٹھ جاتی تھی اور پرانے کپڑوں کے پیوند لگاتی تھی۔نظم'' گدڑی '' میں جینت پرماراس واقعے سے متعلق رقمطراز ہیں:

تیز دھوپ آنگن تک پھیلی
نیم کی چھاؤں میں
پھٹی پرانی گدڑی لے کر
چارپائی پہ بیٹھی ماں
پیوندایسے سال اس نے

اپنے ساتھ گزارے
سڑیل بدبو کی صحبت میں
بچپن سے میں دیکھ رہا ہوں
میلی کچلی گدڑی میں
کئی رنگ کے ہیں پیوند
اس کے پھٹ جاتے ہی
اور نیا پیوند لگتا ہے
روز نیا سپنا ہنستا ہے

مفلسی اور زندگی کی ایسی تنگ گلی میں شاعر (جینت پرمار) کی زندگی میں احساس وجذبات کس طرح جنم لے سکتا ہے شاید برہمنوں کو پتہ نہیں کیوں کہ اگر اس زندگی کا انہیں احساس ہوتا جس کی ترقی وعزت کے ہر دروازے میں قفل لگے ہوئے ہیں تو شاید وہ نہیں کہتے کہ دلت ادب ہم بھی لکھ سکتے ہیں۔ایسی زندگی جو نہیں گزارا ہوگا قطعی طور پر اس کا تجربہ جعلی ہوگا۔مثلاً مصوری کے اصول وضوابط لکھنا اور بات ہے اور خود مصوری کرنا علیحدہ عمل ہے۔دلت ادیب اس زندگی کا رہ گزر ہے وہ خود ادیب بھی ہے اور کردار بھی۔اسی کردار کو جینت پرمار نے نبھایا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا مشاہدہ وعاقبت شناسی انتہائی منوواد کی مخالفت کرتا ہے۔

تعلیم وتربیت:

جینت پرمار کے والدین پڑھے لکھے نہیں تھے۔آمدنی کے وسائل بھی کم تھے اور گھر میں تعلیمی ماحول بالکل نہیں تھا۔جینت پرمار کے والدین کی دلی خواہش تھی کہ میرا بیٹا جہالت کی زندگی نہ بسر کرے کیوں کہ بحیثیت دلت اور جہالت ان کی زندگی کو تباہ کر دینے کے لئے کافی تھا۔اپنے والدین اور گھر میں تعلیمی ماحول کے متعلق تنویر اعجاز اور صادق نور کو دیے اپنے ایک انٹرویو میں کچھ اس طرح کا اظہارِ خیال کیا ہے:

” نہیں،ایسا کوئی ماحول تو بالکل نہیں تھا۔ماں اَن پڑھ
تھیں اور والد مل مزدور تھے اور اسکولی تعلیم سے نابلد تھے۔ہاں

یہ ضرور تھا کہ میرے والد پرشوتم کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے سر
گرم کارکن تھے اور اس نسبت سے زندگی سے متعلق ان کا
مخصوص نظریہ تھا۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ نے انہیں کافی تجربہ
کار اور زمانے کا نبض شناس بنا دیا تھا۔ اس لیے جب انہیں
میرے ذہنی رجحانات کا پتہ چلا تو میری حوصلہ افزائی ضرور
کی۔ ماں کو بھی لگتا تھا کہ لڑکا شاید کچھ کر ہی لے گا۔ ادبی پرچوں
میں میری تصویریں دیکھ کر دونوں بہت خوش ہوتے حالانکہ میری
تخلیق نہیں پڑھ سکتے تھے۔'' ۶؎

جینت پرمار کی ابتدائی تعلیم شہر احمد آباد کے قصبہ شاہ پور کے ایک کارپوریشن گورنمنٹ (پرائمری) اسکول میں ہوئی۔ چنانچہ گھر میں تعلیم وتربیت کا ماحول نہ ہونے کے باوجود بھی وہ تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ والدین کی بھی یہی رائے تھی جسے جینت پرمار نے پورا بھی کیا۔ ابتدائی تعلیم محلے کے پرائمری اسکول سے حاصل کرنے کے بعد ہائی اسکول کی تعلیم کے لیے شاہ پور ٹیوٹوریل ہائی اسکول میں داخلہ لیا، جسے ۱۹۷۱ء میں اچھے نمبرات کے ساتھ پاس کیا۔ ایک شخصی انٹریو میں اپنی ابتدائی تعلیم کے بارے میں راقم الحروف کو بتایا:

'' میری ابتدائی تعلیم محلے کے کارپوریشن گورنمنٹ (پرائمری)
اسکول میں ہوئی۔۔۔۔ ۱۹۷۱ء میں میں نے شاہ پور ٹیوٹویل
ہائی اسکول سے ہائی اسکول اچھے نمبروں سے پاس کیا۔'' ۷؎

جینت پرمار جب ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے تو اس دوران انہیں دلت ہونے کی وجہ سے کچھ مشکلات اور بھید بھاؤ، چھوا چھوت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ جس سے جینت پرمار کو جہاں اپنے دلت ہونے کا احساس ہوتا وہیں پر ہندو دھرم کے بنائے ہوئے قانون پر غصہ ونفرت بھی آرہا تھا۔ اور دل ہی دل میں یہ سوچتے تھے کہ انسان تو انسان ہے پھر اس دھرم نے کیوں اس طرح کے الگ الگ درجات بنائے ہیں جس میں انسانیت کا کوئی معنی ہی نہیں ہے۔ جینت پرمار مانتے ہیں کہ جس دھرم میں انسانیت ہی نہ ہو وہ دھرم ہی

کیا۔جینت پرمار اپنی تعلیم کے دوران کے ایک واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

'' جب ہم چھوٹے تھے اور پرائمری میں پڑھنے جاتے تھے
تو اعلیٰ ذات کے لڑکے اسکول کے ٹاٹ پر ایک الگ قطار میں
بیٹھتے تھے اور ہم دلت بچوں سے کہا جاتا تھا کہ تم لوگ اپنے اپنے
گھر سے بوریہ لے کر آؤ اور ایک الگ قطار بنا کر پیچھے بیٹھ
جاؤ۔'' ۸

جینت پرمار کو ان واقعات سے بہت دکھ ہوا تھا لیکن وہ احساس کمتری کا شکار نہیں ہوئے۔ ہندو سماج کے بنائے ہوئے اس غیر برابر سماج کو انھوں نے چیلینج کے طور پر قبول کیا اور اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔تاکہ آگے چل کر وہ سماج کو جواب دے سکے لیکن پھر بھی کبھی تعلیم کے دوران اس بے توازن اور ناہموار رویے سے بہت زیادہ دکھ ہوتا جب کھانے پینے کے دوران ان کے ساتھ چھوا چھوت و بھید بھاؤ کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ بقول جینت پرمار:

''جب اسکول میں بچوں کو دودھ یا دوسری کھانے کی اشیاء
دی جاتی تھی تو دلت بچوں کو الگ قطار میں کھڑا کیا جاتا تھا۔ پہلے
اعلیٰ ذات کے بچوں کو کھانے کی چیزیں دے دی جاتی تھیں پھر
بعد میں جو بچتا تھا دلت بچوں کو دیا جاتا تھا۔اور کھانے کے دوران
ہمیں اسکول کی طرف سے ہدایت دی جاتی تھی کہ تم کھانے کے
وقت بھی اعلیٰ ذات کے بچوں سے الگ ہی رہنا۔'' ۹

مذکورہ اقتباسات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہندو سماج کے اعلیٰ طبقات کے ٹھیکداروں کے بنائے ہوئے اصول ایک صحت منداور غیر مہذب اصول سماج کے لئے زہر ہلال سے کم نہیں ہیں۔جینت پرمار کچھ اسی طرح کا ایک اور واقعہ راقم الحروف سے بیان کرتے ہیں:

'' جب میں اسکول سے گھر واپس آتا تھا تو چوراہے پر ایک
بڑھیا گرمی کے دنوں میں مٹکا رکھ کر پانی پلاتی تھی۔ پانی پلانے

سے پہلے وہ ذات پوچھتی تھی۔ پانی پینے کے لئے اعلیٰ ذات کے
بچوں کو برتن دیتی تھی جو منھ لگا کر پیتے تھے اور دلت بچوں کو اوپر
سے پانی گراتی تھی۔'' ۱۰؎

ان واقعات سے انہیں بہت دکھ ہوا تھا لیکن وہ احساس کمتری کا شکار کبھی نہیں ہوئے، اپنی تعلیم کو آگے جاری رکھا۔ تعلیم کی طرف بڑھتی دلچسپی کے باعث جینت پرمار کے والدین بے حد خوش تھے۔ انھیں امید تھی کی جینت ان کی زندگی میں امید کی نئی روشنی بن کر آیا ہے جو ان کے تمام ارمانوں کو پورا کرے گا۔ والدین کی محبت وشفقت ان کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئی اس طرح پورے وثوق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جینت پرمار کی تعلیم وتربیت میں ان کے اَن پڑھ ماں باپ کا اہم رول رہا ہے۔

جینت پرمار ایک ہونہار طالب علم تھے۔ اس لئے اپنے دل میں اعلیٰ تعلیم کی جستجو بھی رکھتے تھے جسے وہ کسی بھی قیمت پر پورا کرنا چاہتے تھے۔ انہیں غریبی میں رہنا تو منظور تھا مگر پڑھائی سے ترک تعلق کرنا قطعی قابل قبول نہ تھا۔ آگے کی پڑھائی کے لیے احمد آباد کامرس کالج (گجرات یونیورسٹی) میں داخلہ لیا۔ یہاں سے ۱۹۷۴ء میں B.Com کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم کے اس مقام تک پہنچنے کے بعد ان کے لئے آگے کی پڑھائی جاری رکھنا دشوار ہو گیا مالی مسائل درپیش ہوگئے وسائل محدود اس پر غربت کا بھار آخر کار نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ارمانوں اور خوابوں کو بروئے کار نہ لا سکے اور آگے کی پڑھائی چھوڑنی پڑی۔

ادبی سفر:

جینت پرمار کی شاعری کا آغاز ۱۹۸۰ء کی دہائی کے بعد شروع ہوا۔ جینت پرمار کی شاعری کا آغاز اگر چہ گجراتی زبان میں ہوا۔ لیکن تقدیر کو جینت پرمار سے کچھ اور ہی کام لینا تھا۔ لہذا وہ بہت جلد اردو زبان کی طرف مائل ہوئے۔ اس سے متعلق تنویر اعجاز کے ساتھ ایک انٹرویو میں جینت پرمار کہتے ہیں:

'' اردو میں نے بہت بعد میں سیکھی۔ ایلیس برج کے نیچے
سابرمتی ندی کے کنارے پر ہفتہ وار میلے میں پرانی چیزوں کا
میلہ لگتا تھا (جو آج بھی لگتا ہے) اس میں پرانی کتابیں بھی بکتی

تھیں جن میں مجھے'' اردو لپی شکشکا (उर्दू लिपि शिक्षिका)
'' نامی کتاب مل گئی جو اس وقت گجرات وِدیا پیٹھ کے نصاب
میں شامل تھی۔اس کتاب کے ذریعے میں نے اردو رسم الخط
سیکھا اور ٹوٹے پھوٹے شعر موزوں کرنا شروع کر دیا۔لیکن
رسالوں میں میری چیزیں چھپنے پر ہی پتہ چلتا تھا کہ میں نے کتنی
صحیح یا کتنی غلط اردو لکھی تھی۔'' ۱۱

جینت پرمار کا انٹرویو راقم الحروف نے جب ۲۳ / اکتوبر ۲۰۱۷ء کو ان کے گھر (شانتی نیکیتن سوسائٹی رادھا سوامی روڈ، رانِپ احمد آباد گجرات) پر لیا تھا تو پہلا سوال ان کے ادبی سفر کے آغاز سے متعلق تھا جس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

''میری شاعری کی ابتدائی دنوں میرے ضلع میں'' دلت
پینتھر'' کی تحریک زوروں پر تھی وہاں سے مجھے دلت تصور اور
اس کے مسائل کی معلومات ہوئی لیکن شاعرانہ فکر کو کسی زبان کی
ضرورت تھی جس کی بنا پر میں اپنے احساس کو لفظی جامہ نہیں پہنا
سکتا تھا۔اس کے لیے میں بازار میں گیا جہاں مجھے فٹ پاتھ پہ
ایک کتاب ہاتھ لگی جس میں اردو سیکھنے کی ترکیب دی ہوئی تھی،
میں نے بغیر استاد کے سہارے اردو سیکھنا شروع کر دیا اسی اردو
نے مجھے آج شاعر بنا دیا۔'' ۱۲

راقم نے ان کی شاعری کے خاص موضوعات سے متعلق جب سوال کیا کہ آپ کی شاعری کا خاص موضوع کیا ہے تو موصوف نے جواب میں کہا:

''میں کسی ایک موضوع پہ لکھنے کا قائل نہیں لیکن دلت
طرز فکر کو جب میں قلم بند کرتا ہوں تو اس کے مسائل اور انقلابی
رجحانات کا مشاہدہ کرتا ہوں تو میرا قلم مجھے انقلاب کی ہر آواز کو

بلند کرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے،اس طرح میرے احساس
انقلابی عمل اختیار کر لیتے ہیں۔'' ۱۳

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے اپنی شاعری کے مخصوص نظریے اور فکری رجحانات اور امبیڈکر کی تحریک کے تاثر کو کچھ اس طرح بیان کیا:

''بابا صاحب ڈاکٹر امبیڈکر سے پہلے بہت سے لوگوں
نے اپنی تحریکات کی تبلیغ اور رجحانات سے روشناس کرایا لیکن
ان کی طرح کسی نے تحریک مشاہدہ اور تجزیہ نہیں کیا۔انھوں نے
ہندو دھرم شاشتروں (دینی کتابیں) کا منطقانہ و عقلی دلائل کی بنا
پر تجزیہ کیا۔ جہاں سے دلت مسائل کی بیخ ملتی ہے۔ڈاکٹر
امبیڈکر نے ان کے بیخ کی دلتوں کو ترقی یافتہ کرنے کے لئے
دنیا کا اعلیٰ آئین رقم کیا۔جس سے دلتوں کی زندگی میں ایک نیا
موڑ آیا۔اُن کا نظریہ عملی ہے جسے پڑھنے کے بعد میں بھی اپنے
قلم کو وہ جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہوں۔جو فکر ڈاکٹر امبیڈکر
سے ملی ہے۔یہی وجہ ہے کہ منووادی نظام پر بابا صاحب کا یلغار
ایسی سوچ میرے اندر لاتا ہے،جس کا رنگ میری شاعری میں
جوش وجنون پیدا کرتا ہے۔'' ۱۴

جینت پرمار کو پڑھنے لکھنے کا شوق بچپن سے تھا۔ان کے مطالعے میں کارل مارکس(Karl Marx)،فریڈرک اینگلز(Friedrich Engles)والادیمیر لینن(Vladimir Lenin)،روزا لکسمبرگ(Rosa Luxemburg)جارجی پلیخانو(Georgi Plekhano)، چی گویرا(Che Guevara) میکس میلیئن روبل(Maximilien Rubel)،جارج پیڈمور(George Padmore)،ڈینیئل ڈی لیون (Daniel De Leon)ولیم شیکسپیئر(William Shekspeare)،پابلو نیرودا(Pablo Neruda)ولیم ورڈزورتھ (William

(Wordsworth)،بینجمین جانسن (Benjamin Jonson)،مایاانجلو (Maya Angelou)،وان گاگ(Van Gogh)،خسرؔو، ولؔی،سوداؔ،دردؔ،میرؔ، ذوقؔ، غالبؔ، حالؔی، اقبالؔ،فیضؔ ۔۔۔ندا فاضلی ،محمد علوی ،وارث علوی ، گوپی چند نارنگ،شمس الرحمٰن فاروقی، رَیداسؔ(र ै द ा स)، کبیرؔ(कबीर)،بسویشور(बसवेश्वर)، نارائن گرو(नारायण गुरू)،نام دیو ڈھسال (नामदेव ढसाल)، پیریار(पेरियार)،جیوتی راؤ پھولے(जोतिराव फुले)،بِرسامُنڈا(बिरसा मुण्डा)، ڈاکٹر بھیم راؤامبیڈکر(डॉ0 भीम राव अम्बेडकर)،مہاتمہ گاندھی(महात्मा गांधी)،ٹیگور(टैगोर)،بابوراؤ باگُول(बाबूराव बागूल)،جاشُوا(जाषुवा)، رمن بگھیل (रमन बघेल)،دَیا پوار(दया पवार)، اوم پرکاش والمیکی (ओमप्रकाश वाल्मीकि)،لکشمن گائکواڑ(लक्ष्मण गायकवाड)جے پرکاش کردم(जयप्रकाश कर्दम)،موہن داس نیمی شرائے(मोहनदास नैमिशराय)،تُلسی رام(तुलसी राम) ،کانچا ایلیا(कांचा इलैया)وغیرہ کی کتابیں رہیں۔ان تمام فنکاروں کی تخلیقات نے جہاں ایک طرف جینت پرمار کے کتب بینی کے شوق کوشدت بخشی وہیں دوسری جانب ان کےتخلیقی شعور کواجاگر کرنے میں بھی اہم رول ادا کیا۔شاعر بننے کی تمناان کے اندر دبی ہوئی تھی ان مفکرین وشعراء کے مطالعے نے اسے باہر نکال دیا۔اوراس طرح ایک شاعر بننے کی تمنانے تڑپ کی صورت اختیار کرلی۔اس سلسلے میں جینت پرمار کہتے ہیں:

> ’’ہم غریب بچوں کوکوئی نہ کوئی شوق ضروررہتاہی ہے۔
> مجھے بچپن سے ہی گھر کی دیواروں پرلکڑی کے کوئلے سے نقاشی
> کرنا،مسجد کی دیواروں پرتراشی ہوئی آیتوں،اذان کی لحن،نعت
> ،مشاعرے اورکتابوں کامطالعہ کرناپسندتھا۔‘‘ ۱۵

جینت پرمار کےشعری سفر کا آغاز غزل سے ہوااورغزل ان کے نزدیک چھوٹی چھوٹی نظموں کا مجموعہ ہے۔اس کے برعکس نظم ایک مکمل پینٹنگ ہے۔جینت پرمار جب سےتخلیقی کام انجام دے رہے ہیں تب سے آج تک نظم وغزل کوہی اپنے احساسات وجذبات کا وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ان کا پہلاشعری مجموعہ’’ اور ‘‘ ۱۹۹۹ء میں موڈرن پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی سے شائع ہوا۔اس کی اشاعت میں گجرات اردو اکادمی کا جزوی مالی تعاون شامل ہے۔اس کتاب کا انتساب جینت پرمار نے اپنے والدین کے نام موسوم کیا ہے۔مجموعے

میں آٹھ صفحات پر مختلف تصاویر شاعر نے خود عکس کیا ہے۔اور سرورق بھی خود شاعر نے بنایا ہے۔یہ مجموعہ کل ۱۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں بیاسی (۸۲) نظمیں اور ''اشعار'' کے عنوان سے بارہ (۱۲) غزلیں شامل ہیں۔اس کتاب کی ابتدا نظم ''نماز'' سے ہوتی ہے۔اس مجموعے میں ان کی مخصوص نظمیں ''صراحی نظم کی ٹوٹی، منّو، چاند دریا پار کر رہا ہے، میری کویتا تیز نکلا خنجر ہے، اچھوت، مندر، پہاڑ، شاعر، پینتھر اور پوسٹر، کالا سورج، آکروش، اللہ، گدڑی، پیڑ کے کوٹھے پر، سات آسمانوں سے دور، ایک ستارہ ٹوٹ گرا تھا، میرے تن کی دھوپ کو بادل کر دے، سیپ کوڑی تتلیاں سائے شجر روشن ہوئے، قریب تر ہوتا ہے صرف اندھیرا ہی، امجد علی خاں کا سرود وادن، بلیک پوئٹری، پہاڑ پرندہ پیڑ، نظم نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا، مجھے سونے نہیں دیتا ہے تارہ، حسین کے گھوڑے، اخبار، عمر، شہر، نظم، احمد آباد، ٹائمز، کالی چڑیا، بمبئی، تخلیق'' وغیرہ جیسی نظمیں قابل ذکر ہیں۔

جینت پرمار کا دوسرا شعری مجموعہ'' پنسل اور دوسری نظمیں '' ۲۰۰۶ء میں گجرات ساہتیہ اکادمی کے مالی تعاون سے شائع ہوا۔اس کتاب کا سرِ ورق سنکیت مہا پاتر نے تخلیق کیا ہے۔اس کتاب کے اندر دس (۱۰) ڈرائنگ ہیں اسے جینت پرمار، سنکیت مہاپاتر اور وِدِشا مہاپاتر نے بنایں ہیں۔یہ مجموعہ کل ۱۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں اسّی (۸۰) نظمیں اور اٹھارہ (۱۸) غزلیں شامل ہیں۔اس مجموعہ پر انہیں ۲۰۰۸ء میں ''ساہیتہ اکادمی'' انعام سے نوازا گیا ہے۔اس کتاب کا انتساب اردو ادب کے مشہور نقاد اور محقق شمس الرحمٰن فاروقی کے نام ہے۔مجموعہ'' پنسل اور دوسری نظمیں'' کا پیش لفظ اردو شعر و ادب کی معروف شخصیت ،ادیب ،شاعر، نقاد اور افسانہ نگار بلراج کومل نے لکھا ہے۔جس میں انھوں نے جینت پرمار کی شاعرانہ فطرت کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے:

> ''جینت پرمار کی نظموں غزلوں کا پہلا مجموعہ'اور' اگرچہ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا تھا لیکن میں ان کے کلام سے ۱۹۹۹ء سے کچھ برس پہلے متعارف ہو چکا تھا۔'اور' کے فلیپ پر ایک پیراگراف کی صورت میں میری رائے اس جملے پر' نقطۂ تکمیل' تک پہنچی تھی کہ جینت پرمار کی آواز عصری اردو نظم کی منفرد آواز ہے....ان کا تازہ ترین مجموعہ: 'پنسل اور

دوسری نظمیں' (اس میں غزلیں بھی شامل ہیں) ان کے اعلیٰ تخلیقی حصول کا جیتا جاگتا ثبوت ہے.... جینت پرمار مظاہر فطرتم مظاہر انسان، مظاہر حیوانات و نباتات، مظاہر کارکرگی حیات و ممات۔ اور ان سب کی مماثل اور باہم دیگر اور متصادم حرکات درمیان بار بار (Metamorphosis) قلب ماہیت کا تجربہ کرتے ہیں اور اس عمل سے گزرتے ہوئے انسانی وجود کی مختلف جہتوں کے ادراک کے مرحلوں کا رنگوں اور آوازوں سے ایک ہمہ جہت منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ زندگی مختلف عناصر کے عمل اور ردعمل کے نتیجے کے طور پر جاری و ساری ہے۔..... جینت پرمار نے اپنے تازہ ترین مجموعہ کلام کا نام اگر چہ 'پنسل اور دوسری نظمیں' رکھا ہے لیکن وہ غزل میں یکساں بانکپن کے ساتھ طبع آزمائی کرتے ہیں۔ بھاری بھرکم الفاظ اور فارسی تراکیب سے گریز نظموں کی طرح غزلوں کے طریق کار کا بھی حصہ ہے۔ ان کی غزلیں طریق کار، انتخابِ الفاظ اور بحروں کی ترجیحات کے اعتبار سے ان تخلیقات کے ذیل میں آتی ہیں جنہیں سہل ممتنع سے منسوب کیا جاتا ہے۔........ جینت پرمار کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنی نظموں میں بار بار جنم لیتے ہیں اور بار بار اپنی تخلیقی دریافت اور تخلیقی تجسیم کا تجربہ کرتے ہیں۔ جینت پرمار کی یہ خوش نصیبی لائق مبارک باد ہے۔'' [۱۶]

اس مجموعہ میں ان کی مخصوص نظمیں'' غالبؔ، میں نظموں میں بار بار جنم لیتا ہوں، کاغذ، میں نے اسے کئی بار ایزل پر دیکھا، ڈرائنگ، میراجی کی تصویر، میری بے حس انگلیوں میں نہیں ہے طاقت، ہزاروں ہاتھ، لفظ خوبصورت ہیں۔، ایک گلی مڑتی ہے وہاں سے، اے سمندر اے سمندر، سرئیل خواب، اپنے پرکھوں کی قبروں کو سونگھتا ہے، گینگ ٹاک جاتے ہوئے، رات ہونے والی ہے، چلو جانِ جاناں، کالی غزل، پینٹنگ، موت کا ایک دن، ماں، ماں کی چتنا، دلت کوی کی وصیت، جوتے، فیاض خاں کا مزار،

خواب، بارش، سیاہی اس کی نابھی میں لیتے ہے سانس، کالی غزل، نظم کہاں رکھی ہے میں نے، ایزل پر رکھی شبد نظمیں، جیسی وغیرہ ہیں ۔

'' مانند '' جینت پرمار کا تیسرا شعری مجموعہ ہے جو ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔اس کی اشاعت میں گجرات اردو ساہتیہ اکادمی کا مالی تعاون شامل ہے۔اس کتاب کا سرورق وِدِشا مہا پاتر نے تخلیق کی ہے۔اس مجموعے میں باوَن (۵۲) مصوری کا نمونہ پیش کیا گیا ہے جنہیں جینت پرمار اور ان کی بیٹی وِدِشا مہا پاتر نے بنائی ہے۔اس کتاب کا انتساب عہد حاضر کا مشہور اردو نقاد، محقق اور ادیب گوپی چند نارنگ کے نام ہے۔یہ مجموعہ کل ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔مذکورہ ان کے دیگر شعری مجموعوں کی طرح اس مجموعے میں بھی نظمیں اور غزلیں دونوں شامل ہیں۔جن میں نظموں کی تعداد باسٹھ (۶۲) اور غزلوں کی تعداد تیرہ (۱۳) ہے۔اس مجموعہ کے آنے سے ان کی شاعرانہ شخصیت کو نئی پہچان ملی۔ان کی کچھ مخصوص نظمیں '' نذرِ غالب، غالب کا مجسمہ، سفید کاغذ پہ کالی پنسل تڑپ رہی ہے، کل مجھے پھانسی ہوگی، خالی آرام کرسی کو تکتا رہا، میرے بھائی جو مرے بعد زندہ بچیں گے، جیسلمیر ، ماں کی موت پر تین نظمیں، میرا دل ہے میرا مسجد، ذات، گیند، خدا کی چہرے جیسی صبح، خدا میرے سامنے کھڑا ہے، جناور، میری جنگ روٹی کی نہیں، منوتری قسمت ہے کالی، لفظ کو دیکھا ہے میں نے، ستارے چمکتے ہیں کچھ دور تک، جنم دن' جیسے وغیرہ قابل ذکر ہیں۔اس کتاب کی ابتدا ہسپانوئی زبان کے معروف شاعر پابلو نیرودا (Pablo Neruda) کی نظم '' Ars poetica (فنِ شاعری) '' سے ہوتی ہے:

"Granted : one poet's experience
With manual metaphysics
doesn't make a poetics;
but I've pared my nails to the quick
to temper my craft
and these shabby prescritptions
I learned for myself, at first hand :
If you find them uncouth
for a poet's vocation,
I agree - no apologies needed !
I smile toward the future
and I am gone before you can give me your reasons." 17

چوتھا شعری مجموعہ'' انتر ال '' یہ مجموعہ ۲۰۱۰ء میں کرناٹک اردو اکادمی سے شائع ہوا۔اس کتاب کا سرورق بھی جینت پرمار نے تخلیق کیا ہے۔اس کتاب کا انتساب اردو کے نام ہے۔مجموعہ 'انتر ال' کل ۸۲ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں سیتالیس (۴۷) نظمیں اور تیرہ (۱۳) غزلیں شامل ہیں۔اوراس مجموعے میں جینت پرمار نو (۹) پینٹنگ بھی کیے ہیں۔جس میں 'غالبؔ کی ٹیڑھی زمین، تیری کالی زلفوں میں آگ سرد ہوتی ہے، منیر نیازی کی یاد میں، دوات، روم ٹیک موناسٹیری، گوپی چند نارنگ، کچلے ہوئے پھولوں میں خوشبو ہے ابھی باقی، اس سے پہلے کہ مٹّی مجھے اوڑھ لے، میرا جنم نہیں ہوا تھا کسی گھرانے میں، زبان، اک زندہ انسان کو چھو لیتا ہوں میں، میری بستی میں شام، سورج کی بیاض، روح کو زنجیروں میں کیسے جکڑوگے، Feminism، پھر ساری کائنات کا جنم ہوا، جاناں وغیرہ جیسی کامیاب نظمیں شامل ہیں۔

جینت پرمار کا پانچواں شعری مجموعہ'' نظم یعنی '' ۲۰۱۳ء میں سخن کدہ احمد آباد، گجرات سے شائع ہوا۔اس کتاب کا انتساب مشہور فلمی نغمہ نگار گلزارؔ کے نام معنون ہے۔اس کا سرورق بذاتِ خود جینت پرمار نے تخلیق کیا ہے۔اس مجموعہ میں مصوری کا بہت عمل دخل ہے۔اس کتاب میں فہرست ندارد ہے۔ہر صفحے پر نظم کی موضوع کی مناسبت سے ایک اسکیچ بھی ہے۔اور ساتھ ہی ہر نظم کا ریاض لطیف نے انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔یہ مجموعہ کل ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔کل نظموں کی تعداد پچاس (۵۰) ہے۔اس میں ان کی مخصوص نظمیں'' ہوئی مدّت کی غالب، دلیت کویتا، کپاس کا نوحہ، وان گاگ کے تاج، بستہ خالی کر جاتی ہیں، آلو کھانے والے، ٹیگورؔ، پتنگ، کبیرؔ، سرشار بلند شہری، لاالہٰ اللہ، غزل لکھوں گا ایک ایسی، گھر کی یاد، گھر واپس کب لوٹ آؤ گے'' وغیرہ ہیں۔اس کتاب کی ابتدا اطالوی زبان کے معروف مصوّر، مجسمہ ساز، سائنس دان، حساب دان، مہندس، موجد، ماہرِ نباتیات، موسیقار اور مصنف لیونارڈو ڈاونچی (Leonardo Da Vinci) کے قول سے ہوتی ہے:

"Painting is poetry that is seen rather than flet,and poetry is panting that is flet rather than seen." 18

جینت پرمار کا چھٹا شعری مجموعہ'' جیا کو میتی کے سپنے '' ۲۰۱۶ء میں سخن کدہ احمد آباد سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ کل ۱۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا سرورق جینت پرمار نے خود تخلیق کی ہے۔اور اس میں پینٹنگ پرماراوران کی بیٹی وِدِشا مہاپاترنے کی ہیں۔کتاب کے اندر کل دس (۱۰) عکس بنا ہوا ہے۔'جیا کو میتی کے سپنے' مجموعے میں چوّن (۵۴) نظمیں، آٹھ (۸) دوہے، ''تسبیح'' کے عنوان کے تحت سات (۷) غزلیں اور نو (۹) غزلیں مطلع کے''پہلا مصرع'' کے عنوان سے بھی شامل ہیں۔اس کتاب کا انتساب ان کی شریک حیات (مینا)، بیٹا (سنکیت) اور بیٹی (وِدِشا) کے نام ہے۔اس کتاب کی ابتدا کچھ اس طرح سے ہوتی ہے۔

اللہ من

☆

☆

☆

ذات اپنی مفاعلن فعلن

اور اک نام ہے جینت مرا

اس میں ان کی مخصوص نظمیں'' جیا میتی کے سپنے، اپنا اپنا آسمان، ادھوری نظم کا کاغذ، بیت، ماہیے، منٹو کی تصور، فعلن فعلن ۔۔۔، خطوط غالب، ٹیگور کی پینٹنگز، پہلی بارِش، گیہوں کے دانوں کی گیلی مونچھیں، اُفق کے پیلیٹ پر بچے رنگ، زندگی یعنی مختلف لمحوں کی نظمیں، اسّی سال پرانی کرسی، دلت کو یتا لکھ سکتے ہو تم بھی شاید، کاٹ دیا برہما کے پانو کا انگوٹھا، تو نے کبھی خط میں لکھا تھا، برسامُنڈا کے لیے ایک نظم، خواب میں ایک چھوکری ہے، تسبیح'' وغیرہ ہیں۔

ان کا ساتواں مجموعہ کلام'' نقطہ اور دوسری نظمیں'' ۲۰۱۹ء میں نوجیون پرکاشن احمد آباد گجرات سے شائع ہوا۔اس کتاب کا سرورق بھی جینت پرمار نے تخلیق کیا ہے۔اس کتاب کا انتساب اردو شعر و ادب کی معروف شخصیت، ادیب، شاعر، نقاد اور افسانہ نگار بلراج کومل اور معروف شاعر شہریار کے نام کچھ اس طرح ہے:

''بلراج کومل اور شہریار کی یاد میں''

یہ کتاب کل ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں کل اٹھہتر (۷۸)نظمیں اوراٹھارہ (۱۸) غزلیں شامل ہیں۔ کتاب میں نو(۹) جینت پرمار کے بنائے ہوئے پینٹنگ کے نمونے بھی شامل ہیں۔کتاب کی ابتدا نیلی سکھس (۱۸۹۱ءتا۱۹۷۰)جرمنی زبان کے معروف شاعرہ اور پاؤل کلی (۱۸۷۸ءتا۱۹۴۰ء) جرمن کے معروف آرٹسٹ کے قول سے ہوتی ہے:

"Metaphors are my wounds."

-Nelly Sachs

"A line is a dot that went for a walk"

-Paul Klee

اس مجموعہ کلام میں ان کی مخصوص نظمیں غالبؔ،اُلٹے دیرِ کعبہ،خدا تو اپنی عینک طاق میں رکھتا ہے،تم میرے پاس جب نہیں ہوتی،تا قیامت کھلا ہے،حرف اردو،ڈھیڑواڑہ وغیرہ ہیں۔

جینت پرمار کا ایک مضمون ''قلم،دوات اور میں'' کے عنوان سے رسالہ آج کل ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا۔جینت پرمار کی شاعری کا ترجمہ ملکی اور غیر ملکی زبانوں: ہندی،انگریزی،مراٹھی،پنجابی،پستی،بنگالی،کنڑ اور تلگو،کشمیری وغیرہ میں ہوکر رسائل و جرائد کی زینت بن چکی ہے۔جینت پرمار کے انٹرویو:نعمان شوق ''میں بڑے کینوس کی نظمیں کہتا ہوں'' رسالہ ''آج کل'' میں اپریل ۲۰۰۹ء میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔ ان کا دوسرا انٹرویو: تنویر اعجاز اور صادق نور رسالہ'' استعارہ '' میں بھی جون ۲۰۰۶ء میں کراچی (پاکستان) سے شائع ہوا ہے۔جینت پرمار کی فن شاعری اور حیات پر ہندو پاک کے مختلف رسائل و جرائد میں مضامین بھی شائع ہوئے ہیں۔ان رسالہ جات میں ماہنامہ'' آج کل'' شش ماہی'' استعارہ '' ماہنامہ''انشاء'' سہ ماہی'' نئی کتاب'' ، '' شب خون'' ، ''شعر و حکمت'' ، '' نیاورق'' وغیرہ ہیں۔

جہاں تک زبان کا تعلق ہے تو جینت پرمار متعدد زبانیں جانتے ہیں۔تاہم خصوصاً اردو،گجراتی،ہندی اور انگریزی میں انہیں خاص دسترس حاصل ہے۔

سمینار، کانفرنس اور مشاعروں میں شرکت:

جینت پرمار نے ملک اور بیرون ملک میں سمینار، کانفرنس اور مشاعروں کے لئے شرکت کی، ہندوستان و پاکستان کے جن شہروں کا سفر کیا ہے ان میں، دہلی، لاہور، حیدرآباد، کلکتہ، لکھنؤ، الہ آباد، چینئی ،کانپور، جے پور، وغیرہ اہم ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف یونیورسٹیوں میں انھوں نے مختلف موضوعات پر بھی خصوصی لکچر دیا ساتھ ہی اس طرح کے سمینار میں منعقد مشاعروں میں بحیثیت شاعر بھی شریک ہوتے اور اپنی نظموں وغزلوں سے اپنی شناخت مستحکم کی ۔ دلت سماج پر منعقد سمیناروں میں ان کی شرکت لازمی ہوتی ہے۔ جہاں پر وہ بحیثیت صدر بھی اپنے فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اور اپنے تاثرات لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یوٹوب وغیرہ پر دلت موضوع پر دیئے گئے لکچر موجود ہیں۔ مشاعرے اور ادبی سرگرمیوں میں شرکت کے حوالے سے جینت پرمار کے دوست اشفاعت قادری ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ’’جینت پرمار مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتا ہے۔ اور اگر شرکت کرتا بھی ہے تو بادلِ ناخواستہ۔ اُس کی دلچسپی سنجیدہ ادبی سرگرمیوں میں ہے۔ ایک دن اُسی نے مجھ سے کہا کہ ’’احمد آباد میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے بعد ایسی کوئی انجمن ادارہ یا حلقہ نہیں ہے جہاں ادبی مسائل پر دانشورانہ غور و فکر کیا جا سکے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سنجیدہ سرگرمی کے لیے کوئی حلقہ قائم کیا جائے۔‘‘ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے دل کی بات کہہ دی ہو۔ میں نے اس بات کا ذکر میرے بزرگ دوست وارث علوی سے کیا۔ میرے اور جینت پرمار کی طرح وارث علوی بھی ایسے حلقے کی کمی کو ایک عرصہ سے محسوس کر رہے تھے۔ ہم نے انہیں عملی طور پر تعاون کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ اور ’’سخن کدہ‘‘ کے نام سے ایک حلقہ قائم کیا۔۔۔ ’’سخن کدہ‘‘ کے جلسوں میں وارث علوی بلبلِ نوا سنج

کر طرح جھکتے ہیں۔ راقم اور دیگر نوجوان بحث میں حصّہ لیتے ہیں لیکن جہاں تک جینت کا تعلق ہے وہ ان جلسوں میں ہمیشہ پس منظر میں رہتا ہے۔ اور کبھی سامنے آنے کی کوشش نہیں کرتا وہ چپکے سے آتا ہے اور کسی ایک کونے میں بیٹھ جاتا ہے تاکہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کی نظروں سے دور ہے۔ البتہ غور سے خاموشی کے ساتھ تقریر سنتا ہے یا ہر اس چیز کو سنتا ہے جو وہاں پڑھی جائے۔'' ۱۹

''سخن کدہ'' ایک ادبی حلقہ ہے۔ اس حلقہ کا نہ کوئی صدر ہے نہ کوئی سکریٹری اور نہ کوئی خازن۔ صرف دو کنوینز ہیں وارث علوی اور شفاعت قادری جو صرف مہینے میں دو بار ایسی ادبی نشستوں اور جلسوں کا اہتمام کرتے ہیں جس میں کسی ایک فنکار یا فن پارے پر فکر انگیز تقریر کی جاتی ہے تقریر کی زبان اردو ہندی گجراتی یا انگریزی کوئی بھی ہوتی ہے۔ 'سخن کدہ' کو قائم کرنے کا خاص مقصد شعر و ادب کے حوالے سے حیات و کائنات اور اس کے مسائل کو سمجھنا اور آزادیٔ فکر و خیال اور دانشورانہ روایت کو قائم رکھنا اور منتخب قارئین پیدا کرنا اور شہر کے نئے لکھنے والوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہے۔

ملازمت :

جینت پرمار کی زندگی میں بہت ہی پیچ و خم تھے۔ پرمآر کے والدین مل مزدور تھے۔ ان کے والدین کی مالی حالات بہتر نہیں تھے۔ اس لیے گھر کے حالات کو دیکھ کر جینت پرمار نے تعلیم کے پوٹریٹ بنا کر بیچنا اور ایک فریم بنانے والی دوکان پر منی ایچر پینٹنگز بنانا ان کا پیشہ ہو گیا تھا۔ لیکن یہاں بھی انہیں اچھوت ہونے کی وجہ سے چھوا چھوت کا درد سہنا پڑا۔ اس سلسلے میں تنویر اعجاز اور صادق نور کے ساتھ ایک انٹرویو میں جینت پرمار کہتے ہیں:

'' گھر کے حالات کو دیکھ کر میں خود پندرہ برس کی عمر میں ہی یہ سمجھ گیا تھا کہ مجھے جو بھی کچھ کرنا پڑے گا وہ اپنے بل بوتے پر ہی کرنا پڑے گا۔ اس لیے اسی عمر سے پوٹریٹ (Portrait)

بنا کر بیچنا اور ایک فریم بنانے والے کی ایماء پر منی ایچر پینٹنگز (
Miniature Paintings) بنانا میرا پیشہ ہو گیا تھا۔ لیکن
یہاں بھی اچھوت ہونے کی وجہ سے میرے لیے پینے کے پانی
کا علیحدہ مٹکہ رکھا جانے لگا۔ تب میں نے دوسرے روز سے
وہاں جانا چھوڑ دیا۔'' [۲۰]

بعض مشکل حالات کے باوجود انھوں نے B.Com پاس کیا۔ گھریلو اخراجات کو پورا کرنے اور تنگ دستی کو دور کرنے کے لیے انہیں روزگار کی فکر ہوئی۔ انھوں نے کلیکٹر آفس میں ملازمت کرنے کے لیے درخواست دی۔ درخواست جمع کرنے کے کچھ دنوں بعد انہیں کلیکٹر آفس میں ملازمت مل گئی۔ کلیکٹر آفس میں جینت پرمار ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۸ء تک ملازمت کی۔ ۱۹۷۸ء سے ۲۰۱۴ء تک بینک آف بڑودہ میں کمپیوٹر آپریٹر (Computer Operator) کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیے۔ بینک سے ریٹائر ہونے کے بعد احمد آباد کے قصبہ شاہ پور کے آبائی گھر کو خیر باد کہہ کر احمد آباد کے رنیپ کے قریب شانتی نکیتن سوسائٹی میں آکر آباد ہو گئے۔ اور اپنی تمام تر مصروفیات سے فارغ ہو کر پھر سے قلم اور برش اٹھا کر شاعر و مصور کی حیثیت سے اردو ادب کی خدمت گزاری میں مصروف ہو گئے۔ اور یہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔

شادی:

جینت پرمار کی شادی شہر احمد آباد کے قصبہ بہرام پور ۱۹۸۵ء سن میں ہوئی۔ ان کی اہلیہ کا نام مینا مہا پاترا ہے۔ جو بہت ہی سلیقہ منداور نیک عورت ہیں۔ بارہویں درجہ تک تعلیم حاصل کی ہیں۔ ان کے والد کا نام بلدیو اور والدہ کا نام لکشمی ہے۔ جینت پرمار اپنی شریکِ حیات کو شادی سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ والدہ اور بڑی بہن نے ان کے لیے لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔ جینت پرمار کی شریکِ حیات سیدھی سادی باشعور اور خوش شکل خاتون ہیں۔ جینت پرمار اپنی شادی کے تعلق سے کہتے ہیں:

'' میری شادی احمد آباد کے ہی قصبہ بہرام پور میں
۱۹۸۵ء میں ہوئی۔ میری والدہ اور بڑی بہن نے میرے لیے
لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔ گجراتی رسم و رواج کے تحت شادی سے

پہلے میں نے بھی ان کو دیکھا تھا۔'' ۲۱

دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار ہے۔ان کی اہلیہ ان کا بے حد خیال رکھتی ہیں،دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرتے ہیں۔

اولاد:

جینت پرمار کی دو اولاد ہیں،ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔لڑکا بڑا ہے جو ۱۹۸۸ء میں پیدا ہوا۔اس کا نام سنکیت مہاپاتر ہے۔وہ بڑے مہذب ،سنجیدہ اور ذہین فرزند ہیں۔سنکیت مہاپاتر B.Sc(Physics), M.Sc (Perfoming arts medicine) کی تعلیم سے سرفراز ہیں ساتھ ساتھ یہ ایک Music Composer میوزک کمپوزر بھی ہیں۔انھیں طبلہ بجانے اور پینٹنگ کا بھی بہت شوق ہے۔

۱۹۹۲ء میں جینت پرمار کے گھر جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام وِدِشا مہاپاتر ہے۔یہ بھی ایک مہذب ،سنجیدہ اور ذہین بیٹی ہیں۔انھوں نے MBA,M.Com,B.Com کی تعلیم حاصل کی۔فی الوقت یہ بینگلور میں بینکنگ کورس کر رہی ہیں۔انہیں اردو زبان و ادب سے بھی بہت لگاؤ ہے۔موسیقی کی دلدادہ ہیں جس کی وجہ سے انھیں بھی گانے کا شوق پیدا ہوا نتیجاً وہ آج ایک کلاسیکل سنگر کی حیثیت سے گائکی کی دنیا میں اپنی شناخت قائم کر چکی ہیں۔

سماجی وفلاحی خدمات:

جینت پرمار باقاعدہ طور پر سماجی وفلاحی تنظیموں سے جڑے تو نہیں ہیں لیکن جب کوئی ضرورت مند ان کے پاس اپنی حاجت کے پیش نظر آتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرتے بلکہ اس کی مدد ضرور کرتے ہیں۔کبھی کبھار سماجی جلسوں میں شرکت بھی کرتے ہیں اور اپنے قلم کی وساطت سے غریبوں کی خدمات جو ممکن ہو اس میں اپنی حصہ داری بھی کرتے ہیں۔

انعامات واعزازات:

جینت پرمار کو ان کی ادبی وعلمی خدمات کی وجہ سے کئی اکادمیوں اور انجمنوں سے مختلف ایوارڈز سے بھی نوازا گیا ہے۔جن کی تفصیلات ذیل میں درج ہیں۔

۱۔ گجرات اردو ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ، گجرات ۲۰۰۱ء

۲۔ کمار پاشی ایوارڈ، دہلی ۲۰۰۱ء

۳۔ بھارتیہ دلت ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ، مدھیہ پردیش ۲۰۰۲ء

۴۔ بھاشا بھارتیہ سمان دہلی ۲۰۰۶ء

۵۔ گجرات اردو ساہتیہ اکیڈمی ایواڈ، گجرات ۲۰۰۶ء

٦۔ ساہیتہ اکیڈمی ایوارڈ، دہلی ۲۰۰۸ء

۷۔ گجرات اردو ساہتیہ اکیڈمی ایواڈ، گجرات ۲۰۰۸ء

۹۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر جیون گئورو ایوارڈ، مہاراشٹر ۲۰۲۰ء

جینت پرمار آج بھی اردو ادب کی بھرپور خدامت انجام دے رہے ہیں۔ وہ اکثر اپنے کمرے میں لکھتے پڑھتے ہی نظر آتے ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً ادبی محفلوں و مشاعروں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔

شخصیت

لفظ شخصیت اپنے اندر بہت سارے اجزا کو سموئے ہوئے ہے۔انسان کی سیرت و کردار سے شخصیت بنتی ہے۔لفظ شخصیت کو انگریزی میں'' Personality '' کہتے ہیں۔جو لاطینی لفظ '' Persona '' سے اخذ کیا گیا ہے،جس کا وہ مکھوٹا یا مصنوعی چہرہ جو ڈرامہ کے کردار ڈرامہ کرتے وقت چہرے پر لگاتے ہیں۔گویا اس سے ظاہری شکل وصورت مراد لی جاتی ہے''فرخ جاوید'' میں اس کے معنی یوں لکھے ہیں:

'' لفظ شخصیت (Persona) اصل میں لاطینی''
پرسونا'' (پرسونا) سے اخذ کیا گیا ہے۔جس کا مطلب ایسے
نقاب سے ہے جو بطور مصنوعی چہرہ استعمال کیا جاتا ہے۔گویا''
پرسونا'' کا مطلب ظاہری شکل وصورت اور عمل وحرکات ہے۔'' ۲۲

شخصیت انسان کے ظاہری اور باطنی خصوصیات کا مجموعہ ہوتی ہے جس میں انسان کی چال ڈھال،روپ رنگ،عادت واطوار،سیرت وکردار،اخلاق وآداب،گفتگو،تہذیب سبھی کچھ شامل ہوتی ہے اور یہ تمام خصوصیات انسان کی موروثی ہوتی ہے یا پھر جس ماحول میں انسان رہتا ہے اس کی دین ہوتی ہیں۔جینت پرمار کی شخصیت کی تعمیر میں ان کے ماحول اور موروثی اثرات کا عمل دخل ہے۔وہ جس ماحول میں اپنی زندگی کو گزارے ہیں ان سب کا ان کے اوپر اثر ہوتا ہے انھوں نے زندگی کے کئی مراحل کو دیکھا ہے۔زندگی کے مشکلات کا مستعدی کے ساتھ کر سامنا کیا ہے۔بڑی بڑی مصیبتوں کو انھوں نے ڈٹ کر سامنا کیا ہے۔جب ہم ان کی شخصیت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جینت پرمار کی سنجیدگی اس بات پر دال ہے

کہ زندگی کے تمام اُتار چڑھاؤ اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

جینت پرمار کی شخصیت کی تعمیر میں ان کے گھر، سماج اور ان کے ماں باپ کا بہت عمل دخل ہے۔ جس ماحول میں وہ پڑھے لکھے اس کا گہرا اثر ہے جس سماج میں وہ پلے بڑھے اس میں تعلیم کا رواج بہت کم تھا۔ لیکن ان کے ماں باپ نے خصوصاً توجہ دیا اور انھیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔ ان کی پرورش و تربیت بھی بہترین طریقے سے کی۔ اپنے ماں باپ کی تربیت کا اثر ان کی شخصیت پر پڑا۔ جس سے وہ ایک لائق و فائق اور کامیاب انسان بنے۔

جینت پرمار کی شخصیت کی بڑی خوبی انسان دوستی ہے۔ وہ سیدھے، سچے، ایماندار، محنت کش، وفادار، نیک، بااخلاق اور ہمدرد انسان ہیں۔ اللہ، رام، واہے گرو ان کے لیے سب یکساں ہیں۔ ان کے نزدیک انسانیت ہی انسان کا سب سے بڑا مذہب ہے وہ بڑے ملنسار، مہمان نواز اور دوست نواز شخص ہیں۔ جینت پرمار کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوتے اور نہ ہی انھیں غصہ آتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ وہ ہمیشہ مخلصانہ انداز سے پیش آتے ہیں۔ وہ خود کو کسی دوسرے سے اونچا تصور نہیں کرتے غرض یہ کہ ان کی شخصیت انسانیت کا ایک بہترین پیکر ہے۔

جینت پرمار آج جس مقام پر فائز ہیں اور ادبی سماجی سطح پر انھیں جو مقام حاصل ہے۔ اس میں ان کے والدین کا بڑا اہم کردار ہے۔ سخت محنت بھی اور خدا کا رحم و کرم بھی رہا ہے تو بات بنی ہے جسے حق بجانب کہا جاسکتا ہے۔

جینت پرمار مہذب، شریف اور نیک سیرت انسان ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا ان کا شیوہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع ہے۔ ہندوستان ہی میں نہیں دوسرے ممالک میں بھی ان کے متعدد دوست ہیں۔ انسانی قدروں کے دلدادہ جناب جینت پرمار طبیعت کے بڑے نرم ہیں۔ ہر ایک کا درد اُن کو اپنا درد لگتا ہے۔

جینت پرمار سادہ طبیعت کے مالک ہیں اس کے علاوہ خوش اخلاق ہیں ان کے چہرے کو مسکراتا چہرا کہنا غلط نہ ہوگا۔ ہلکی سی شکن بھی ان کے ماتھے پر نمودار نہیں ہوتی خود اچھے انسان ہیں اور دوسروں کی اچھائیوں پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتے۔ اپنوں بیگانوں میں کوئی فرق نہیں رکھتے وہ ہر کسی سے

یکساں خلوص ومحبت سے ملتے ہیں۔نہایت شریف اور معصوم شخصیت کے مالک ہیں۔

معمولاتِ زندگی:

جینت پرمار صرف ایک ادیب ہی نہیں بلکہ ایک ذمہ دار انسان ہیں۔ان کی دن بھر کی مصروفیات کچھ یوں ہے۔وہ صبح تقریباً چھ بجے جاگتے ہیں اور سیر وورزش کے بعد چائے ناشتہ کرتے ہیں اور پھر اپنی ذمہ داریوں میں لگ جاتے ہیں:بقول جینت پرمار:

> ''میں صبح تقریباً چھ بجے بیدار ہوکر بستر سے اٹھ جاتا ہوں اور صحت کا خیال رکھتے ہوئے دریائے سابرمتی تک چہل قدمی کرتا ہوں اور یوگہ بھی کرتا ہوں ۔ واپس آکر چائے ناشتہ کرتا ہوں اور پھر اپنی ذمہ داری یعنی بینک کے لیے روانہ ہوجاتا تھا۔لیکن ادھر جب سے نوکری سے سبکدوش ہوا ہوں تب سے ملازمت کے علاوہ ساری مصروفیات وہی ہیں جو پہلے تھیں البتہ دن کتابوں کے مطالعہ و لکھنے پڑھنے میں گزر جاتا ہے۔شام کو اپنے کمرے میں بیٹھ کر اکثر اردو چینل اور خبریں دیکھتا ہوں ۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑا بہت ٹہلتا ہوں اس کے بعد دیر رات تک پڑھتا لکھتا ہوں ۔اور سو جاتا ہوں ۔۔۔اور پھر صبح وہی۔۔۔'' ۲۳

حلیہ:

جینت پرمار کا حلیہ کچھ اس طرح ہے۔چھوٹا قد،متوسط جسامت ،ہلکا سانولا رنگ ، روشن کتابی چہرہ، چوڑی پیشانی ، حیران آنکھیں، ڈاڑھی بالکل شیو، مونچھ ہونٹ کی جانب تھوڑی سی جھکی ہوئی، آواز پرکشش، بال کالے ، لمبے اور بالترتیب ۔عمر درازی کے ساتھ ساتھ بال کم اور سفید بھی ہوگیے ہیں ۔ یہ ساری چیزیں ان کی شخصیت میں رنائی پیدا کرتی ہیں ۔ایک بار جو ان سے مل لیتا ہے تو وہ دوبارہ ملنے کے لیے متمنی رہتا ہے

جینت پرمار نے اپنی وضع قطع اور شوق کے بارے میں راقم الحروف کو بتایا:

''پہلے مجھے لمبے بال رکھنے کا بہت شوق تھا۔ میں اپنے بال کو ہمیشہ کنگھا دے کر ترتیب سے رکھتا تھا۔لیکن اب حالت کچھ اور ہے عمر کے ساتھ ساتھ بال بھی کم ہونے لگے ہیں۔ پھر بھی سر پہ جو کچھ بال بچے ہیں ان کا بہت خیال رکھتا ہوں۔'' ۲۴

شفاعت قادری بھی اپنے مضمون ''ہمدم دیرینہ: جینت پرمار'' میں جینت پرمار کے حلیہ کے متعلق کچھ یوں لکھتے ہیں:

''جینت مجھے ذاتی طور پر بہت پیارا شخص لگتا ہے۔اس کا چھوٹا سا قد معمولی ناک نقشہ کلین شیوڈ گھنے کالے اور سفید گھنگریالے بال سادہ کپڑے بغیر کسی ادا کے بات کرنے کا انداز اور ہمیشہ پس منظر میں رہتا ہے۔'' ۲۵

لباس:

جینت پرمار صاف ستھرا لباس پہننے کے عادی ہیں اکثر فارمل پینٹ شرٹ پہنتے ہیں۔ وہ ہمیشہ شرٹ کو اِن کرکے پہنتے ہیں۔ ملازمت کے دوران فارمل ہی کپڑے پہنتے تھے۔اب اسی کے عادی ہوگئے ہیں۔لیکن پارٹی وغیرہ میں جاتے وقت ڈزائین کئے ہوئے کپڑے بھی پہنتے ہیں۔لکھنوی کرتا اور اس کے اوپر رنگین صدری پہنتے ہیں۔یعنی لباس کے معاملے میں وہ محفل اور موقع کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ویسے زیادہ تر سلے ہوئے کپڑے پہننے کا شوق ہے۔اور کندھے سے گاندھی چھاپ جھولا بھی لٹکائے رہتے ہیں۔

ڈِسپلن:

جینت پرمار ایک اچھے شاعر و ایک اچھے ملازم ہی نہیں بلکہ اصول پسند اور ڈسپلن میں رہنے والے شخص بھی ہیں۔ اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور گھر والوں کو بھی اپنی ذمہ داریوں واصولوں پر چلنے

کی تلقین کرتے ہیں ۔ وہ ہر چیز کو سلیقے اور قرینے سے رکھتے ہیں ۔ میں جب ان کے گھر گیا تو ہر چیز کو منظّم صورت میں رکھا ہوا پایا۔ مکان میں میں داخل ہوتے ہی دیکھا کہ جوتے چپل رکھنے کے لیے الگ الگ ریک تھا۔ گھر میں چاروں طرف الماریوں میں سجی ہوئی ادبی کتابیں اور دیواروں پر آرٹ کے عمدہ نمونے لٹکے ہوئے تھے۔اور سلیقے سے سجایا ہوا جھولا ان کے ڈسپلن پر دلالت کرتا ہے۔

غذا:

جینت پرمار کو کھانے میں مقوی غذائیں زیادہ پسند ہیں جن میں گوشت وغیرہ شامل ہیں۔ جسے وہ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ دن میں دو، تین بار چائے پیتے ہیں۔ مٹھائیاں بھی کھانا پسند ہے۔ مخصوص گجراتی کھانے بھی بہت پسند ہیں۔ جیسے گجراتی کھانوں میں ڈھوکلا، پھاپھڑا، اوندھیو، کھانڈوی، دودھی ناموٹھیا، تھیپلا، دال، ڈھوکلی، سیوٹمیٹانو شاک، اوسامن، موہن تھال وغیرہ ہیں۔ سنکیت اپنے والد صاحب کے غذا کے متعلق کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> ’’ پاپا کو کھانے میں سب سے زیادہ چکن، مٹن پسند ہے۔ گھر میں چکن، مٹن تو بہت کم ہی بنتا ہے لیکن جب انہیں کھانے کا من کرتا ہے تو یہ باہر جا کر کسی ہوٹل یا ریسٹورینٹ میں کھا آتے۔ پاپا دن میں دو، تین بار چائے پیتے ہیں۔ میں دیکھا ہوں کہ پاپا کو جو بھی کھانا وقت پر مل جاتا ہے اسے بڑے بخوشی قبول کرتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کھانے میں نمک زیادہ یا کم ہو تو پاپا ممّی سے کبھی شکایت نہیں کرتے ہیں۔‘‘ ۲۶

اندازِ گفتگو :

جینت پرمار کا انداز گفتگو نرم اور لہجہ دھیما ہوتا ہے۔ بظاہر وہ سنجیدہ طبیعت رکھتے ہیں لیکن مزاج میں شگفتگی ضرور نظر آتی ہے۔ یوں تو وہ کم گو واقع ہوئے ہیں لیکن دوستوں کی محفلوں میں بہت بے تکلف ہوتے

ہیں ان کی گفتگو کی ایک خاص نوعیت یہ ہے کہ دورانِ گفتگو اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ مخاطب کو تکلیف نہ ہو۔یعنی سنبھل سنبھل کر گفتگو کرتے ہیں تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔دوستوں میں تو اکثر خفگی، ناراضگی، ہوتی رہتی ہے لیکن جینت پرمار کو بہت کم غصہ آتا ہے اور اگر غصّہ آتا بھی ہے تو وہ بہت جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

ملنساری اور ہمدردی:

جینت پرمار سب کے ساتھ خلوص و ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ملنساری ان کی طبیعت کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب ان کی ہمدردی اور خلوص سے متاثر ہوتے ہیں۔ان کے رفیقِ خاص شفاعت قادری ان کی ملنساری اور ہمدردی کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> ''وہ (جینت پرمار) سیدھا سادہ ایک عام انسان ہے لیکن کوئی بھی اس سے ملنے کے بعد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ جادو نہ اس کی باتوں میں ہے نہ چہرے میں نہ آنکھوں میں پھر یہ جادو اس میں کہاں سے آیا اور کیونکر آیا یہ سراغ لگانا مشکل ہے۔کیوں کہ اس طلسمی چراغ کو اس نے ایسے تہہ خانوں میں چھپا رکھا ہے جہاں آج تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکی خود اس کی بھی نہیں۔'' ۲۷

یہ حقیقت ہے کہ جینت پرمار سے لوگ جتنے ہی گرم جوشی کے ساتھ ملتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ان سے محبت کرتے ہیں۔جینت پرمار سیدھے سادے، ایماندار، وفادار، محنت کش، اچھے اخلاق والے، مہمان دوست، تہذیب یافتہ اور نیک انسان ہیں۔

بحیثیت فرزند:

جینت پرمار اپنے والدین کے فرمانبردار بیٹے تھے وہ اپنے ماں باپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ وہ اپنی ماں کو آج بھی بہت یاد کرتے ہیں۔انھوں نے اپنی ماں کی یاد میں کچھ نظمیں بھی لکھے ہیں۔انہیں فنکار بنانے میں ان کی ماں کا بہت اہم رول رہا ہے۔یہ اپنے ماں باپ کا کہنا ایک وفادار فرزند کی طرح تسلیم

کرتے تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہوئے۔شفاعت قادری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''جینت پرمار کو اپنے والدین سے بے پناہ محبت تھی۔
اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے پہلے شعری مجموعہ ''اور'' کا
انتساب والدین کے نام کیا۔'' ۲۸

بحیثیت شوہر:

جینت پرمار اپنی بیوی سے بہت پیار کرتے ہیں۔ان کی بیوی ان کا ہر وقت خیال رکھتی ہیں۔ان کی ازدواجی زندگی خوشگوار گزر رہی ہے۔ پرمار کی شریک حیات بہت ہی خوش خرم رہتی ہیں اور زینت وزیبائش کو اختیار کیئے ہوئے رہتی ہیں۔جینت پرمار اپنی بیوی کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔بحیثیت شوہر اپنی تمام تر ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں۔جینت پرمار کی اہلیہ مینا مہا پاتر اپنے شوہر کے بارے میں اپنے مخصوص گجراتی لہجے میں راقم الحروف سے بیان کرتی ہیں جس کا ترجمہ ان کے صاحبزادے سنکیت مہا پاتر نے کچھ اس طرح کیا:

''ہم دونوں کے بیچ کبھی جھگڑا و تکرار نہیں ہوا۔ یہ ہمیشہ
نرم آواز میں بات کرتے ہیں۔ ہماری شادی ہوئے کئی سال
ہو گئے لیکن ہماری محبت میں کوئی کمی نہیں آئی۔گھر کا کوئی بھی کام
یہ ہمارے ہی مشورے سے کرتے ہیں۔میری باتوں کی ہمیشہ
قدر کرتے ہیں اور مجھ پر کبھی بھی غصہ نہیں کرتے۔'' ۲۹

بحیثیت باپ:

جینت پرمار بحیثیت باپ بھی نہات شفقت ومحبت کرنے والے اور اپنے بچوں پر جان نچھاور کرنے والے ہیں۔وہ اپنے بچوں کی خواہشوں کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے دونوں بچوں کو اعلیٰ تعلیم سے نوازا اور ان کی چھوٹی بڑی ہر خوشیوں کو پورا کیا ہمیشہ ان کے سر پر اپنا دست شفقت قائم

رکھا جسے یاد کرتے ہوئے سنکیت مہا پاتر کہتے ہیں:

''میرے پاپا As a father بہت ہی اچھے ہیں وہ ہماری آزادی اور ہماری خواہشوں کا بھر پور خیال رکھتے ہیں۔آج ہم دونوں بھائی بہن اپنی اپنی من پسند تعلیم سے آرستہ ہیں۔میرے پاپا ہم لوگوں پر کبھی باپ کی حیثیت سے تنبیہ کرتے تو کبھی دوست کی ہمدردی بھی۔ایک بار کی بات ہے کہ میں Class six میں فیل ہوگیا تھا تو پاپا نے جب رزلٹ دیکھا تو غصّے میں آکر مجھے ایک طمانچہ رسید کردیا تو میں رونے لگا اور ان سے روٹھ گیا اور ان سے بات کرنا بند کردیا تو مجھے منانے کے لیے وہ میری پسندیدہ جگہ ایک پارک میں لے گئے۔یہاں تک کہ راستے میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹا مجھے معاف کردو میں تم سے معافی مانگتا ہوں،میرے لئے یہ ایک بہت بڑی بات تھی۔اس دن پتہ چلا کہ میرے پاپا ہم لوگوں سے کتنی شفقت ومحبت رکھتے ہیں۔آج میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسے پاپا بہت کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔'' ؎۳۰

بحیثیت دوست:

جینت پرمار سیرت وکردار میں جہاں بہت سی انسانی صفات مثلاً ہمدردی،خلوص،خودداری،شگفتگی، جذبہ ایثار وقربانی اور صبر وتحمل کی ایک مکمل تصویر ہیں وہیں ان کے اندر حفظ مراتب کی خوبیاں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔وہ اپنے بڑوں سے خوش اخلاقی،سعادت مندی اور ادب واحترام سے پیش آتے ہیں اور چھوٹوں سے نہایت شفیق رویہ رکھتے ہیں۔

جینت پرمار بحیثیت دوست بہت ہی مخلص ہیں۔دوستوں کی مشکلوں اور مصیبتوں میں ہمیشہ کام آتے

ہیں۔کبھی دوستوں کے ساتھ بے راہ روی سے پیش نہیں آتے۔جینت پرمار کے دوست شفاعت قادری اپنے ایک مضمون ''ہمدم دیرینہ: جینت پرمار'' میں بحیثیت دوست کے حوالے سے رقم طراز ہیں :

''جینت پرمار سے میرا رشتہ نہ تو نقاد اور شاعر کا رشتہ ہے اور نہ قاری اور شاعر کا رشتہ ہے۔جینت سے میرا رشتہ دوستی کا رشتہ ہے۔جینت دوستوں کا دوست ہے۔دشمن تو اس کے شاید ہی ہوں۔وہ منافقت نہیں جانتا۔صاف دلی اور صاف گوئی اس کی وہ خصوصیات ہیں جو بسا اوقات اس کے لیے بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں لیکن فطرتاً وہ اُسے ترک نہ کرسکا۔جینت کی شخصیت میں اس کی خود اعتمادی کو بڑا دخل ہے وہ ایک (Self-Made Man) ہے۔اسے اپنی کمزوریوں کا بھی احساس ہے لیکن اپنی خوبیاں بھی اس سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔وہ محنتی ہے۔اور اس کے ساتھ حوصلہ مند بھی ہے۔اُسے موجودہ مقام تک پہنچنے میں بڑی جگر کاوی سے کام لینا پڑا ہے۔قدم قدم پر ناکامیوں کا سابقہ پڑا لیکن وہ مایوس نہ ہوا اور ایک دفعہ جو قدم آگے بڑھایا اسے کسی قیمت پر بھی پیچھے نہ ہٹایا۔'' ۳۱

ظاہر ہے جو انسان منافقت نہیں جانتا ہو۔سادہ دلی اور صاف گوئی ہو تو اس کا کوئی دشمن کہاں سے ہوسکتا ہے۔واقعی جینت پرمار دوستوں کے دوست ہیں۔

کچھ لوگ جینت پرمار کے قریبی دوست نہیں ہیں پھر بھی جینت پرمار نے انھیں اس حد تک متاثر کیا ہے کہ لوگ انھیں اچھے دوست مانتے ہیں ان کے سینیئر دوست یا سینئر شاعر سمپورن سنگھ گلزآر صاحب کا بیان ملاحظہ ہو:

''جینت صاحب کو میں جاننے سے پہلے کا جانتا ہوں،
اور جاننے کے بعد پھر اس کے بعد میں ملا بھی ملاقاتیں کم ہوئیں

بہت نہیں جانتا تو بھی میں خوب جانتا ہوں ،ایک اچھا دوست
ہیں۔انھیں وہ اپنی نظموں سے بہت واضح ہیں کیا شخصیت ہیں
کیا نہیں ہیں مصور بھی ہیں شاعر بھی ہیں ۔ میں دیکھا ہوں
مصوروں کو آرٹسٹ کو برش رنگوں سے پینٹ کرتے ہوئے لیکن
سیاہی سے روشنائی سے اتنے رنگ بکھیر دینا وہ انہیں کا کام ہے
جو قلم سے کر سکتے ہیں کسی اور سے نہیں بکھرتے دیکھا۔'' ۳۲

جینت پرمار کی شخصیت میں ہی وہ جاذبیت ہے کہ ان سے جو بھی ملتا ہے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ جینت پرمار کا سلوک اور روّیہ اتنا اچھا ہے کہ لوگ ان سے ملنے کے بعد انھیں اپنا دوست بنا لیتے ہیں۔ان کے دوست شفاعت قادری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''جینت سے میری پہلی ملاقات آج سے تیس سال پہلے
ریلیف پر واقع People`s Book House میں ہوئی تھی
۔یہ وہ کتاب گھر ہے جہاں صرف مارکسزم اور روسی شعر وادب
کی کتابیں ملتی ہیں۔اُن دنوں جینت نے شعر کہنا شروع نہیں کیا
تھا۔اس کا مذاق بلند تھا اور اُسے کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ وہ
ریونیو ڈپارٹ منٹ میں ملازم تھا۔اس کی مالی حالت ایسی نہیں
تھی کہ وہ قیمتی کتابیں خرید سکتا۔ میں نے اس سے ایم جے
لائبریری اور گجراب وِدیا پیٹھ لائبریری کا ممبر بننے کے لئے
کہا۔اور وہ لائبریری سے کتابیں حاصل کر کے شعر و ادب کا
مطالعہ کرنے لگا۔اس کے بعد میری اور جینت کی اکثر ملاقاتیں
ہونے لگیں۔ یہ ملاقاتیں دوستی میں بدل گئیں اور ہمارے گھریلو
تعلقات قائم ہوئے۔'' ۳۳

یعنی کہ جینت پرمار میں دوستی نبھانے کے تمام ہنر موجود ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ نہ صرف بےتکلفانہ روّیہ اختیار کرتے ہیں بلکہ ان سے ہمدردی بھی رکھتے ہیں تکلیف اور مصیبت کے وقت ان کے کام آتے ہیں کبھی ضرورت پڑنے پر دوستوں کی مدد کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔غرض جب وہ دوستی کرتے ہیں تو بڑے خلوص اور اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں اور اسے بڑی محبت سے نبھاتے بھی ہیں۔

غرض جینت پرمار میں ہمیں بہت سی خصوصیات نظر آتی ہیں۔ایک طرف وہ ایک شفیق و محبی والد ہیں تو دوسری طرف مشفق ومہربان بھائی۔ چھوٹوں کے ساتھ پدرانہ شفقت اور محبت سے پیش آتے ہیں تو بڑوں کا ادب واحترام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ ہمدردی، ملنساری، سلیقہ مندی، سادگی، مہربانی، قناعیت پسندی، جذبۂ ایثار وقربانی، غیبت سے دوری، ان سبھی صفات نے جینت پرمار کو پرُکشش اور جاذب بنا دیا ہے۔

دائیں جانب سے جینت پرمار صاحب کی اہلیہ (مینا مہاپاترا) صاحبہ، صاحبزادی (وِدِشا مہاپاترا)، صاحبزادے (سنکیت مہاپاترا)

بائیں جانب سے جینت پرمار صاحب کی اہلیہ، صاحبزادہ اور صاحبزادی

دائیں جانب سے جینت پرمار صاحب، ممتاز شاعر محمد علوی صاحب اور احمد سہیل صاحب، مقام: احمد آباد گجرات

دائیں جانب سے اردو کے معروف نقاد، محقق اور ڈرامہ نگار وارث علوی صاحب، جینت پرمار صاحب، احمد سہیل صاحب مقام: احمد آباد گجرات

دائیں سے مشہور شاعر، نقاد اور ڈرامہ نگار شمیم حنفی صاحب، جینت پرمار، معروف افسانہ نگار، ناول نگار تنقید نگار انتظار حسین صاحب

بائیں جانب سے اردو کے نامور شاعر احمد فراز صاحب اور جینت پرمار صاحب، مقام: حیدرآباد، ہندوستان، سن 2004

دائیں جانب سے معروف نقاد، محقق اور ادیب پروفیسر گوپی چند نارنگ صاحب اور جینت پرمار صاحب

حوالے

۱۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام مکان شانتی نیکیتن سوسائٹی، رادھا سوامی روڈ، رانپ، احمد آباد، گجرات، ۱۰:۳۰ بجے دن

۲۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام پرانا مکان سرکی واڑ، شاہ پور، احمد آباد، گجرات، شام ۵:۰۰ بجے

۳۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام مکان شانتی نیکیتن سوسائٹی، رادھا سوامی روڈ، رانپ، احمد آباد، گجرات، ۱۰:۵۰ بجے دن

۴۔ شفاعت قادری مضمون ''ہمدم دیرینہ - جینت پرمار'' سہ ماہی رسالہ ''نیا ورق'' ممبئی، جلد ۱۱، شمارہ ۳۱، جنوری تا اپریل ۲۰۰۹ء ص ۱۰۰

۵۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام پرانا مکان سرکی واڑ، شاہ پور، احمد آباد، گجرات، شام ۵:۰۰ بجے

۶۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام پرانا مکان سرکی واڑ، شاہ پور، احمد آباد، گجرات، شام ۵:۰۰ بجے

۷۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام پرانا مکان سرکی واڑ، شاہ پور، احمد آباد، گجرات، شام ۵:۰۰ بجے

۸۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام سابرمتی آشرم، گاندھی میموریل لائبریری، آشرم روڈ، احمد آباد، گجرات، ۰۲:۱۵ بجے شام

۹۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام سابرمتی آشرم، گاندھی میموریل لائبریری، آشرم روڈ، احمد آباد، گجرات، ۰۲:۱۵ بجے شام

۱۰۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام سابرمتی آشرم، گاندھی میموریل لائبریری، آشرم روڈ، احمد آباد، گجرات، ۰۲:۱۵ بجے شام

۱۱۔ تنویر اعجاز انٹرویو ''جینت پرمار'' سہ ماہی رسالہ ''استعارہ'' نئی دہلی، جلد ۷، شمارہ ۲۳۔۲۲، جنوری تا جون، ۲۰۰۶، ص۸۲

۱۲۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام مکان شانتی نیکیتن سوسائٹی، رادھا سوامی روڈ، رانپ، احمد آباد، گجرات، ۱۰:۳۰ بجے دن

۱۳۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام مکان شانتی نیکیتن سوسائٹی، رادھا سوامی روڈ، رانپ، احمد آباد، گجرات، ۱۰:۳۰ بجے دن

۱۴۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام مکان شانتی نیکیتن سوسائٹی، رادھا سوامی روڈ، رانپ، احمد آباد، گجرات، ۱۰:۳۰ بجے دن

۱۵۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام سابرمتی آشرم، گاندھی میموریل لائبریری، آشرم روڈ، احمد آباد، گجرات، ۰۲:۱۵ بجے شام

۱۶۔ بلراج کومل، ''پیش لفظ'' ، ''پنسل اور دوسری نظمیں'' شعری مجموعہ از جینت پرمار، سنہ اشاعت ۲۰۰۶ء

۱۷۔ ''مانند'' شعری مجموعہ از جینت پرمار، سنہ اشاعت ۲۰۰۷ء ص۱۰

۱۸۔ ''نظم یعنی'' شعری مجموعہ از جینت پرمار، سنہ اشاعت ۲۰۱۳ء ص۶

۱۹۔ شفاعت قادری مضمون ''ہمدم دیرینہ- جینت پرمار'' سہ ماہی رسالہ ''نیا ورق'' ممبئی، جلد ۱۱، شمارہ ۳۱، جنوری تا اپریل ۲۰۰۹ء ص۱۰۴

۲۰۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام مکان شانتی نیکیتن سوسائٹی، رادھا سوامی روڈ، رانپ، احمد آباد، گجرات، ۱۰:۳۰ بجے دن

۲۱۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام مکان شانتی نیکیتن سوسائٹی، رادھا سوامی روڈ، رانپ، احمد آباد، گجرات، ۱۰:۳۰ بجے دن

۲۲۔ https://hindustanurdutims.com

۲۳۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۴/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام جامع مسجد، مانیک چوک، گاندھی روڈ، دانا پیٹھ، کھڈیا، احمد آباد، گجرات، ۳:۴۰ بجے شام

۲۴۔ جناب جینت پرمار سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام مکان شانتی نیکیتن سوسائٹی، رادھا سوامی روڈ، رانپ، احمد آباد، گجرات، ۱۰:۳۰ بجے دن

۲۵۔ شفاعت قادری مضمون ''ہمدم دیرینہ۔ جینت پرمار'' سہ ماہی رسالہ ''نیاورق'' ممبئی، جلد ۱۱، شمارہ ۳۱، جنوری تا اپریل ۲۰۰۹ء ص ۱۰۰

۲۶۔ سنکیت مہاپاتر سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۴/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام سواگت ہوٹل، ریلیف روڈ، کالوپور ریلوے اسٹیشن، احمد آباد، گجرات، ۱۱:۰۰ بجے دن

۲۷۔ شفاعت قادری مضمون ''ہمدم دیرینہ۔ جینت پرمار'' سہ ماہی رسالہ ''نیاورق'' ممبئی، جلد ۱۱، شمارہ ۳۱، جنوری تا اپریل ۲۰۰۹ء ص ۱۰۵۔۱۰۴

۲۸۔ شفاعت قادری مضمون ''ہمدم دیرینہ۔ جینت پرمار'' سہ ماہی رسالہ ''نیاورق'' ممبئی، جلد ۱۱، شمارہ ۳۱، جنوری تا اپریل ۲۰۰۹ء ص ۱۰۱

۲۹۔ سنکیت مہاپاتر سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام مکان شانتی نیکیتن سوسائٹی، رادھا سوامی روڈ، رانپ، احمد آباد، گجرات، ۱۰:۳۰ بجے دن

۳۰۔ سنکیت مہاپاتر سے نجی انٹرویو بتاریخ ۲۵/ اکتوبر ۲۰۱۷ بمقام سلطان احمد شاہ مسجد، اولڈ سیٹی، لال دروازہ، احمد آباد، گجرات، ۲ بجے دن

۳۱۔ شفاعت قادری مضمون ''ہمدم دیرینہ۔ جینت پرمار'' سہ ماہی رسالہ ''نیاورق'' ممبئی، جلد ۱۱، شمارہ ۳۱، جنوری تا اپریل ۲۰۰۹ء ص ۹۹

۳۲۔ https://www.facebook.com/jayant.parmar.5/videos

۳۳۔ شفاعت قادری مضمون ''ہمدم دیرینہ۔ جینت پرمار'' سہ ماہی رسالہ ''نیاورق'' ممبئی، جلد ۱۱، شمارہ ۳۱، جنوری تا اپریل ۲۰۰۹ء ص ۱۰۰

باب دوم

جینت پرمار: عہد اور معاصرین

کسی ادیب یا فنکار کی شخصیت کا جائزہ لیتے وقت اس دور کے سیاسی، سماجی، ادبی اور لسانی حالات پر نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے جس میں وہ آنکھ کھولتا ہے اور پرورش پاتا ہے۔ اس دور کے حالات و واقعات کے رنگ و آہنگ کی جھلک اس کی زبان اور انداز و اسلوب میں کسی نہ کسی انداز میں ضرور جلوہ گر ہوتی ہے۔ جینت پرمار کا بھی اپنے گرد و نواح کے ماحول سے متاثر ہونا فطری ہے۔ چنانچہ وہ نہ صرف اپنے گرد و نواح کے ماحول سے متاثر ہوئے بلکہ اسے اپنی تخلیقات کا موضوع بھی بنایا۔

جینت پرمار نے باقاعدہ طور پر اپنی اردو شاعری کا آغاز ۱۹۸۰ء کے بعد کیا۔ اس دور کے سماجی و سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور میں وقت کی تیز رفتاری، کم وقت میں سب کچھ حاصل کرنے کا جوش و جذبہ، دولت کی فروانی لیکن بے اطمینانی اس دور میں چاروطرف برپا ہے۔ میڈیا فلموں کے ذریعے واقعات و حادثات کو ہر جگہ پیش کرنا، گلوبلائزیشن کا دور دورہ، رشوت کا ریل پیل، سوسائٹی پر الکٹرونک میڈیا کے گہرے اثرات، ملٹی نیشنل کمپنیوں کا صنعتی نظام، فیشن زدہ زندگی کی تمنا اور جنسی پیچیدگی اس دور کے انسانی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ ۱۹۸۰ء کے بعد زمانہ ایسا کروٹ بدلا کہ لوگوں کے زندگی گزارنے کے طور طریقے ہی بدل گئے۔ ہر انسان کے دل میں حصولِ دولت کی تمنا پیوست ہوگئی، انسانیت اور مروّت اس طرح سے سارے اخلاق غائب ہوتے جارہے ہیں۔ خود غرض اور دھوکہ دھڑی اور استحصال سے سماج مفلوج ہوتا جارہا ہے۔

موجودہ سماجی نظام نے زندگی کے ہر شعبہ کو اپنے گرفت میں لے لیا ہے۔ چاہے سرکاری شعبہ ہوں یا خودمختار شعبہ ہر کس ناکس اپنی ذمہ داریوں کو فراموش کر کے ظلم کو اپنا سیوا بنائے ہیں۔ ہر شعبہ میں افراتفری

اور رشوتیں عام ہیں۔ ہر آدمی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ رہا ہے۔ ناعدلیہ کے قوانین ہی انسان کے محافظ اور امن و شانتی بنائے رکھنے میں کامیاب ہے۔ ہر جگہ خوف اور ادم تحفوظ کی فضا گہری ہوتی جارہی ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد جن ادیبوں نے چاہے وہ ناول نگار ہوں یا شعراء ہوں سب نے انہیں چیزوں کو اپنے تخلیقات کا موضوع بنایا۔

یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۰ء کے بعد اردو شاعری میں ترقی پسندی اور جدیدیت کے مثبت رویوں سے استفادہ کی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور موضوعات کے اعتبار سے اس کا دائرہ کافی وسیع نظر آتا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد اردو شعراء نے سماج کے سلگتے ہوئے مسائل جیسے۔ بے روزگاری اور بے روزگاری کے سبب فرسٹریشن (Frustration) کا بڑھتا ہوا احساس، مندر مسجد کے تنازعہ اور فساد کا ہولناک منظر، ماحولیاتی کثافت، بڑھتی آبادی، اقلیتی اور پسماندہ طبقہ کے تئیں حکومت کے معاندانہ رویئے اور اس کا سماجی و سیاسی استحصال، حکومت کی بدعنوانی، رشوت ستانی، ہجرت یا بے وطنی، مہنگائی، دولت کی تقسیم غیر مساوی، اقلیتی اور پسماندہ طبقہ کا سماجی و سیاسی استحصال، نابالغ بچے بچیاں کے ساتھ بدسلوکی، کالا بازاری، انتظامیہ کی بے بسی، لا قانونیت، سرمایہ داری کا عروج، اس کے چپیٹ میں آتے ہوئے عام لوگ، حکومت اور عوام کے بیچ بڑھتی ہوئی خلیج، سیکولرزم کے نام پر عوام کا سیاسی وسماجی استحصال، جرائم کا بڑھتا ہوا گراف، علاقائی، لسانی، مذہبی اور مسلکی تعصب نسلی امتیاز، ذات پات، چھوا چھوت، دہشت گردی، بنیاد پرستی، اعلیٰ اخلاقی قدروں کا زوال عورتوں کا جنسی استحصال، مغربی تہذیب کا بڑھتا ہوا اثر، ہم جنسی کی تحریک نئی نسل کی اپنی تہذیبی اور اخلاقی روایات سے بیزاری، اور مغربی تہذیب سے حد سے بڑھتی ہوئی دلچسپی، نئی اور پرانی نسل کا ذہنی تصادم لُوٹ مار اور قتل و غارت گری وغیرہ کو اپنے شاعری کا موضوع بنا کر بڑی مہارت و ہنرمندی سے عصری زندگی اور اس کے سفاک حقیقتوں کے ترجمانی کا فرئضہ انجام دینے کی سعی کی۔

جینت پرمار کا سماجی و سیاسی عہد متذکرہ بالا عہد ہے۔ اس دور کے دیگر شعراء نے ان چیزوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تو جینت پرمار بھی اپنے معاصرین سے ایک قدم آگے ہی ہیں۔ آج ہمارے ملک میں جو صورتِ حال ہے وہ نہایت غم اندوزہ اور خطرناک ہے۔ جہاں خوف و دہشت کا چاروطرف پہرا ہے۔ اس چیز کو جینت پرمار نے اپنی نظم ''ٹائمز'' میں اچھے انداز میں پیش کیا ہے:

صبح کا کونا بھرا پڑا ہے
ساری دنیا کی خبروں سے
بڑے بڑے کالے حرفوں کی یونی سے
ٹپک رہا ہے خون
گاؤں میں آدمی باسی لڑکی پہ زنا
پانچ پانچ بھیڑیوں کا!
اک عورت کی رانوں پر
ناخن کے نیزوں کے نشان
جلتی چمڑی کی بدبو
چھپّر کے ماتھے سے اٹھتا سُرخ دھواں
کسی پھول کی سینے میں
گولیوں کی برسات
بجھی بجھی سی میری ذات
سکول کے بچوں کی گردن پہ
لٹک رہا تلوار کا ہاتھ
بم پھٹنے سے کسی شہر کا سر غائب
یہ سب خبریں بہت پرانی لگتی ہیں
دھیرے دھیرے اٹھتے ہیں
چائے کے چھوٹے کپ کے داغ
ٹائمز آف انڈیا پر (شعری مجموعہ ''اور'')

ناقدین ہو یا مبصرین نے جہاں بھی ۱۹۸۰ءاور ۱۹۹۰ء کے بعد کے منظر نامے کو پیش کیا ہے تقریباً سبھی نے اس نظم کو اس دور کے منظر نامے کے طور پر لکھا ہے۔ جینت پرمار کے معاصرین میں اپنے دور کی صحیح

طور پر ترجمانی جینت پرمار کے اشعار بخوبی کرتے ہیں۔جینت پرمار کے عہد کو متذکرہ بالا سطروں میں بیان کیا ہے۔اور اردو شاعری کے موضوع کو بھی لیکن جینت پرمار اپنے معاصرین سے آگے دکھائی دیتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ جینت پرمار اولین دلت شاعر ہیں۔ یہ دلت رجحان کی اردو ادب میں نمائندگی کرتے ہیں۔جینت پرمار بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ان کی بیشتر نظموں میں جدید شعری اسلوب کی تازگی استعارتی کیفیت دیکھنے کو ملتی ہیں۔لیکن چونکہ دلت شاعری کا مزاج اور میلان مسائل آثار اور احتجاج آمیز رہا ہے۔اس لیے ان کے یہاں بھی اسلوب کے مختلف رنگ اور زاویے بروئے کار آئے ہیں۔جینت پرمار اردو کے ایک ایسے اکلوتے شاعر ہیں جو اپنی شاعری کی بنیاد بیشتر دلت مسائل پر رکھی ہے۔مثلاً:

عمر نہیں تھی
پہاڑ دکھ کے
پیٹھ پہ اپنی ڈھونے کی
''منو'' کی ورن ویوستھا کا
اک بار گراں
پیٹھ پہ ڈھوتی ہے پھر بھی
اس پر بھی تم رعب جماتے ہو چابک کا
اُف تک منہ سے نکلی نہیں
اور چابک کے غصہ میں
سُرخ ہوگئی میری پیٹھ
جس پر سینکتے ہو تم روٹی
اپنے بھرے پیٹوں کے لیے! (نظم'' پیٹھ '')

یہ پوری نظم دلتوں پر ''منو'' کے ذریعہ عائد کیے گئے نظام کا پردہ فاش کرتی ہے۔اس نظم میں جینت پرمار ویدک تہذیب اور بعد کی منوادی سنسکرتی کے ذریعے بھارت کے کروڑوں شودروں اور اچھوتوں پر جبر وتشدد، نا انصافی اور غیر انسانی طرزِ عمل کے خلاف اپنے گم وغصہ کا اظہار کیا ہے۔جینت پرمار شاعری کے ساتھ ساتھ

مصوری بھی کرتے ہیں۔مصوری کی نقوش ان کی شاعری میں ملتے ہیں۔ یہ اپنی شاعری میں لفظوں سے مصوری کرتے ہیں۔جینت پرمار لکھتے ہیں:

چاند کی کشتی سمندر میں غرق تھا
ریت میں ہم نے بنایا تھا وہ ننھا گھر نہ تھا

جینت پرمار کی شاعری میں جس طرح سے دلت سماج کا عکس دکھائی دیتا ہے اس طرح ان کے معاصرین شعراء میں کم نظر آتا ہے۔اس میں جینت پرمار نے خصوصیت بنالی ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر دلت،مظلوم طبقے کو اپنی شاعری میں نظرانداز کرتے ہیں۔ بلکہ ناانصافی اور غیر برابری کی جینت پرمار کی شاعری مخالفت و بغاوت کرتی ہے۔

جینت پرمار کے عہد کا ذکران کے ہمعصر شاعروں کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گا۔یوں تو اس عہد کے شاعروں کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے۔ تاہم چند اہم کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے۔ جینت پرمار کے ہمعصر شاعروں میں یعقوب راہیؔ، چندر بھان خیالؔ، عدم گونڈوی، شجاع خاورؔ،عنبر بہرائچی،محمد علویؔ،محسن جلگانوی، روٗف خیر،نعمان شوقؔ،شین۔کاف نظامؔ۔ریاضؔ لطیف،شفیق فاطمہ شعریٰؔ،ندا فاضلیؔ وغیرہ کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں:

یعقوب راہیؔ

یعقوب راہی ۱۰ جون ۱۹۴۳ء کو مغربی مہاراشٹر کوکن کا ایک چھوٹا سا گاؤں سائی میں پیدا ہوئے۔ روایتی طور پر ابتدائی تعلیم گاؤں میں ہی حاصل کی بعد میں ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کالج مہاڈ (رائے گڑھ) سے ۱۹۶۶ء میں بی۔اے کر کے اسی سال ممبئی آئے محمدیہ ہائی اسکول میں مدّرِس ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں بی۔ایڈ اور ایم۔اے پاس کیے۔ مہاراشٹر بک بیورو ۱۹۷۴ء میں اور ڈائریکٹوریٹ آف لینگوز ۱۹۷۵ء میں اردو اسپیشل آفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیئے۔ لیکن جوں ہی ملک میں ایمرجنسی لاگو ہوا تو انہیں ان کے اپنے مزاج کے خلاف اردو اخبارات و رسائل کی سینسرشپ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ وہ سرکاری گزیٹیڈ آفیسر کی ملازمت سے کنارہ کش ہو کر ایک بار پھر درس و تدریس کی طرف لوٹ آئے۔ ممبئی مرول کے علاقے میں اردو کے طلبہ اور طلبات کے لیے الحسنات اینگلو اردو ہائی اسکول ترُبھے نوی ممبئی کی بنیاد ڈالی۔ اس اسکول کے پرنسپل کی حیثیت سے اپنی ۳۵ سالہ تدریسی خدمات کے بعد ۲۰۰۱ء میں سبکدوش ہو گئے۔ یعقوب راہی کے حوالے سے سہ ماہی رسالہ ''اثبات'' کے مدیر اشعر نجمی لکھتے ہیں:

> ''یعقوب راہی کا تعلق کوکن (مہاراشٹر) سے ہے۔ اردو اور مراٹھی زبان و ادب کے حوالے سے یعقوب راہی کا سفر کم و بیش پچاس برسوں پر محیط ہے۔ لیکن یہ مدت ان کی شناخت نہیں ہے بلکہ اس مدت میں ان کی جو پہچان بنی ہے وہ ای 'باغی' کی ہے۔ ایسا باغی جو زبان و

ادب کے طالع آزماؤں سے دور، شہرت اور پبلسٹی سے بے نیاز اور
شعبدہ بازوں کی گرفت سے آزاد اپنے کام میں ہمیشہ مگن رہا۔‘‘

یعقوب راہی کی تخلیقی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ وہ شاعر ہیں، مترجم، نقاد ہیں، محقق ہیں، مرتبین، نثر نگار اور سب سے بڑھ کر نظریاتی لحاظ سے کمیٹیڈ آدمی ہیں کمیٹیڈ ہونے کے ناطے سماج کے کمزور اور پچھڑے ہوئے طبقے کے دکھوں کا نہ صرف درد رکھتے ہیں بلکہ کی ان کی حمایتی بھی کرتے ہیں۔ شاید اسی لئے مراٹھی دلت شاعری کا اردو میں (دلت آواز) کے عنوان سے ترجمہ بھی کیا ہے جس میں دلتوں کی زندگی اور ان کے مسائل کی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یعقوب راہی نے شاعری اور تراجم کے ساتھ ساتھ تحقیقی اور تنقیدی مضامین بھی لکھے لیکن وہ بھی رسمی نہیں اس میدان میں بھی ان کا باغیانہ اور منفرد رویہ صاف نظر آتا ہے۔ ان کے شعری مجموعے، تراجم، تحقیقی اور تنقیدی مضامین کے مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ مندرجہ ذیل پیش ہیں:

’انحراف‘۔ 1975ء (شعری مجموعہ) / ’حرف مکرر‘۔ 1977ء (شعری مجموعہ) / ’لمحہ لمحہ جاگی رات‘۔ 1985ء (شعری مجموعہ) / ’بات سے بات چلے‘۔ 1988ء (ادبی رپورتاژ) / ’دلت آواز‘۔ 1988ء (مراٹھی دلت شاعری کے اردو تراجم) / ’خواب تحریر‘۔ 2000ء (شعری مجموعہ) / ’مراٹھی دلت شاعری کے اردو تراجم‘۔ 2004ء (جائزہ) / ’حرفِ انکار‘۔ 2004ء (شعری مجموعہ ہندی رسم الخط میں) / ’چند پیش رو‘۔ 2005ء (تنقیدی مضامین) / ’باقر مہدی، عصری آگہی و شاعری‘۔ 2005ء (ایک تنقیدی کولاژ) / ’ شعراء کوکن‘۔ 2007ء (ایک جائزہ) / ’بکھری بکھری تحریریں‘۔ 2013ء (تبصرے، تجزیے، مضامین) / ’عذاب عصر‘۔ 2014ء (شعری مجموعہ) / ’مراٹھی شاعری دلت فکر و نظر تک‘۔ 2016ء (تنقیدی مضامین، تاثرات) / ’احتجاج کا دوسرا نام: باقر مہدی‘۔ 2002ء (مرتبہ) / ’باقیامت باقر مہدی‘۔ 2008ء (مرتبہ) / ’مراٹھی کے کچھ اور تراجم‘۔ 2017ء (ترجمہ) / ’وقت کی صدیاں‘، داؤد غازی کا شعری مجموعہ۔ 1970ء (ترتیب و تدوین) / ’نقوش عالؔی (جعفری)۔ 1999ء (ترتیب و تدوین) / ’اظہر من الشّمس: علی ایم شمسی‘۔ 2003ء (ترتیب و تدوین) / ’نقوش حیات: حسن چوگلے‘۔ 2011ء (ترتیب و تدوین)۔

یعقوب راہی بنیادی طور پر نظم گو شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنے شعری سفر کا آغاز اس دور میں کیا تھا جب

ترقی پسندی اور جدیدیت کا رجحان دم توڑ رہا تھا۔ سماجی اور سیاسی سطح پر زندگی میں ایک عدم استحکام کی ایسی صورت حال پیدا ہو چکی تھی جس سے بے زاری اور جھنجھلاہٹ کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔

راہیؔ کا پہلا شعری مجموعہ ''انحراف'' 1969ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب جدیدیت کا رجحان بھی رد کیا جا چکا تھا اور ایک نیا ادبی شعور اس کے درمیان پرورش پا رہا تھا۔ اسی لئے یعقوب راہی جدیدیت اور ترقی پسندی دونوں سے بے زار تھے لیکن کمیونسٹ نظریات کا اثر ان کی فکر پر غالب تھا اور انقلاب کا جو خواب اس نے ادیبوں کو دکھایا تھا، اس کے سحر سے وہ آزاد نہیں ہوئے تھے:

تمام دشت کو شاداب بھی تو کرنا ہے
پگھلنے والی جمی برف کیوں جمی ہی رہے

ایک انسان کی حیثیت سے شاعر و ادیب بھی اوروں کی طرح مسلسل اس دباؤ میں رہتے ہیں کہ ادب اور سماج میں جاری رجحانات اور میلانات کا ساتھ دیں۔ ترقی پسندی ہو یا جدیدیت، جب ایک تحریک یا رجحان کی صورت سامنے آتی ہے تو خود کو الگ رکھنا معتوب ہونے کے برابر ہے۔ مگر یعقوب راہی اس لحاظ سے قابلِ تعریف ہیں کہ انھوں نے آج تک کسی مروجہ رجحان کو محض اس لیے قبول نہیں کیا کی یہ شناخت کا آسان راستہ ہے۔ فطری طور پر وہ نرم مزاج انسان ہیں۔ اس لیے ان کے یہاں انقلابی جذبہ اور لگن تو بے پناہ ہے، مگر اس کا اظہار سماعت خراشی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ہمیں اپنے ذہنوں پر دستک دیتے معلوم ہوتے ہیں۔ بطور مثال نظم ''شکایت'' پیش ہے:

مجھے تم سے
بس اتنی سی شکایت ہے
کہ تم جب دن کے صحرا میں نکلتے ہو
سرابوں کو حقیقت جانتے ہو
دھوپ سہتے ہو، عذابوں سے گزرتے ہو
چراغِ شام جلتے ہی گھروں کو لوٹ آتے ہو
امید صبح میں سوتے ہو

سب کچھ بھول جاتے ہو
نہ غیرت ہے نہ غصہ نہ تبدیلی کی خواہش ہے
مجھے تم سے بس اتنی سی
شکایت ہے! شعری مجموعہ ''حرفِ انکار''

یہ حقیقت ہے کہ خالی ہاتھوں کو جب کام نہیں رہتا ہے تو وہ اپنی معاشی بدحالوں سے مجبور ہو کر بندوق اٹھاتے ہیں۔ خالی ذہن، خالی پیٹ اور خالی ہاتھ جو نہ کر گزرے کم ہے۔ لوگوں کے دھندھے روزگار سے لگے رہنا از خد معاشی وسماجی جرائم کی تعداد کم کر دیتا ہے اگر ایسا نہیں ہوا تو مفلوک الحالی کا لازمی نتیجہ قتل خون غارت گری ہوتا ہے۔ یعقوب راہی اس بنیادی خیال کو اپنے نظم ''ایک سوال'' میں کچھ یو پیش کرتے ہیں:

ہاتھوں کے نوکیلے تیشے
چٹانوں سے ٹکراتے ہیں
بہتی نہریں
اُجلی سڑکیں
پچھلے یُگ کے اندھیاروں میں ڈوبی سمتیں
بل کھاتی ہیں۔
لیکن
جب بھی
میرے تیرے کالے ہاتھ
خالی خالی رہتے ہیں
کیوں
بڑھ کر
بندوق اٹھانے لگتے ہیں
کیوں؟ شعری مجموعہ ''انحراف''

یعقوب راہی اپنی شاعری میں جہاں دلت، پسماندہ اور صدیوں سے نظر انداز طبقات کے سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل ومصائب بیان کئے ہیں وہیں عصری سماج وسیاست کے ذریعے دلتوں کے ساتھ برتاو اور سیاسی طرز عمل اور اس سے پیدا شدہ مظاہر حیات کو خصوصیت کے ساتھ اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ یعقوب راہی مراٹھی دلت شاعری اور اپنی شاعری کے تعلق سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''.... بچپن سے یہ زبان (مراٹھی) میرے کانوں میں پڑتی رہی ہے، میں نے اپنی ثانوی تعلیم بھی اسی زبان میں حاصل کی ہے اور شروع ہی سے میں اس دلت طبقے کی حالت زار کو دیکھتا اور محسوس کرتا رہا ہوں کہ میں بھی کوکن کی ایک پس ماندہ بستی میں پیدا ہوا ہوں اور نامساعد حالات سے جوجھتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہوں۔ میرے نزدیک زندگی نام ہے مسلسل جدوجہد کا، انقلابی تبدیلیوں کا، سماجی، معاشی اور ثقافتی نابرابریوں کو ختم کرنے کا اور انسان کو انسان سمجھنے کا اور شعروادب؟ شعروادب نام ہے اس انقلابی جدوجہد کے ساتھ ایک زندہ اور مسلسل کمٹ منٹ کا... اسی لیے تو مجھے اب تک نہ اسٹیبلشمنٹ کا حصہ بننے والے نام نہاد ترقی پسند حضرات مرعوب کر سکے اور نہ ہی کوئی ''شب خون'' گمراہ کر سکا کہ میری نظر میں دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں.... مراٹھی دلت ساہتیہ کمٹ منٹ کی ایک زندہ اور تابندہ مثال ہے اور اسی لیے میری توجہ کا باعث.... ایک وجہ یہ بھی کہ سنسار میں جتنے بھی انقلابی ہو گزرے ہیں، وہ سب کے سب میری طرح ان دلت قلمکاروں کے بھی کسی نہ کسی سطح پر آدرش رہے ہیں، پھر وہ شعروادب کے میدان میں ہوں کہ سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی میدانوں میں۔'' ۲

یعقوب راہی بذات خود احتجاج وانحراف اور بائیں بازو کی فکر اساس کے حامل شاعر ہیں، مراٹھی زبان وادب سے اہل زبان کی طرح واقفیت رکھتے اور دلت شعروادب سے ایک دلی لگاؤ بھی۔ یعقوب راہی کی منظومات اور غزلیہ شاعری میں ترقی پسندانہ افکار ہویدا ہیں۔ وہ اپنے ملک کے غریب، پسماندہ اور دلت اقوام میں ترقی کے لئے احتجاج، انقلاب کی برقی رو پیدا کرنا چاہتے ہیں اور سماجی تبدیلی و بیداری ہی کو زندگی

کی علامت گردانتے ہیں۔یعقوب راہی کے نظموں میں پیام جہد وعمل اور جذبۂ انقلاب موجزن ہے۔ساتھ ہی احتجاج آمیز جیسی کیفیت بھی دیکھی جاسکتی ہے۔بطور نمونہ ان کی دو نظمیں ''تجربہ''اور''حرف انکار'' ملاحظہ ہوں:

بہت ممکن ہے
بحرِ بیکراں کی پیاس بجھ جائے
چلو
اپنے لہو کے آخری قطرے پلا کر
تجربہ کرلیں! شعری مجموعہ ''لمحہ لمحہ جاگی رات''،نظم (تجربہ)

دوسری نظم ''حرف انکار'' کچھ یوں ہے:
جب کہیں
مدحِ قاتل میں لفظوں کو رسوا کیا جارہا ہو
اس گھڑی
جب کسی گوشۂ سرد سے
حرفِ انکار ابھرے تو سمجھو
وہ میں ہوں! شعری مجموعہ ''لمحہ لمحہ جاگی رات''

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دھوپ سے چھاؤں چھین لینی ہے
گرم لہروں پہ خود کو چھوڑ چلو

سب یہاں بیٹھے ہیں ٹھٹھرے ہوئے جسموں کو لئے
دھوپ کی کھوج میں اب کوئی نکلتا ہی نہیں

دکھانے والے بہت آئینہ دکھاتے رہے
یہ بات اور کہ خد ہی نظر چراتے رہے

فسادِ شہر کی ڈر سے کھلے نہ کوئی زبان
بس ایک صبر غریباں، بس ایک ضبطِ فغاں

خوش کلامی سے کب لوگ سیدھے ہوئے
تلخ گوئی کرو ، بد زبانی کرو

چندر بھان خیاؔل

چندر بھان خیاؔل 30 اپریل 1946ء کو ہوشنگ آباد، مدھیہ پردیش میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے بچپن اور طالب علمی کی زمانہ میں خود اپنے گھر پر یوار افلاس ادبار کا ماحول دیکھا ہے۔ دیکھا جائے تو اقتصادی سطح پر ہمارے ملک میں سیکڑوں سالوں سے لاکھوں خاندان بڑی پسماندگی اور مصیبت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ بے شمار خاندان بظاہر دلت طبقہ میں شامل نہیں ہوتے ہوں مگر دلت زندگی کے مظاہر ان کے درو دیوار سے ظاہر ہوتے ہیں۔ چندر بھان خیال نے اپنے تیسرے شعری مجموعہ ''صبح مشرق کی اذان'' غرفۂ ماضی کے عنوان سے اپنے ماحول اور شعری سفر کے تعلق سے لکھتے ہیں:

> ''بابئی قصبہ (ہوشنگ آباد، مدھیہ پردیش) میں 30 اپریل 1946ء کو بروز منگل ایک غریب سناتن دھرمی ہندو خاندان میں میرا جنم ہوا۔ پتا جی شری کنجی لال بھگوریا نے مٹریک تک کی تعلیم حاصل کی تھی۔..... دادا جی شری ہری رام بھگوریا کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے انھوں نے بابئی میں ہی خاندانی دھندہ اور کاشت کاری سنبھال لی تھی۔..... تقریباً دس برس کی عمر تک میرا بچپن بہت آرام اور آسودہ حالی سے گزرا۔ پھر جیسے جیسے بچوں کی تعداد بڑھتی گئی، گھر کی مالی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ اس پر دادا جی کے انتقال کے بعد جائداد کے سلسلے میں بھائیوں میں مقدمہ بازی نے بھی گھر کے حالات کو متاثر کیا اور پھر برسوں تک محرومیاں اور غریبی ہی ہمارا مقدر بنی رہی۔'' ؎۳

طالب علمی کے زمانہ میں پیسوں کی کمی کے باعث (ایک سرکاری بابو کے سفا کانہ برتاؤ سے) پیش آنے والے ذلت آمیز واقعے کا ذکر کرتے ہوئے چندر بھان خیالؔ کچھ یوں لکھتے ہیں:

''یوں تو تحقیر و تذلیل کے کچھ واقعات ہم باپ بیٹوں کے ساتھ پہلے بھی پیش آ چکے تھے۔لیکن اس واقعہ نے میری زندگی کے دھارے میں زبردست طوفان برپا کر دیا تھا،اس کے بعد انقلابات کے سلسلوں نے وہ شدت اختیار کی کہ زندگی کے دھارے میں زبردست طوفان برپا کر دیا تھا۔آج جب غرفۂ ماضی کھلتا ہے تو وہ واقعات و حادثات اور تجربات و مشاہدات کی زبردست بھیڑ میری آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتی ہے۔'' ۴؎

چندر بھان خیالؔ کے اب تک پانچ شعری مجموعے، پہلا شعری مجموعہ ''شعلوں کا شجر'' 1979ء ، دوسرا شعری مجموعہ ''گمشدہ آدمی کا انتظار'' 1997ء ، تیسرا شعری مجموعہ ''لولاک'' 2002ء ، چوتھا شعری مجموعہ (ہندی رسم الخط میں) ''سلگتی سوچ کے سایہ'' 2002ء اور پانچواں شعری مجموعہ ''صبح مشرق کی اذان'' 2008ء میں منظر عام پر آ چکے ہیں۔چندر بھان خیالؔ کی شاعری کے متعلق ڈاکٹر اے جے مولوی لکھتے ہیں:

''چندر بھان خیالؔ کی نظمیہ شاعری نئے عہد کی نت نئی اضافی تخلیقیت ، نت نئی اضافی معنویت اور نت نئی اضافی فنّیت سے مملو و روشن ہے۔انھوں نے عام روش سے ہٹ کر شاعری کی ہے۔ان کی ابتدائی دور کی نظمیہ شاعری میں باغیانہ، انقلابی، احتجاجی اور جنسی پہلو جابجا نظر آتے ہیں مگر ان کی شاعری کا وہ رنگ و آہنگ نظر نہیں آتا ہے جو اس دور کے شعرا کے یہاں ملتا ہے۔وہ ہنگامہ نہیں کرتے ہیں، نہ شور مچاتے ہیں اور نہ ہی وہ نعرہ لگاتے ہیں بلکہ نرم و نازک لہجہ اور سادہ و سلیس زبان کا استعمال بڑے ہی فنی بصیرت کے ساتھ کیا ہے۔جس سے ان کی نظمیہ شاعری میں انفرادیت صاف طور پر دکھائی دیتی ہے۔'' ۵؎

چندر بھان خیاؔل کے متذکرہ بالا شعری مجموعوں میں بعض منظومات اور کچھ غزلیہ اشعار میں ہندوستان کے غریب، محنت کش اور مظلوم طبقے کا درد و کرب محسوس کیا جا سکتا ہے۔ خیاؔل کو ہمارے ملک کی معصوم، محنت کش اور سادہ دل مخلوق کے ساتھ آج کے مکار سماج و سیاست کے سفاکانہ اور غیر منصفانہ برتاؤ کا شدید احساس ہے۔ لہٰذا انھوں نے اپنی کئی نظموں میں جہاں متذکرہ طبقات کے مسائل کا بیان کیا ہے وہیں ان کی حق تلفی کرنے والی باطل طاقتوں کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کی ہے۔ وہ مظلوم طبقات میں انقلاب کے جذبات پیدا کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس کے لئے بعض کارگر تدابیر کی مشورت بھی پیش کرتے ہیں۔ خیاؔل کی اس نوعیت کی منظومات میں ''ہو چلی شام، تیسری دنیا کا درد، المیہ، بدھیا، گمشدہ آدمی کا انتظار، ذرا سنبھل کر زبان کھولو، مستقبل، پھیلی جو صبح، خاموشی کا درد، نئی روشنی کے خواب، مقدر نامہ، کل ملا کر موت کا انتظار، دلت غزل، اور ہاں! وے مسلمان ہیں'' خاص کر قابل ذکر ہیں۔ اب میں چندر بھان خیاؔل کی ایک نظم ''ہاں! وے مسلمان ہیں، کو بطور مثال اس کے کچھ حصے پیش کر رہا ہوں تا کہ ہندوستان کی ایک پویتر قوم (برہمن) کی پُرفریب ذہنیت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

ہاں، وے مسلمان تھے\
ہم جیسے انسان تھے\
لیکن ان کے سینوں میں قرآن تھا\
اور ہاتھوں میں تلوار\
یقیناً وہ پکارتے ہوں گے ہندو! ہندو!! ہندو!!!\
ہند کے باسیوں کو\
وے ہندو ہی کہہ سکتے تھے\
اور ہند کے باسی\
یعنی بڑے نام والی ناموَر جات\
بائیں ناز و کی طاقت سے بے خبر\
دائیں ہاتھوں میں ترازو لئے

اپنا نفع نقصان تول رہی تھی
نیچ، اچھوت، اناریہ ایندھن پر
برہمن واد کا کڑاہا
اور تلی جا رہی تھیں
ستّا اور سہولت کی پوریاں
پوریاں کھانے کے شوقین
برہمن
انھیں ملیچھ کہہ سکتے تھے

ہاں، وے مسلمان تھے
ٹھیک کہتے ہو
وے آسمان سے نہیں اترے تھے
لیکن آسمانی دھوپ لے کر آئے تھے
وے مساوات، مساوات چلاتے آئے تھے
نیا انقلاب لائے تھے
وے یقیناً یہیں کہیں دور سے آئے تھے
اور آریوں کی طرح آئے تھے
فرق بس اتنا تھا
آریوں نے کھدیڑا تھا اناریوں کو
وندھیا چل کے اس پار تک
جو بچے رہ گئے تھے وہ سیوک بنائے گئے
یعنی بھنگی، چمار، نائی، دھوبی وغیرہ وغیرہ
لیکن وے مسلمان تھے

اہل قرآن تھے
انھوں نے مسلمان بنائے
اپنی عبادت گاہوں میں لے آئے
بھنگی جب سید کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوگا
ذرا سوچ کر دیکھو کی کیا سوچا ہوگا؟

مسلمان نہ ہوتے تو
قبیلوں، ورنو،طبقوں اور جاتیوں کے
جنگل میں
نفرت کی آگ لگی ہوتی
جنگل جل چکا ہوتا

ہاں وے مسلمان ہیں
دوسو برسوں سے زیادہ انگریزوں سے لڑتے رہے
انھوں نے پاکستان بنایا
وے پاکستان کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے
وے مسلمان ہیں
ان کے پرکھوں کی ہڈیاں یہیں دفن ہیں
وے کہیں سے نہیں آئے
وے کہیں نہیں گئے
وے کہیں نہیں جائیں گے
وے پاکستان سمیت پھر آئیں گے
کیوں کہ ہو مسلمان ہیں

وے اہلِ ہندوستان ہیں۔

چندر بھان خیال کی طویل نظمیہ تخلیق ''لولاک'' اردو ادب میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ خیاؔل نے اس طویل اور مسلسل نظم میں سیرت کے تمام پہلوں کا تفصیلی خاکہ پیش کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے اور کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ ''لولاک'' میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حیات ،مبارکہ کے اہم سوانحی، تواریخی، اخلاقی اور روحانی حقائق کا بیان ہے۔ شاعر نے نہایت ہی والہانہ محسوسات وتصورات کے ساتھ نت نئے اور انوکھے نظمیہ پرائے میں بڑے ہی فنّی لطافتوں کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت، فکری اور پیغام کی روح کو بھر پور طریقے سے خیاؔل نے پیش کیا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جہاد کا مقصد عہد حاضر کے جہاد سے نہیں ہے۔ جہاد کے جس مفہوم کو آج کے اس دور میں بیان کہا جاتا ہے۔ وہ بے معنی، بے بنیاد، غلط اور نئی نسل کے لوگوں کے لئے گمراہ کن ہے۔ نبی کا جہاد اقوام کی فلاح اور بہبود کے لئے تھا۔ جس پر عمل کر کے انسان برائیوں سے پاک اور ایک بہترین انسان بن سکتا ہے۔ جہاد کا مقصد نفرت اور برائیوں کو دور کرنا اور انسانی فلاح و بہبود کے لئے ہوتا ہے۔ رسول کے جہاد کا مقصد پوری کائنات امن وامان، دوستی ،محبت انصاف اور آپسی بھائی چارگی کو فروغ دینا تھا تا کہ پوری کائنات میں قوم دین وایمان کے راستے پہ چلے اور انسانیت کا پرچم لہرا سکے۔ اس ضمن میں ''لولاک'' کے نظمیہ اشعار جہاد کے حوالے سے ملاحظہ ہوں:

اس جنگ وجہاد کا مقصد ہے باطل کی مکمل پسپائی
گمراہ بشر کی راہبر ، حق راہ کی ہمت افزائی
بے دین کے دہشت گردی سے اکتائے ہوئے دین داروں کو
امن اور اماں کے سائے میں تبلیغ و سفر کی آزاد

اللہ کی دھرتی پر سب کو جینے کے ہنر کو آزادی
انسان کو ظاہر و باطن میں پرواز نظر کی آزادی
زندانِ جہالت میں سمٹے اذہان کو آنکھوں کی نعمت
اور وقت کے جامد صحرا کو تحریکِ حقیقت مل جائے

اس جنگ و جہاد کا مقصد ہے توحید کو رفعت مل جائے
بے ہودا رواجوں کی حامل آواز کو عبرت مل جائے
صحبتوں کا مقدس اجلا پن شاموں کی مبارک شوخ ادا
بیمار عقیدوں کی زد سے محفوظ رہے موسم موسم

چندر بھان خیال بنی کے انسانیت اور امن و امان اور آپسی بھائی چارگی کے پیغام کو بڑے ہی فکر و انگیز پر اثر انداز میں پیش کیا ہے۔اس سلسلے میں کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

رہو گے دین کے پابند دنیا میں تو دیکھو گے
ریا کاری ، فریب و مکر سے تم دور ہو کوسوں
جہاں میں صرف راہ راست پر جاری سفر رکھنا
مری ہر بات کو تم لوگ دل سے باندھ کر رکھنا

سبھی اولاد آدم ہیں، سبھی کا حق بھی یکساں ہے
کسی بھائی سے اس کا مال جبراً چھین مت لینا
کشادہ دامن دل، صاف اور ستھری نظر رکھنا
مری ہر بات کو تم لوگ دل سے باندھ کر رکھنا

میں انساں ہوں مجھے بھی ایک دن دنیا سے جانا ہے
خدا سے وصل ہی انسان کا اصلی ٹھکانا ہے
مری سنّت کا مقصد آگہی کی رہنمائی اور
تمہاری زندگی کی راہ کو آساں بنانا ہے

چندر بھان خیالؔ کے نظموں اور غزلیہ شاعری میں ہمارے ملک و معاشرے میں آباد پسماندہ، دلت اور

اچھوت طبقوں کے مختلف مسائل ومصائب کا اظہار بھی دیکھنے کوملتا ہے۔ان کی ایک غزل ''دلت غزل'' میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ یہ غزل ان کی شعری مجموعہ ''صبح مشرق کی اذان'' میں شامل ہے۔موضوع کی مناسبت سے اس غزل کے چند اشعار پیش ہیں:

ایک دلت میں شاملِ محفل کروں تو کیا کروں
ہے محافظ ہی میرا قاتل کروں تو کیا کروں

میں کبھی ہندو ،کبھی مسلم ،کبھی عیسائی ہوں
میرا ماضی ہے نہ مستقبل کروں تو کیا کروں

حکم ہے آئین کا مجھ کو ملیں سارے حقوق
ایک بھی لیکن نہیں حاصل کروں تو کیا کروں

ہر گھڑی ہے جبر اور ظلمت تعاقب میں میرے
اے خیال اے آرزو اے دل کروں تو کیا کروں

صادقہ نواب سحؔر

صادقہ نواب سحؔر ادبی دنیا کی ایک مشہور ومعروف شخصیت ہیں۔انھوں نے نثر اور نظم دونوں ہی ادبی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ان کا اصلی نام صادقہ آراء اور تخلص سحؔر ہے اور وہ صادقہ نواب سحؔر کے قلمی نام سے اردو ادب میں جانی جاتی ہیں۔8 اپریل 1957ء کو گنٹور (اندھرا پردیش) میں پیدا ہوئیں۔ان کے والد کا نام مرحوم خواجہ میاں صاحب اور والدہ کا نام مرحومہ شرف النساء بیگم ہے۔ان کے شوہر کا نام اسلم نواب ہے۔انھوں نے ماسٹر کی ڈگری تین زبان اردو 1981ء، ہندی 1993ء، اور انگریزی 1987ء میں ممبئی یونیورسٹی سے حاصل کیں۔اس کے علاوہ انھوں نے پی۔ایچ۔ڈی بہ عنوان ''ساٹھوتری ہندی غزل'' پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری 1999ء میں حاصل کرنے کے ساتھ ڈی۔ایچ۔ای کی اعلیٰ ڈگری بھی حاصل کیں۔فی الوقت ایسوسی ایٹ پروفیسر، ریسرچ گائیڈ اور صدر شعبۂ ہندی، کے۔ایم۔سی۔کالج، ممبئی یونیورسٹی ضلع رائے گڑھ، مہاراشٹر میں درس وتدریس کے میدان میں اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

صادقہ نواب سحر اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں دلچسپی رکھنے کی وجہ سے ادبی دنیا میں اپنا ایک الگ مقام بنا چکی ہیں۔انھوں نے اپنی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا مگر نظم ونثر کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کیں اور ادبی گوشوں میں ناول نویس، افسانہ نگار، ڈرامہ نویس، مترجم محقق، نقاد اور بچوں کی ادیبہ کے طور پر اپنی شناخت قائم کیں۔صادقہ نواب سحر ذہین اور قابل قدر خاتون ہیں جو زندگی کی چھاؤں دھوپ کے تجربات کو بہ خوبی قلم بند کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔انھوں نے اردو کے علاوہ ہندی اور انگریزی میں بھی کئی کتابیں تحریر کی ہیں۔ان کا پہلا شعری مجموعہ ''انگاروں کا پھول'' 1996ء میں شائع ہوا۔بچوں کی نظموں کا مجموعہ ''پھول سے پیارے جگنو'' 2003ء میں، ناول ''کہانی کوئی سناؤ متاشا'' 2008ء میں، اردو کا طبع زاد

ڈرامائی مجموعہ ''مکھوٹوں کے درمیان'' 2012ء میں، افسانوی مجموعہ ''خلش بے نام سی'' 2013ء میں، ناول ''جس دن سے۔۔۔!'' 2016ء میں، افسانوی مجموعہ ''بیچ ندی کا مچھیرا'' 2018ء میں، شعری مجموعہ ''ست رنگی'' 2018ء میں، شعری مجموعہ ''باوجود'' 2018ء میں، شعری مجموعہ ''چھوٹی سی یہ دھرتی'' 2018ء میں، اور شعری مجموعہ ''دریا کوئی سویا سا'' 2018ء میں شائع ہوا۔ مجروح سلطانپوری کی کلیات کا ترجمہ وادارت ہندی میں ''پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ'' کے عنوان سے 2000ء میں، مجروح سلطانپوری کی غزلوں کا ترجمہ و ادارت ہندی میں ''لوک پریہ کوی مجروح سلطانپوری'' کے نام سے 2002ء میں، ''ہندی غزل: فکر وفن، خصوصی جائزہ: دُشینت کمار (تحقیق) 2007ء میں، ''پتھروں کا شہر'' 2003ء میں، افسانوی مجموعہ ہندی میں ''منّت'' 2012ء میں، تنقیدی مضامین کی کتاب ہندی میں ''ساہتیہ میں آلوچنا کی چتنا'' 2012ء میں، افسانوی مجموعہ ''شیشے کا دروازہ (2018ء) وغیرہ شائع ہوا ہے۔ ان کی شاعری، ناول افسانے اور دیگر تصنیفات تیلگو، انگریزی، پنجابی، کنڑ، مارواری، اور مراٹھی زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے ہیں۔

یہاں میں صادقہ نواب سحرؔ کی شاعری بطور خاص دلت نظموں کے حوالے سے بات کروں گا۔ صادقہ نواب سحرؔ کی شاعری میں جہاں نسائی جذبات واحساسات کا سنجیدہ اظہار ملتا ہے وہیں عصری وسماجی، سیاسی اور معاشی مسائل بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ صادقہ نواب سحرؔ اور ان کی شاعری کے متعلق پروفیسر میر تراب علی ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''انھوں نے پورے تخلیقی اعتماد کے ساتھ شاعری کے کوچے میں قدم رکھا اور شروع ہی سے اچھا تاثر قائم کیا ہے۔ ان کے پاس روایت کی پاسداری کے ساتھ تازہ کاری بھی ہے اور گرد وپیش سے لگاؤ اور عصری شعور، نکتہ طرازی بھی، خوش مقالی بھی، ان کی شاعری غموں میں ڈوبی ہوئی اور زندگی کی تلخ سچائیوں اور ماضی کا عذاب لیے ہوئے کافی مہذب شاعری ہے۔'' ۶

صادقہ نواب سحرؔ شاعری میں سماجی سطح پر غربت، پسماندگی اور بدحالی کی زندگی گزارنے والے طبقات

کے دکھ درد کا بیان خصوصیت کے ساتھ ملتا ہے۔انھوں نے دوسروں کے آشوب واضطراب کو اپنے بغم کا حصہ بنانے کی شعوری کوشش کیا ہے۔غریب ومفلوک الحال طبقات پر اہل ثروت اور اہل اقتدار کے ذریعے روار کھے جانے والے جابرانہ وسفا کانہ رویے کے خلاف سحؔر نے اپنے بیبا کانہ خیالات کا اظہار کی ہے۔اس ضمن میں ان کے چند اشعار دیکھے جاسکتے ہیں ۔

زندگی تو بعد میں ہم کو ملی ہے اے سحؔر
زندگی کے واسطے پہلے ہمیں مرنا پڑا

دکھ ملے سب سے ہمیں ، ہم نے سبھی کو سکھ دیا
اس طرح ہم زندگی کا قرض ادا کرتے رہے

ظلم پر روک نہیں امن کی تشہیر نہیں
لوگ جیتے ہیں مگر جینے کی تدبیر نہیں

صادقہ نواب سحؔر اس تلخ حقیقت کا شدید احساس ہے کہ عصری معاشرہ اس قدر مصلحت اندیش اور خود مرکوز ہے کہ اسے پس ماندہ طبقات کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے تدراک کی یا تو فرصت ہی نہیں یا پھر اسے ظالم کو ظالم، قاتل کو قاتل اور غاصب کو غاصب کہنے کی توفیق نہیں ہے، سرکاری سطح پر بھی ان مظلوم ومقہور طبقوں کو کما حقہ تحفظ اور انصاف امداد حاصل نہیں ہے، صادقہ نواب سحؔر ہمارے ملک ومعاشرے میں صدیوں سے موجود اس طرز ستم وجور سے آگاہ ہیں، چناچہ انھوں نے اپنے غزلیہ اشعار اور نظموں میں اپنے حقیقت پسندانہ احساسات ومشاہدات کا اظہارا اس طرح سے کیا ہے:

چارہ گری ہی نہیں ملے ہوں گے/ اس لیے زخم ان سلے ہوں گے
زندگی نے موت سے بدتر کیا ہم سے سلوک/ کیوں سحر تک روز جلتے ہیں سحر ہم شام سے
کوئی جن کا جواب دے نہ سکا/ زندگی تجھ سے وہ سوال ملے/ آنکھ چپ سے زبان چپ ہے سحؔر
غم کے خاموش سلسے ہوں گے/ پتھر صفت ہیں لوگ سبھی اس جہان کے

لوگوں کو دل کے زخم دکھانے سے فائدہ۔

یہ حقیقت ہے کہ ذات پات اور مذہب وملت کی تقسیم نے ہماری وطنی سالمیت اور اتحاد کو جو نقصان پہنچایا اور سماجی سطح پر نفرت کا جو سلسلہ چلایا ہے، اس کا بھی صادقہ نواب سحرؔ کو گہرا احساس ہے، لہٰذا وہ کہتی ہیں ۔

بٹے جب سے دھرموں میں ذاتوں میں لوگ
اگلنے لگے زہر باتوں میں لوگ

لمحوں میں انہیں وقت کی سازش نے گرایا
صدیوں میں جو رشتوں کے محل ہم نے بنائے

ہندوستان کا روایتی اور کٹر مذہبی معاشرہ دلتوں کے ساتھ ساتھ مسلم معاشرہ سے بھی چھوا چھوت برتا آیا ہے۔ آج بھی گاؤں اور قسبات میں چھوا چھوت کی روایات وبدعات دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس برے رویات کا صادقہ نواب سحرؔ کو احساس ہے، اس لیے اپنی ایک نظم ''دلت مسلمان'' میں وہ اپنے تجربات واحساسات کا اس طرح اظہار کرتی ہیں:

میری پڑوسن/ ہر دیوالی پر/ مجھے مٹھائی کھلاتی ہے/ مگر عید پر/ بھیجا ہوا/ میرا شیر خورمہ
اپنی نوکرانی کو دے دیتی ہے/ جب بھی میرے گھر آتی ہے/ میرے ہاتھوں کی بنی چائے نہیں پیتی
مگر بازار سے منگوائی کولڈرنگ/ سیدھے بوتل سے پیتی ہے/ مجھے احساس ہونے لگتا ہے
میرا سلسلہ وہ کہاں سے ملاتی ہے/ کیا وہ میری ابتداء میں/ تبدیلی مذہب کے فلسفے کو دیکھتی ہے
(یا مجھے دلت مسلمان سمجھتی ہے)/ تعلیم میں تہذیب میں/ ہر بات میں میں کیا میں گئی گذری ہوں!!!

جیسا کہ میں پہلے ہی ذکر کیا ہوں کہ صادقہ نواب سحرؔ کی شاعری میں افلاس ومصیبت کے مارے ہوئے لوگوں و طبقات کا بیان خصوصیت سے ملتا ہے۔ ان کی ایسی نظموں میں ''بھیک''، ''وہ ہنستے ہیں''، ''بچہ مزدور''، وغیرہ ہیں۔ ان نظموں میں سحرؔ نے پسماندہ مفلس اور مصائب زدہ طبقات کے دکھ درد کو بیان کیا ہے۔ البتہ کہ ان نظموں میں بھی دلتوں کی زندگی کا عکس ونقش دیکھا جاسکتا ہے۔ مگر سحر کی متعدد نظمیں ایسی بھی ہیں جنہیں خود

شاعرہ نے ''دلت نظمیں'' سے موسوم کیا ہے۔ان منظومات میں ''اکیسویں صدی کی ایک گھٹنا''، '' چمارن گھونگھٹ یوں نہ کھول''، ''دھرم سنکٹ''، ''رشتہ طے پایا ہے''، ''امبیڈکروادی ادب'' وغیرہ شامل ہیں۔

سحؔر نے اپنی دلت نظموں میں جہاں پسماندہ اور صدیوں سے نظر انداز طبقات کے سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل و مصائب بیان کیے ہیں، وہیں عصری سماج و سیاست کے ذریعے دلتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے جبری و سیاسی طرز و عمل اور اس سے پیدا شدہ مظاہر حیات کو خصوصیت کے ساتھ اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔سحؔر نے اپنے شعری بیانیے میں طنز آمیز اسلوب اختیار کیا ہے۔اس سلسلے میں ''دھرم سنکٹ''، ''بلاتکار امبیڈکروادی ادب''، ''اگلی پیڑھی''، ''وندے ماتر''، ''دلت مسلمان'' وغیرہ نظمیں قابل مطالعہ ہیں۔بطور مثال چند نظمیں ملاحظہ ہو:

نظم ''امبیڈکروادی ادب'':

انسان تھا/ پھر شودر ہوا/ اور اچھوت مانا گیا/ پیٹھ پر جھاڑو باندھ کر
اپنے پیروں کی دھول کو آپ/ جھاڑتے ہوے/ شہر بھر کی گندگی صاف کرتا رہا
سنا، ابھنگوں کی شاعری میں/ میرے درد کے بادلوں کی/ کچھ بوندیں ٹپکیں
سنت چوکھا میلا، نام دیو گیا نیشور کا/ درد بھی تو وہی تھا نا!/ صدیوں بعد گاندھی نے مجھے ہریجن کہا
امبیڈکر نے بودھ بنایا/ اب پڑھنے پر میرے کانوں میں/ گرم سیسہ نہیں ڈالا جاتا
لہٰذا میں نے اپنی زندگی نامے کو/ لکھنا سیکھا/ مگر اسے ساہتیہ نہیں/ دلت ساہتیہ کہا گیا
اب اکیسویں صدی میں/ میری زندگی کی داستان کو/ امبیڈکروادی ساہتیہ کا نام دینے کی
کوشش ہو رہی ہے/ جانے میری داستان/ کب انسان کی داستان بنے گی؟/ جانے کب؟؟

نظم ''دھرم سنکٹ'':

سنا آپ نے/ دھرم پریورتن کیے ہوئے/ غریبوں کا/ شدّھی کرن
کیا جارہا ہے/ انھیں دوبارہ/ دلت بنایا جارہا ہے/ کہتے ہیں، سنکٹ کا سمے ہے
اکیسویں صدی میں جی چاہتا ہے پوچھ ہی لیں/ کیا سچ مچ مذہب خطرے میں ہیں!!!

نظم ''اگلی پیڑھی'':

سنا/ دلتوں کے ایک پورے گاؤں نے/ دھرم پریورتن کرلیا/ پوچھا تو کہا/ ہمیں نہ سہی
ہماری اگلی پیڑھی کو/ اس کا فائدہ ضرور ہوگا/ کم سے کم وہ تو/ اچھوت اور
چھوٹی ذات نہیں کہلائے گی۔

سحرؔ عصری سماج اور دلت کے دیرینہ مسئل سے کماحقہ واقف ہیں اور انہیں دور کرنے کے لیے جہد عمل اور انقلاب کی مؤید ہیں، چنانچہ بنی نوع انسان سے کچھ اس طرح مخاطب ہیں ؎

جو مشکلات سے ہنس کر یہاں نبھا لے گا
مجھے یقیں ہے وہ منزل ضرور پالے گا

کسی مقام پہ منزل ضرور آئے گی
جنوں کے سائے میں چلتے رہیں گے

زندگی تلخ حقیقت ہے مگر جھیل اسے
زندگی سے تو ملا آج نگاہیں اپنی

سحرؔ کو بھی اس حقیقت کا احساس واعتراف ہے کہ ابھی ہمارے ملک کے لاکھوں کروڑوں دلتوں، پسماندوں اور مفلوک الحال افراد کو حصول انصاف وحقوق کے لیے بڑے انکلاب کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ انقلاب کے لیے اجتمایی جہدوجہد، اتحاد اور سنگھرش لازمی ہے، چنانچہ صادقہ نواب سحر کہتی ہیں:

اے سحرؔ آئے انقلاب کئی
آخری انقلاب باقی ہے

عدم گونڈوی

ہندی شاعری میں ملک کی عوام کے دکھ درد اور اس کی ٹوٹی پھوٹی حسرتوں کو شاعرانہ انداز دے کر اس کو واپس کرنے والا شاعر کا نام عدم گونڈی ہے۔عدم گونڈوی کا اصل نام رام ناتھ سنگھ تھا۔ ان کی پیدائش 22 اکتوبر 1947ء کو گاؤں آٹا پرسپور، ضلع گونڈہ، اتر پردیش میں ایک غریب کسان گھر میں ہوئی۔ان کے والد کا نام شری دیوکلی سنگھ اور والدہ کا نام شری متی مانڈوی سنگھ رہا۔ان کا بچپن مفلسی میں گزرا اور اسی وجہ سے وہ بہت زیادہ تعلیم حاصل نہیں کر پائے۔انھوں نے محض پرائمری تک ہی تعلیم حاصل کی اور پھر پڑھائی چھوڑ کر کسانی کرنے لگے۔ان کا پہلا مجموعہ کلام ''سمے سے مُٹھبھیڑ'' عنوان سے 2010ء میں شائع ہوا۔دوسرا مجموعہ کلام ''دھرتی کی سطح پر'' کے عنوان سے 2012ء میں اور تیسرا مجموعہ کلام ''گرم روٹی کی مہک'' کے عنوان سے شائع ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ ملک کی عوام ہی ہے جو کبیر، نظیر، ٹیگور، رویداس، ملک محمد جائسی وغیرہ جیسے شعراء کے کلام کو سنبھال کر رکھا ہے۔وہ دکھ سکھ میں ان کے شاعری کو گنگناتے رہتے ہیں۔دیکھا جائے تو عدم گونڈوی بھی ایسے ہی شاعر تھے۔انھوں نے کوئی مہا کاویہ نہیں لکھا۔انھوں نے اپنی شاعری میں کسی بادشاہ یا ہیرو کو جگہ نہیں دیا۔بلکہ ملک کے دبے کچلے، بے بس، مایوس، مجبور، لاچار، مظلوم اور محنت کش عوام کو جگہ دی۔عدم گونڈوی کی شاعری کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر انیل کمار ویشوکرمہ لکھتے ہیں:

> ''वे समकालीन परिवेश में जो कुछ घटते हुऐ देखते हैं उसपर करारा प्रहार करते चलते हैं। गोंडवी की गजलों का सौन्दर्य उचे महलों या कोठे का नहीं है, उनका सौन्दर्य है, हाथों में छाले और पैरों में बिवाई का, भुखमरी और जलालत में जिन्दगी गुजर बसर करने वाली जनता का ।''

مندرجہ بالا ہندی اقتباس کا اردو میں ترجمہ

''وہ (عدم گونڈوی) عہد حاضر میں جو کچھ بھی گھٹتے ہوئے دیکھتے ہیں اس پر قرار احملہ کرتے چلتے ہیں۔ گونڈوی کی غزلوں کی خوبصورتی اونچے محلات یا کوٹھوں کا نہیں ہے، ان کی خوبصورتی ہے، ہاتھوں کے چھالے اور پیروں میں پھٹی بیوائی کا، محنت کش لوگوں کی، فاقہ کشی و بھوک مری اور ذلالت میں زندگی گزر بسر کرنے والے لوگوں کا۔'' ے

1980 کی دہائی میں جب ہندی اردو زبان کے شعراء کی تخلیقی کام کی دھوم مچی تھی تو عدم اپنے سامعین اور قارین کو شہر سے گاؤں کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس کے متعلق کچھ یوں کہتے ہیں۔

محبت کی کہانی اب جلی ماچس کی تیلی ہے
غزل کو لے چلو اب گاؤں کے دلکش نظاروں میں

انھوں نے اپنے سامعین اور قارین کو خاص کر شمالی ہندوستان کے اس گاؤں کی تنگ گلیوں میں لے جاتے ہیں جہاں دلتوں کی زندگی بدتر سے بدتر ہے۔ جہاں دلتوں کی زندگی کا استحصال ہو رہا تھا۔ گونڈوی نے ان تنگ گلیوں کے دلتوں کی زندگی کو بہت قریب سے دیکھا اور اس کو عزت بخشی۔ گونڈوی نے اپنے سامعین و قارین کو دعوت دی کہ وہ بھی ان کے ساتھ چلیں۔

آیئے محسوس کریئے زندگی کے تاپ کو
میں چماروں کی گلی تک لے چلوں گا آپ کو

جس گلی میں بھوکھمری کی یاتنا سے اوب کر
مرگئی پھُلیا بچاری اک کنویں میں ڈوب کر

گونڈوی اس کے آگے بتاتے ہیں کہ کس طرح سرجوندی کے قریب بسے کسی گاؤں میں ایک دلت نابالغ لڑکی کی عصمت لوٹی گئی اور پورا سماج صرف تماشائی بنا رہا۔

آ رہی تھی وہ چلی کھوئی ہوئی جذبات میں
کیا پتہ اس کو کہ کوئی بھیڑیا ہے گھات میں

ہونی سے بے خبر کرشنا بے خبر راہوں میں تھی
موڑ پر گھومی تو دیکھا اجنبی باہوں میں تھی

چیخ نکلی بھی تو ہونٹوں میں ہی گھٹ کر رہ گئی
چھٹپٹائی پہلے، ڈھیلی پڑی، پھر ڈھ گئی

اس طرح کے واقعات آج بھی ہندوستان کے مختلف خطّوں میں آئے دن ہوتے رہتےہیں لیکن اس میں شکار وہی رہتا ہے بس شکاری بدل جاتے ہیں۔ 2006ء مہاراشٹر کے بھنڈارا ضلع کے خیرلانجی میں یہی تو ہوا تھا جب گاؤں کے اعلیٰ ذات کے دبنگوں نے ایک دلت خاندان کے سبھی فرد کو دھارے دار ہتھیاروں کے زور پر باہر نکالا اور سبھی کو برہنہ کر کے پورے گاؤں میں گھمایا گیا۔ عورتوں کے ساتھ اجتماعی عصمت دری کیا اور پھر ان کا قتل کر دیا۔

عدم گونڈوی کسی بھی بات کو سہل، آسان، صاف اور سیدھے طریقے سے کہتے تھے۔ وہ بہت کم بولتے تھے البتہ بولتے بھی تھے تو اپنی غزلوں اور نظموں کے ذریعے ہی بولتے تھے۔ لوگ حکومت اور سیاست دانوں سے خوف کے مارے خاموش رہتے تھے۔ لیکن عدم ہندوستان کی عدلیہ، انتظامیہ، حکومت اور سیاست دانوں سے کبھی ڈرتے نہیں تھے وہ سیدھے سوال کرتے تھے۔

جو ڈل ہو جی نہ کر پایا وہ یہ حکومت کر دیں گے
کمیشن دو تو ہندوستان کو نیلام کر دیں گے

یہ وندے ماترم کا گیت گاتے ہیں صبح اُٹھ کر
مگر بازار میں چیزوں کا دوگونا دام کر دیں گے

سدن میں گھُس دے کرنچ گئی کردی تو دیکھوگے
وہ اگلی یوجنا میں گھُس کھوری عام کر دیں گے

مندرجہ بالا اشعار میں صاف دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح عدم گونڈوی ہندوستان کی انتظامیہ اور سیاست دانوں کے دوگلے پن کی پردہ فاش کرر ہے ہیں۔انھوں نے نوجوانوں کو سیاست دانوں کے جھوٹھے وعدوں سے کمزوراور بےبس ہوتے دیکھا ہے۔وہ کہتے تھے کہ جو جوان اس ملک کی تصویر بدل سکتا تھا،آج ان سیاست دانوں کے دیے سستے نشے میں اپنے آپ کو مارر ہا ہے۔

آج سائنس اورٹکنالوجی کی ترقی کے ذریعہ کامیابیاں حاصل تو کی جارہی ہیں،لیکن اس کی وجہ سے ''شخصیت'' جیسی چیزیں ختم ہوتی جارہی ہیں۔انسان کے شخصیت کا مستقل زوال اسے تنہائی میں رہنے پر مجبور کرر ہا ہے۔سائنس نے چاندتارے کو چھولیا۔پوری دنیامادے سے مشتعل ہوگئی،انسان آسمانوں میں چلنا سیکھا،لیکن وہ زمین پر چلنا بھولتا جارہا ہے۔ترقی کی اس چکاچوند میں انسان بےحس ہوگیا ہے۔اس کی زندگی مصنوعی ہوگئی ہے۔آج وہ ترقی کے اندھی دوڑ میں اپنا وجود ہی کھو بیٹھا ہے۔عدم گونڈوی اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

چاند ہے زیرِقدم،سورج کھلونا ہوگیا
ہاں،مگراس دور میں انسان بَونا ہوگیا

عدم گونڈوی نے عورتوں کیحالات پر بھی روشنی ڈالا۔انھوں نے کچھ جگہوں پرعورتوں کی بدتر حالات بنانے کے ذمہ دار ملک ومعاشرے کے منتظمیں پرطنز کیا ہے۔

یہ روٹی کتنی مہنگی ہے یہ وہ عورت بتائے گی
کہ جس نے جسم کو گیروی رکھ کے یہ قیمت چکائی ہے

ہمارے معاشرے میں عورت کئی صورت میں نظر آتی ہے۔ وہ کبھی سڑکوں پر جھاڑو لگاتی ہوئی،کبھی کھیتوں میں کسانوں کے ساتھ،کبھی پارلیمنٹ میں بحث کرتی ہوئی تو کبھی تعلیم میں بچوں کوتہذیب و وتمدن سیکھاتی ہوئی۔کبھی کھیل کے میدان میں جوہر دیکھاتی ہوئی،کبھی ملک کے سرحد پر دشمنوں کو دھول چٹاتی ہوئی۔لیکن اس کے علاوہ بھی اس کی ایک زندگی ہے جو کسی کے سامنے نظر نہیں آتی۔دولت مندوں اور

مالداروں کے گھروں میں جنسی تشدد کا نشانہ،کبھی جسم فروشی کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔عالمگیریت کے اس دور میں عدؔم نے عورتوں کے اس صورت حال کے بارے میں تلخ حقیقت تبصرہ کیا ہے۔

عورت تمہارے پاؤں کی جوتی کی طرح ہے
جب بوریت محسوس ہو گھر سے نکال دو

محترم یوں پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں قبر میں
چاہیے کوئی لڑکی سولہہ کوئی انیس کی

جسم کو ڈھاکنے کے لئے کپڑوں کی ایجاداور اس کی ترقی ترقی یافتہ ثقافت کا نتیجہ ہے۔لیکن آج عریانیت جدیدیت کی تمام برے علامات کی علامت سمجھا جاتا ہے۔اس رجحان کے حامل لوگ اسے بڑے شوق سے جدیدیت کے زمرے میں رکھتے ہیں۔یہ رجحان ابھی میٹرو اور کسی حد تک شہروں تک ہی محدود ہے۔کیوں کہ جدیدیت کی اندھی چکا چوندھ ابھی وہیں تک اپنی دخول زیادہ اچھی طریقے سے بنا پائی ہے۔ایسے شہریوں پر طنز کرتے ہیں کہتے ہیں۔

یوں خود کی لاش اپنے کندھوں پہ اٹھائے ہیں
اے شہر کے بشندوں! ہم گاؤں سے آئے ہیں

عریانیت میں پیچھے ہم آپ سے نہیں ہیں
تم شوق سے ننگے ہو ہم غم کے ستائے ہیں

غربت اخلاقیات کے زوال کی اصل وجہ ہے۔پیٹ کے چلتے لوگ جھوٹ بولتے ہیں،چوری کرتے ہیں۔اس پر گونڈوی لکھتے ہیں۔

چوری نہ کرے جھوتھ نہ بولے تو کیا کریں
چولہے میں کیا اصول پکائیں گے

عدؔم کے ہاں عام آدمی کی آواز سنائی دیتی ہے۔بھوک اور روٹی کی جنگ نظر آتی ہے۔اپنے حق کے لیے عوام کو ہتھیار اٹھانے تک کی صلاح دیتے ہیں۔

گر خودسری کی راہ پر چلتے ہوں رہنما
کرسی کے لیے گرتے سنبھالتے ہوں رہنما
گِرگِٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوں رہنما
ٹکڑوں پہ جمع خور کے پلتے ہوں رہنما
جنتا کو حق ہے ہاتھ میں ہتھیار اٹھالے

معاشرے میں پھیلی بدعنوانیوں کو دیکھ کر لوگوں کے ذہن میں ان بدعنوانیوں کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے شعور بیدا کرتے تھے۔

وید میں جن کا حوالہ حاشیئے پر بھی نہیں
وہ ابھاگے آستھا، ویشواس لے کر کیا کریں

لوک رنجک کو یہاں شمبوک وَدھ کے آڑ میں
اس ویوستھا کی گھِرٹ یت اِتیہاس لے کر کیا کریں

اس ضمن میں ان کا ایک اور شعر جو بہت مقبول ہے۔ یہ آج بھی لوگوں کی زبان پر رہتا ہے۔

کا جو بھونی پلیٹ میں ویسکی گلاس میں
اترا ہے رام راج ویدھائک نیواس میں

عدم کے کلام میں اکثریت اور اقلیت کی فرقہ پرستی کے خلاف سخت احتجاج نظر آتا ہے۔مندرجہ ذیل اشعار میں دیکھیں فرقہ پرستی اور مطلبی سیاست کا چہرہ۔

ہندو یا مسلم کے احساسات کو مت چھیڑیئے
اپنی کرسی کے لئے جذبات کو مت چھیڑیئے

ہم میں کوئی ہوڑ، کوئی شک، کوئی منگول ہے
دفن ہے جو بات، اب اس بات کو مت چھیڑیئے

گر غلطیاں بابر کی تھی، جمّن کا گھر پھر کیوں جلے
ایسے نازک وقت میں حالات کو مت چھیڑیئے

ہے کہاں ہٹلر، ہلکو، زار یا چنگیز خاں
مٹ گئے سب، قوم کی اوقات کو مت چھیڑیئے

چھیڑیئے اک جنگ، مل جل کر غریبی کے خلاف
دوست میرے مذہبی نغمات کو مت چھیڑیئے

آج عدم گونڈوی کی مطابقت اس لحاظ سے بڑھتی ہے کہ انسان مستقل طور پر مفلوج ہو رہا ہے۔ وہ دنیا کی ڈھیروں ساری سہولیات کی ہوڑ میں نظام سے بغاوت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ یہ نامردی ہمارے ماحول، معاشرے اور ملک کے لئے بہت خطرناک ہے۔ عدؔم نے اپنی شاعری کے ذریعہ عوامی بیداری کی ہے۔

شجاع خاورؔ

شجاع خاورؔ کا شمار بیسویں صدی کے نصف آخر کے اہم شعرا میں ہوتا ہے۔ان کا اصل نام شجاع الدین ساجد ہے۔شجاع خاور کے نام سے شعر و ادب میں پہچانے جاتے ہیں۔ شجاع خاور کی پیدائش 24 دسمبر 1948ء کو پرانی دہلی کے فصیلی شہر لال کنواں محلّہ رودگراں میں ہوئی۔ ان کا آبائی سلسلہ دہلی کے قدیم زمیندارانہ گھرانے سے ہے۔اس خاندان کے ایک بزرگ مومون فردوسی مغل شہزادوں کو فارسی کا درس دیتے تھے اور اپنے زمانے کے مشہور عامل تھے۔اس پشت کے حوالے سے شجاع خاور کے والد امیر حسن پانچویں پشت میں آتے ہیں۔مومون فردوسی کے فرزند حافظ جمال الدین بھی اپنے زمانے کے معروف عامل تھے، ان کے بیٹے شفیع احمد نے گمنامی کی زندگی گزاری شفیع احمد کے بیٹے محمد حسن (شجاع خاور کے دادا) تک آکر یہ علمی خاندان یکسر زمین دار اور کاروباری بن گیا۔ دیہی رقابت کی وجہ سے تیس سال کی عمر میں محمد حسن ایک سازش کا شکار ہو کر قتل کر دیے گئے۔ان کے دو بیٹے نصر اللہ اور امیر حسن کم سنی میں یتیم ہو گئے، یہ بیسوں صدی کی پہلی دہائی تھی۔امیر حسن (شجاع خاور کے والد) چاندی کا ورق بنانے کے لئے استعمال ہونے والی چمڑے کی تھیلی بنانے والے مشہور کاریگر تھے۔ان کا انتقال اگست 1987ء میں ہوا اور درگاہ شاہ ولی اللہ مہندیان میں دفن ہوئے۔

شجاع خاور نے ابتدائی تعلیم 1955-56ء فراش خانہ کے مظہرالاسلام اسکول سے آٹھیوں جماعت تک حاصل کی۔اس کے بعد اینگلو عربک بی۔اے آنرز اور انگریزی ادبیات میں ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔شجاع خاور بچپن سے ہی بہت ذہین فطین اور زندہ دل نوجوان تھے۔ فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی کے بے پناہ مطالعہ نے انھیں زمانہ طالب علمی سے ہی ایک غیر معمولی لیاقت اور صلاحیت کا حامل بنا

دیا تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد 1972ء میں شجاع خاور نے ایک سال کے لیےنواح ڈگری کالج میوات (گوڑگاؤں) میں انگریزی کے لکچرر کےطور پر بڑھایااور پھر 74 - 1973ء تک دہلی کالج میں انگریزی کے لکچرر مقرر ہوئے۔اس دوران انھوں نے آئی۔پی۔ایس کا امتحان بھی پاس کیا۔اور دلّی کے پولیس آفیسر بن گئے۔حالانکہ ان کی اصلی اور بنیادی شناخت ایک آزادخیال تخلیق کار شاعر کی تھی۔

شجاع خاور ایک ایسے شاعر ہیں جو اپنے تخلیق کار یا شاعر ہونے پر فخر کرتے تھے۔ادبی حلقوں میں انھیں ایک ایسے جدیداور تازہ کار شاعر کی حیثیت سے قبول کیا گیا جو اپنی روایت کا احترام کرتا ہے۔اور جدید تر راہوں پر تخلیقی سفر طے کرنے کی بہترین صلاحیت کا حامل ہے۔انھوں نے اپنی تخلیقی سفر کا آغاز باقاعدہ طور پر ملازمت میں آنے سے پہلے ہی کر دیا تھا۔یعنی طالب علمی کے زمانے سے ہی شاعری کی شروعات کی اور 1974ء میں سرکاری ملازم ہوئے۔انھوں نے اپنی شعر گوئی کا آغاز 1964ء سے ہی کر دیا تھا۔شجاع خاور اپنے شعری مجموعہ ''اللہ ہو'' میں اپنے ادبی تخلیقی سفر کا ذکر کچھ یوں کرتے ہیں:

> ''عنفوانی عمر سے ہی شاعری میری شخصیت کا حصّہ بننا شروع ہوگئی.......چنانچہ طالب علمی کی زمانے میں ہی ''تاج محل'' پر اردو میں لکھی گئی نظموں کو منتخب کیا، ان پر تبصرے لکھے اور اپنی پہلی کتاب ''اردو شاعری میں تاج محل'' کے نام سے 1966ء میں شائع کرائی اس مجموعہ میں میری اپنی نظم بھی تھی۔اس کے بعد 1970ء میں میری طویل نظم ''دوسرا شجر'' کے نام سے شائع ہوئی۔یہ طویل نظم 644 مصروں پر مشتمل ہے اور اشاعت سے پہلے یعنی 1968ء میں تخلیق ہوگئی تھی۔'' [8]

شجاع خاور جب سرکاری ملازمت میں آ گئے تو شعر گوئی کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دے پا رہے تھے۔ملازمت کے پانچ چھ سال تک انہیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔بعد میں انہیں لگا کہ نوکری اور عہدہ کتنا ہی پر کشش کیوں نہ ہو بنیادی فرض اور اولین شناخت شاعری ہے، تخلیق ہے، تو انھوں نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ملازمت سے استعفیٰ دینے کے بعد ان کا ارادہ ہوا وکیل بننے کا تھا اور انھوں نے وکالت (LLB) بھی کی۔LLB کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد انھوں نے رجسٹریشن بھی کرایا لیکن خدا کو شاید

یہ منظور نہیں تھا، کچھ دنوں کے بعد یعنی 1995ء میں فالج Paralysis کا زبردست حملہ ہوا اور وہ پوری طرح سے معذور ہو کر رہ گئے۔

فالج نے شجاع خاور کے جسم اور دماغ دونوں پر اثر کیا، کندھے سے لے کر داہنی طرف کا حصّہ ناکام ہو چکا تھا۔ اس بیماری سے تقریباً 16 سال تک مسلسل بہادری کے ساتھ لڑتے رہے۔ یاداشت چھین چکی تھی۔ اعضاء جواب دے چکے تھے لیکن اپنی روح کی پوری توانائی کے ساتھ زندہ رہے۔ خاورؔ موت سے قبل وہ زندگی جی لینا چاہتے تھے۔ جس کا اظہار انھوں نے اس شعر میں کیا ہے:

شجاعؔ موت سے پہلے ضرور جی لینا

یہ کام بھول نہ جانا بہت ضروری ہے

شجاع خاور تو جینا چاہتے تھے لیکن قسمت کی لکیر کہاں مٹتی ہے، ہونی تو ہو کر رہتی ہے۔ 19 جنوری 2012ء کو درمیانی شب میں دل کا دورہ نے اپنا کام کر دیا۔ اور اردو شاعری کا یہ ستار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

1968ء میں شجاع خاور کی تالیف کی ہوئی پہلی کتاب ''اردو شاعری میں تاج محل'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس میں دوسرے شعراء کی تاج محل پر منتخب نظمیں شامل ہیں، ساتھ ہی ان کی بھی نظمیں شامل ہے۔ 1970ء میں ان کا دوسرا شعری مجموعہ ''دوسرا شجر'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔ اس مجموعے میں شجاع کی ایک طویل نظم جو 644 مصرعوں پر مشتمل ہے، شامل ہے۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد شجاع خاور غزل کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور ان کا نیا شعری مجموعہ 1982ء میں ''واوین'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔ اس میں ان کے غزلوں اور نظموں دونوں اصناف شامل ہے۔ اس کے بعد 1993ء میں دیوناگری رسم الخط میں ان کی غزلوں کا مجموعہ ''بات'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں 151 غزلیں شامل ہیں۔ ''رشکِ فارسی'' غزلوں کا مجموعہ ہے جو 1993ء میں ہی شائع ہوا۔ 2000ء میں ایک اور غزلوں کا مجموعہ ''اللہ ہو'' منظر عام پر آیا۔ اس کے علاوہ شجاع کی دو کتابیں ''غزل پارے'' اور ''غزلیہ'' بھی ہے جو original نہیں ہیں۔

شجاع خاور نظموں اور غزلوں دونوں میں اپنی شناخت ایک الگ قائم کی۔ مشاعروں، رسائل جرائد اور

کتابوں کے ذریعہ کتاب بینوں کے دل ودماغ اور عوامی حلقوں پر بھی چھائے رہے۔شجاؔع، میؔر، غالبؔ اور اقبال کی طرح کے شاعر نہیں تھے، نہ ہی بشیر بدؔر، عرفان صدیقی وغیرہ کی طرح تھے۔ بلکہ یہ ایک منفرد لب ولہجہ کے شاعر اور سب سے جداگانہ تھے۔ان کا ایک شعر جوان کی شاعری کی خصوصیات کو بیان کرتا ہے ملاحظہ ہو:

بڑی گھنی غزل کہتے ہو خاوؔر
لگے جو دیکھنے میں سیدھی سادی

شجاع خاور سماجی مسئلوں کو اپنا ذاتی مسئلہ سمجھتے ہیں اور عوام کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے ہوئے جذبات رکی روٗ میں ان سماجی مسئلوں پر اپنی شاعری میں طنزیہ لہجہ میں بھرپور وار کرتے ہیں۔طنز کا یہ لہجہ وہ بہت ہی سادگی کے ساتھ کرتے ہیں:

ہم نشینوں کی نفاست سے بچا کر رکھا اسے
ذہن کی آلودگی کو گھر سے باہر ڈال دے

ضبط سے ٹوٹ گیا سارا جسم
پاؤں چادر سے نہ باہر نکلا

خاوؔر کی نظم ''بچوں کی ایک نظم بڑوں کے نام'' علم وحکمت سے بھری ہوئی ہے۔یہ نظم معنوی وحدت کے ایک ایسے آسیب کی طرف اشارہ کرتی ہے جو بڑے بڑے دانش مندوں پر اپنا تسلط قائم کر چکی ہے مگر انھیں شاید اس کا احساس نہیں ہے۔آسیب زادہ اپنے آپ کو ہی سب کچھ سمجھنے لگتا ہے۔اپنے سوا کسی اور کو کچھ نہیں سمجھتا ہے۔ان کے اندر ایک خودی پیدا ہو جاتی ہے جو کہ ایک خطرناک صورت ہے۔وہ اپنی انا اور تکبر میں خود کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ کسی اور کے قبضے میں ہے اس کی انا کو ختم کرنے کے لیے عامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ایسا عامل جو علم وحکمت کا ماہر ہو اور زندگی کو بہتر بنانے کا ہنر جانتا ہو۔یعنی وہ تخلیق کا ہی وہ عامل ہے جو زندگی کو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے اور رہنمائی کرتا ہے۔''بچوں کی ایک نظم بڑوں کے نام'' سے چند حصّے ملاحظہ ہوں:

تمھیں گہرائیوں کا علم ہے ڈوبو گے تم کیسے

سمندر سے تمہارا واسطہ وقتی ہے
بالکل عارضی ہے
اک تمہارا کیا تمہارے شہر بھر کا
سنا ہے تم کو اتنا علم حاصل ہے
اور اپنے نطق کی باریکیوں سے اتنے واقف ہو
کہ تم بے ساختہ ہنستے نہیں ہو
اور کبھی حیراں نہیں ہوتے
ہماری بات مانو
ایک دن کے واسطے دانشوری کی چال کو چھوڑو
چلے آؤ سمندر کی طرف
بے ساختہ دوڑے چلے آؤ
ہماری بات مانو
ایک دن حیران ہو کر ڈوب جاؤ اس سمندر میں
مگر ٹھہرو
تمہیں گہرائیوں کا علم ہے ڈوبے گے تم کیسے

یہ حقیقت ہے کہ شجاع خاور نے اپنے شعر گوئی کا آغاز نظم سے کیا لیکن بعد میں ان کا رجحان غزل گوئی کی طرف ہو گیا اور انھوں نے غزل کے میدان میں اپنی قابلیت کا اس طرح لوہا منوایا کہ لوگ ان کی شاعری کو پڑھنے کے بعد سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ انھوں نے اپنے ارد گرد کے حادثات و واقعات اور اپنی زندگی کے داخلی و خارجی حالات کو شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ ان کی شاعری میں کہیں کہیں پر طنز کا لہجہ ہے پر سنجیدگی نظر آتی ہے۔ ان کے لہجے میں طنز تلوار کی کاٹ کی طرح ہے۔ اس کی وجہ شاید ان کی گرم مزاجی ہو جس نے جدیدیت کے خلاف ان میں ایک نفرت ہی پیدا کر دی تھی اور وہ جدیدوں کے خلاف ہمیشہ برسر پیکار اور نبرد آزما رہے۔

موجودہ دور میں انسانی زندگی کا نظام شکست اور مایوس پن سے بھرا ہوا ہے، انسان کامیابیوں کے لیے سرگرداں ہے مگر ناکامیوں اور محرومیوں سے بھی وہ دو چار ہے۔ شجاع خاور نے زندگی کے تجربات و احساسات کو بیان کرتے ہیں۔ خود ان کے زندگی میں ایسے واقعات و حادثات آتے رہے لیکن انھوں نے اس کا ہمت اور حوصلہ کے ساتھ مقابل کیا۔ ان کے یہاں نفسیاتی الجھنیں بھی ہیں۔ ان کے اشعار ان کی زندگی کے انھیں واقعات کی حقیقی نمائندگی کرتے ہیں:

ہم سمجھتے تھے فقط ہم ہی ہیں اس بحران میں
دیکھ کر بے جان سب کو جان آئی جان میں

وہی آج بھی ہے اداسی جو کل تھی
عجب ہے یہ موسم بدلتا نہیں ہے

مجھ کو، غم دل کو غم، جگر کو خلش
ان بہاروں میں کس کو کیا نہ ملا

یہ دشت نہیں ہونے کا گلزار میاں جی
رو رو کے جلاؤ نہ یوں بے کا رمیاں جی

آج ہر انسان ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے جد و جہد کرنے میں لگا ہے۔ اور ہر کوئی چاہتا ہے کہ وہ زندگی کی دوڑ میں آگے نکلے اور کامیابی حاصل کرے۔ شجاع خاور کی شاعری میں عصری زندگی کے خد و خال دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اور ان میں ہمیں ہماری اپنی زندگی کے واقعات و حادثات نظر آتے ہیں۔ خاؔور کی غزلوں میں دشت و صحرا، ہجر و وصال، خواب و آرزو اور تنہائی نے ایک الگ ہی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ جس سے مایوسی، ناکامی اور بیچارگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نیچا دکھا رہے ہیں اونچائیوں کو کچھ لوگ
اور باقی پستیوں کو مینار کر رہے ہیں

جا بیٹھے فلک پر کبھی لوٹ آئے زمیں پر
ہم جیسوں کو آرام نہیں آتا کہیں پر

غم عشق کس نے سمجھا غم عشق کس نے جانا
ترا حسن پہلے میرا غم روزگار سمجھے
ڈھنگ سے ملنا ہو تو ہم سے ملو تنہائی میں
بزم میں جب بھی ملو گے پاؤ گے گم سم ہمیں

1980ء کے بعد کے غزلوں میں جہاں موضوعات وخیالات نئے ہیں وہیں لفظیات وعلامت کے ذریعے بھی نئی غزل نے اپنی الگ پہچان بنالی ہے۔ جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے تو اس کا زیادہ تر موضوع حسن وعشق ہی ہے۔ عشقیہ موضوعات غزل کا حصہ ہوتا ہے لیکن شاعر اس کے علاوہ بھی اپنے سماج ومعاشرے اور اپنے اردگرد ہونے والے واقعات وحادثات سے بھی بے نیاز نہیں رہ سکتا ہے۔ جو کچھ بھی وہ دیکھتا ومحسوس کرتا ہے اسے اپنی غزلوں میں پیش کر دیتا ہے۔ شجاع خاور بھی اس سے الگ نہیں رہے۔ ان کی غزلوں میں بھی حسن وعشق جیسے موضوعات روایتی انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلی آتی گئی۔ زندگی بھاگ دوڑ سے بھری ہے اور اس تیز رفتاری کی وجہ سے ہی موجود تصور عشق بھی بدل گیا ہے، اور آج کے عشق میں خود کو مٹانے کا جذبہ ہی ختم ہو گیا ہے۔ پہلے عاشق محبوب پر جان ودل نچھاور کر دیتا تھا اور اب ہمارے معاشرے میں عشق کا تصور ہی بدل گیا ہے۔ کچھ اشعار پیش ہیں:

اس کی بے دردی کا شکوہ ٹھیک نہیں ہے
ہم ہی اس سے کون سا بے مطلب ملتے ہیں

میرا عشق ہے بس اتنا کہ جگائیں کوئی فتنہ
تیرا ہونٹ بند ہو کے مری خواہشات کھل کے

بدن بدن سے اور لبوں سے لب ملتے ہیں
اس سے زیادہ ہم بھی تم سے کب ملتے ہیں

اس نے ترس کھا کر بدن کی بھیک کیا دے دی ہمیں
بس آسانی عشق کے جذبات کم ہونے لگے

بس وصل کی لذت کا یہی المیہ تو ہے
اب وہ ہمیں پہلے کی طرح بھائے گا تھوڑی

متذکرہ بالا اشعار سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ شجاع خاور نے اپنی شاعری میں کس طرح موجودہ تصور عشق بدل گیا ہے۔ عشق میں اب پہلے جیسا جذبہ نہیں رہ گیا ہے۔ عشق تو اب کاروبار بن گیا۔ اسی لئے موجودہ عشق صرف ہجر ووصال تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

شجاع خاور نے اپنے اظہار و بیان کے لئے علم و بدیع اور علامات نگاری وغیرہ سے بہت کام لیا ہے، انھوں نے اپنی غزلوں میں تشبیہ، استعارہ، تلمیح اور تضاد الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ جدید غزل کے نمائندہ شاعروں میں جو لفظیات، تشبیہ اور استعارات وغیرہ ہیں وہی ان کی شاعری میں بھی ہیں۔ قدیم و جدید شاعری کی علامتیں ان کے یہاں ملتی ہیں جو ایک الگ ذائقہ دیتی ہیں۔ ان کا انداز و بیان اور لب ولہجہ سب سے جدا ہے جو انہیں دوسرے شعراء سے منفرد کرتا ہے۔

عنبر بہرائچی

عنبر بہرائچی کی پیدائش 7 مئی 1949 ءکوضلع بہرائچ کے ترقیاتی حلقہ مہسی کے سکندر پور علاقے میں ہوئی۔ان کا اصل نام محمد ادریس ہے لیکن اپنے قلمی نام عنبر بہرائچی کے نام سے مشہور ہوئے۔عنبر بہرائچی نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جغرافیہ میں ایم۔اے کیا اور بعد میں یو پی کے سِول سروس کے مقابلہ جاتی امتحان میں 1979 ءمیں کامیاب ہوئے اور اتر پردیش کے مختلف اضلاع میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔مثلاً سب ڈیژنل مجسٹریٹ، سٹی مجسٹریٹ،اس کے علاوہ فنانس اور ریونیو کے شعبے سے بھی جڑے رہے ہیں۔

پروفیسر وہاب اشرفی اپنی کتاب ''تاریخ ادب اردو'' جلد سوم میں عنبر بہرائچی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''عنبر بہرائچی نے اس وقت سے لکھنا شروع کیا جب وہ ہائی اسکول کے طالب علم تھے جب سے اب تک سرکاری مصروفیتوں کے باوجود ادبی لحاظ سے بے حد فعال رہے۔اردو کے علاوہ گاہے گاہے ہندی اور انگریزی میں بھی لکھتے ہیں۔کتاب ''اقبال : ایک ادھین'' 1985 ءمیں ہندی میں شائع ہوئی تھی۔1987 ءمیں انھوں نے ایک رزمیہ قلمبند کیا جس کا نام تھا ''مہا بھنشکر من'' یہ بُدھ کی تعلیمات پر مبنی ہے۔پھر نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ''دوب'' کے نام سے شائع ہوا۔''سوکھی ٹہنی پر ہریل'' 1995 ءمیں شائع ہوئی۔اس پر انھیں ساہتیہ اکادمی کا انعام بھی ملا۔اس کے علاوہ 1996 ءمیں ایک اور ایپک ''لم یات نظیرک فی نظر'' جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے باب میں

ہے، شائع ہوئی۔ پھر اس کی دوسرا ایڈیشن 2000ء میں آیا۔ ان کی ایک اور اہم کتاب ''سنسکرت شعریات'' ہے یہ کتاب 1999ء میں شائع ہوئی۔ ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ '' خالی سیپوں کا اضطراب'' 2000ء میں شائع ہوئی۔' 9

عنبر بہرائچی کا شعری سفر تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ اس دور میں اردو غزل نے بہت سی مخالفتیں جھیلیں، نرم گرم ہر قسم کے تھپیڑے کھاتے۔ لیکن اپنے وقار کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ہمت اور حوصلہ سے آگے بڑھتی رہی اور آج اکیسویں صدی میں تمام شعری اصناف کے مقابلے میں اردو غزل ہی سب سے زیادہ مقبول ترین صنف ہے۔ نہ صرف برصغیر میں مقبول و عام ہے بلکہ اس کی گونج دنیا کے دوسرے مما لک میں بھی سنی جا سکتی ہے۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بہت سے غیر اردو داں بھی اردو زبان سے محبت کر رہے ہیں۔

عنبر بہرائچی کی شاعری کا پس منظر عام طور سے ہندوستان کی دہی زندگی اور معاشرت ہے۔ یہ ایک بہت ہی اہم بات ہے، آج جب کہ گاؤں، دیہاتوں سے ہٹ کر شہری زندگی پر ساری توجہ صرف کی جا رہی ہے ایسے میں ان کی گاؤں دیہات سے وابستگی ان کی اپنی انفرادی فکر کو نشان زد کرتی ہے۔ بقول فضیل جعفری

''عنؔبر ہمارے پہلے جدید دیہی شاعر (Rural Poet) ہیں اور یہی ان کا قلعہ ہے۔ دیہی شاعری کے جیسے اعلیٰ نمونے ان کے یہاں ملتے ہیں، کہیں اور دکھائی نہیں دیتے۔'' 10

گاؤں کی مٹی سے لگاؤ واقعی عنبر بہرائچی کے یہاں ملتے ہیں۔ اس کا عمدہ مثال ان کی نظم '' پسینہ '' ہے۔

بیٹیاں مٹی کی جل تھل دونگرے کے پانیوں میں
دھان کے کھیتوں میں گا گا کر روپائی کر رہی ہیں
سرخمیدہ ہاتھ میں نوخیز پودے کی پھبن
حسن کے تزئین میں مصروف ہیں ہر ایک پل

کتنے چہروں پر تبسم کے اُجالے کے لیے
بھیگتی جاتی ہیں محنت سے گریزاں بھی نہیں
بیٹیاں مٹی کی تیکھی اور دودھاری دھوپ میں
دھان کی کھیتوں میں ہنس ہنس کر نرائی کر رہی ہیں
آبنوسی جسم سے محنت کی بوندیں زد فشاں
تیز نظروں کے عقب میں کھرپیاں ہیں رقص میں
دے رہی ہیں فصل کو بالیدگی کے سلسلے
گیت ہونٹوں پر ہیں آنکھوں میں کئی سپنے لیے

انگنت پولوں کو سر پر لاد کر کھلیان تک
لا ہی ہیں اور منڈائی کر رہی ہیں
دھان کے سارے رتن پر دھان کے گھر آ گئے
بحر سے بادل اٹھے اور جھیل کو نہلا گئے
بیٹیاں مٹکی پر نالاں نہیں گریاں نہیں
پھر اُنھیں کھیتوں میں سیلا بنتی ہیں
اور چوہوں کی بلوں سے جگماتی بالیاں
ڈھونڈھ کر اپنے پھٹے آنچل میں بھرتی جا رہی ہیں
(شعری مجموعہ ''دوب'')

عنبر بہرائچی کی شاعری تہذیب کے اس جذباتی المیے کی طرف ایک اشارہ ہے جو قریہ جاتی تہذیب کے سمٹ جانے اور شہر کے شور وشغف میں گم ہو جانے سے عبارت جس کے ساتھ ان کے نزدیک ہمارے تہذیبی رویے بدل گئے۔ نہ گھر و آنگن کی وہ فضا رہی، نہ گلی محلے کی وہ ہوا رہی، نہ نیم، پیپل اور ببول کے درخت ان کی موجودگی ذہن کو جو سکون بخشتی تھی وہ آج میسر نہیں۔

سرخ آندھی ! مرے زخموں پہ نہ ہو یوں مسرور
کئی سہبر مرے ٹوٹے ہوئے پر میں ہیں ابھی

دیکھا جائے تو یہ بھی نئے دور کا المیہ ہے کہ آج کا فرد اپنی انفرادیت سے محروم ہو گیا ہے۔ اب نہ اس کا چھوٹا سا گھر اس کے لیے شناخت رہ گیا نہ سادہ سی شخصیت نہ جان پہچان کے پرانے رشتے اب دلوں اس طرح جوڑتے ہیں اور نہ پیارا محبت کا رویہ ذہنوں کو سکون کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ یہی وہ المیہ ہے، نفسیات کے پرسکون ماحول کی وہ تبدیلیاں ہیں۔ جو آج کے ذہنوں پر اثر انداز ہوئی ہیں۔ اور انھوں نے ہی نفسیات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہ خود اعتمادی کی ایک صورت ہے جس کی طرف عنؔبر صاحب نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ آندھیوں نے میرے بازوؤں کو شکست دے دی مرے ٹوٹ گئے پر ایسا بھی نہیں ہے کہ میرے قوتِ پرواز جواب دے گئی۔ وہ آج بھی اسی طرح ہے۔ وہ ذہنی فضا اور شہری ماحول ہے جس میں اکثر ہمارا فنکار یہ سوچتا ہے کہ وہ صرف زندہ ہے۔ اس سے بہت کچھ چھین لیا گیا مگر زندہ رہنے کا حوصلہ ابھی تک اس میں موجود ہے اور جب تک یہ حوصلہ اس کی شخصیت، شعور اور نفسیات کا حصہ ہے اسے کوئی شکست نہ دے سکتا۔ میں ابھی زندہ ہوں ابھی، شاعر اس کی سزا پا چکا ہے مگر پھر بھی یہی کہتا ہے مجھے اس کی بھی سزا دو کہ میں زندہ ہوں ابھی۔

راکھ کے ڈھیر پہ ماتم نہ کرو، دیکھو ابھی
کئی شعلے کسی بے جان سرد میں ہیں ابھی

یہ حقیقت ہے کہ ہمارا اردو ادب نے ہندوی روایت کا بھی اثر قبول کیا اور اس کے تحت اس میں عشق و محبت کا کردار بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ عنبر بہرائچی کے یہاں بھی ایسی بہت سی مثالیں دیکھنے کو مل جاتی ہیں، جن میں محبت کا تصور بہت کچھ بدلا ہوا ہے اور محبت کی بے قراریاں اور عشق و تمنا کے لمحوں کی خواہش محبت کرنے والے کے حصے میں نہیں آئیں بلکہ خود محبوبہ کے حصے میں آئیں ہیں۔ یعنی اب محبت بھرا کردار مرد کا نہیں ہے عورت کا ہے اور یہ صورت ہندوی شاعری کی روایت میں ہمیشہ سے شامل ہے۔ چند اشعار پیش ہیں:

زرد دوپہر میں سکھیوں سنگ ہولا بھون رہی ہے گوری
یاد اچانک آیا کوئی ، آنسو بن جائے پھاگن میں

اشکوں میں ڈوبا خط صدیوں بعد ملا
یاد نہیں کچھ، ہم کب اس سے روٹھے تھے

آج کے دور میں انسان کوسونے چاندی سے تولا جاتا ہے جس کے پاس جتنا مال وزرزیادہ ہے وہ اتنا ہی بڑا آدمی ہے اوراسی مال ودولت کی وجہ سے ان کے چہرے پر اندھیرا چھا گیا ہے۔ان میں اب اچھائی اوار برائی کی تمیز بھی باقی نہیں رہی۔اب انسان کے زندگی گزارنے کے طورطریقے بھی بدل چکے ہیں۔وہ بھی بہت مہنگے ہوگئے ہیں۔پیسے کی فراوانی نے ان کی زندگی کویکسر بدل کرر کھ دیا ہے۔عنبرآج کے معاشرے پرطنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

چہرے پر زیرپوس اندھیرے پھیلے ہیں
اب جینے کے ڈھنگ بڑے ہی مہنگے ہیں

عنبر بہرائچی کی حیثیت کئی اعتبار سے منفرد ہے۔ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ شمالی ہندوستانی بولیوں پران کی کتنی گہری نظر ہے۔اودھی، برج اور بھوجپوری سے ان کی واقفیت کا ہرقدم پر احساس ہوتا ہے۔یہی نہیں بلکہ ان تعلق سے متعلقہ تہذیبی اور ثقافتی زندگی سے بھی ان کی آشنائی قابل لحاظ ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے عربی اورآریائی تہذیبی،ثقافتی اورادبی عناصر سے حیرت انگیز وابستگی سے پتہ ملتا ہے۔بطورمثال چنداشعارپیش ہیں:

بیاس جو گزرے زمانے میں تھے ایک پرہیزگار
ان کو مارے پاؤں کاشی کی کس شہناز

یاد کرے مینکا نے قلب وسوامتر میں
روپ کے دیپک جلائے تھے بہت دن ہوگئے
(شعری مجموعہ ''مہابھنشکرمن'')

محسن جلگانوی

محسن جلگانوی کی پیدائش صوبہ مہارشٹرا کے چوپڑہ (مصطفیٰ آباد) میں ہوئی۔ پھر حیدرآباد آئے اور یہیں کا ہوکر رہ گئے۔ ان کے والد کا نام مولانا عبدالواحد نقشبندی ہے۔ محسن جلگانوی نے ابتدائی تعلیم اینگلو اردو ہائی اسکول، جلگاؤں میں حاصل کی۔ 1964ء میں انٹرمیڈیٹ بھوپال، مدھیہ پردیش سے تکمیل کیا۔ 1974ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔اے۔ کیا۔ اس کے بعد یہیں سے ایم۔اے۔ کی ڈگری حاصل کی۔ 1964ء میں انھوں نے ساؤتھ سنٹرل ریلوے میں بحیثیت آفس سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے اور اسی عہدہ پر 2007ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ انھوں نے سینٹرل یونی ورسٹی آف حیدرآباد سے پی۔ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔ وہ روزنامہ ''اعتماد'' میں اردو سپلمنٹ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ان کا پہلا شعری مجموعہ ''الفاف'' 1979ء میں شائع ہوا۔ 1988ء میں ان کی دوسری تصنیف ''سکندر آباد کی ادبی دستاویز'' منظر عام پر آئی۔ جو سکندرآباد کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اردو کے برگزیدہ شاعر حضرت سلطان نقشبندی (مرحوم) کے کلام کو مرتب کرکے'' پسِ مرگ'' کے عنوان سے شائع کروایا۔ ان کا دوسرا شعری مجموعہ کلام ''تھوڑا سا آسمان زمین پر'' 1996ء میں منظر عام پر آیا۔ تیسرا مجموعہ ''آنکھ سچ بولتی ہے'' کے عنوان سے 2006ء میں شائع ہو۔ 2010ء میں ان کا چوتھا شعری مجموعہ کلام ''شاخِ صندل'' کے عنوان سے شائع ہوا اور ان کا پانچواں شعری مجموعہ کلام ''سبز سمندر'' کے عنوان سے 2015ء میں شائع ہوا۔

محسن جلگانوی کی شاعری میں عہد حاضر کے مسائل سانس لیتے دکھائی دیتے ہیں۔ان کی شاعری میں جذبات واحساسات کی شدت اور تجربات ومشاہدات کا عکس واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ان کے ہاں جہاں انسانی جذبات جیسے تنہائی، محرومی، دل شکستگی، وغیرہ جو ہمیشہ خاص کر شاعری کا خام مواد رہے ہیں۔ان سب کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔وہیں نجی وارادات، تجربات اور احساسات کی کارفرمائی بھی ہے۔آج کے عہد کی بے یقین مشینی زندگی کا کرب، ٹوٹتے ہوئے رشتے، گرتے ہوئے پیڑ، لوگوں کی بھیڑ میں تنہائی کا احساس، فرقہ وارانہ فسادات، روزی روٹی سے جڑی ہوئی ہجرت، ان سب کی عکاسی ہمیں ان کی شاعری میں ملتی ہے۔ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی بات کو نہایت لطیف اور موثر انداز میں کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ان کی شاعری بدلتے ہوئے زمانے اور بدلتی ہوئی اقدار کا احساس بھی دلاتی ہے اور رمز و ایما اور دھیمے لہجے کے سبب دوسرے شعراء سے منفرد نظر آتا ہے۔اس طرز اظہار کے مظاہر جابجا ملتے ہیں:

اندھی گلی میں بھونکتے کتّوں کا ڈر نہیں
اک آدمی سا کوئی ادھر جھانکتا بھی ہے

ایک دن اخبار کی سرخی میں کھو جاؤں گا میں
گھر پہ مرے نام کی تختی لگی رہ جائے گی

سوچ کر ہر بار وہ بازار سے واپس ہوا
چہرہ رکھے گا کہاں جب آئینہ لے جائے گا

ٹوٹا تھا ریزہ ریزہ ابھی دل کا آئینہ
پھر آنکھ میں ہے کانچ کی دیوار اور ہم

محسن جلگانوی کی شاعری میں موسم، منظر، زمین کی کوکھ وغیرہ جیسے استعارات کا بہترین استعمال کیا گیا

ہے۔ان کی شاعری میں نہ صرف جدید شاعری کے عناصر نظر آتے ہیں بلکہ کہیں کہیں روایتی انداز بھی جھلکتا ہے۔ان کی شاعری میں فلسفیانہ نقطہ نظر بھی نظر آتا ہے۔ جو ان کی شاعری کا خاص وصف ہے۔ان کے کلام میں سادگی ہے،تازگی ہے مگر لسانی نزاکت، وسعت خیال اور سلاست بیان سے عاری نہیں ہے۔

سادہ لوحی کو کبھی سوداگری آئی نہیں
زندگی کے ہر تجارت میں خسارہ ہو گیا

ہم نے سینے میں عجیب آگ جلا رکھی ہے
گھر کسی کا بھی جلے اپنا ہی لگتا ہے

نام جس شئے کی زندگانی ہے
وہ ملی ہی نہیں کبھی مجھ سے

لوٹ آنے میں ہمیں کتنے زمانے لگ گئے
جتنے بھی رشتے پرانے تھے ٹھکانے لگ گئے

اندھی گلی میں ہاتھوں میں پتھر رکھنا
پاگل کتّے کاٹنے آتے رہتے ہیں

محمد علویؔ

آزادی کے بعد جوشعرا منظر عام پر آئے ان میں محمد علوی ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ان کی پیدائش 10 اپریل 1927ء کو احمد آباد میں ہوئی تھی۔ابتدائی تعلیم انھوں نے احمد آباد میں ہی حاصل کی،اعلیٰ تعلیم کے لئے انحوں نے دہلی کا روخ کیا،دہلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے انھوں نے اپنی اعلیٰ تعلیم مکمل کی۔ان کی پہلی شعری مجموعہ''خالی مکان'' 1963ء میں ، دوسرا مجموعہ'' آخری دن کی تلاش'' 1968ء میں،'' تیسری کتاب'' 1978ء میں اور چوتھا شعری مجموعہ''چوتھا آسمان'' 1992ء میں شائع ہوئے۔کلیات''رات اِدھر اُدھر روشن'' 1995ء میں اردو ساہتیہ اکادمی گجرات نے شائع کی۔اس کلیات میں ان کے چار شعری مجموعے اور ان کا غیر مطبوعہ کلام شامل کیا گیا ہے۔شعری مجموعہ''چوتھا آسمان'' پر انہیں اردو ادب کا ساہتیہ اکادمی ایوارڈ 1992ء میں دیا گیا۔اور انہیں غالبؔ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔اردو ادب کے معروف ناقد وارث علوی نے محمد علوی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''علویؔ کے یہاں انسان کھلونوں میں اور کھلونے جانداروں
> میں بدل جاتے ہیں، پوری کائنات ایک نرسری بن جاتی ہے جس میں
> نیل کنٹھ ایک بچہ کی طرح کھیلتا ہے۔'' [11]

محمد علویؔ نے اپنی شعری وشعوری تخلیقات میں نظم وغزل دونوں اصناف پر قلم اٹھایا۔ان دونوں اصناف میں وہ کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ان کی شاعری میں تین جہتیں بظاہر دکھائی دیتی ہیں جن کے ارد گرد ان کی نظم وغزل گھومتی ہے۔پہلی جہت تو وہ ہے جس میں انھوں نے عالم فطرت کو پیشِ نظر رکھا ہے۔دوسری جہت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے معاشرے کی ماحول سے استفادہ اور اخذ نتائج کرتے

ہیں۔ تیسری جہت وہ ہے جو پہلی اور دوسری جہت سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر گھر، خاندان اور بیوی بچے وغیرہ یا اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ مسلم متوسط طبقہ کی تہذیب و ثقافت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ تینوں جہتیں بظاہر ہے کہ ہمارا ماحول ایک طرف شہری فضا کو پیش کرتا ہے تو دوسری طرف یہ شہری فضا ہمیں قصبوں کی طرف لے آتی ہے۔ جن کا تہذیبی منظر نامہ قصبہ اور دیہات کے درمیان ایک فضا کو ذہنی ماحول کی ایک سطح کے اعتبار سے ہمارے سامنے لے آتا ہے۔

محمد علویؔ کے کل شعری تخلیقات کو دیکھا جائے تو ان میں نظموں کی تعداد غزلوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ محمد علویؔ نے بھی دیگر شعراء کی طرح فسادات سے متعلق نظمیں لکھی ہیں لیکن اس طرح کی نظمیں کم ہی ہیں۔ یوں تو بہت شعراء اتنا دھیان دیا ہے کہ ان کی شاعری میں تقسیم ہند کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات یا فرقہ وارانہ حالات کا عکس زیادہ ہے اور کچھ شعراء ایسے بھی ہیں جنھوں نے ان حادثات کا اپنی شاعری پر ذرا بھی اثر پڑنے نہیں دیا۔

محمد علویؔ نے فرقہ وارانہ فسادات کو اپنی شاعری میں جگہ تو دی ہے لیکن ہلکے انداز میں فسادات سے متعلق ان کے کلیات میں دو چار نظمیں ہی ہیں۔ ان میں ایک نظم ''خوف'' پیش ہے۔

یہ سب دکانیں
یہ راستے
یہ ہجوم لوگوں کا
رکتی، چلتی بسیں، یہ کاریں
یہ سب کا سب بتا رہا ہے
کہ شہر اچھا بھلا رہا ہے
مگر ابھی اک دکاں جلے گی
مگر ابھی ایک چھری چلے گی
یہ خوف سر کیوں اٹھا رہا ہے

مذکورہ نظم میں ابھی شہر کی فضا پُرسکون سبھی لوگ اپنے اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہیں۔ یہ

ساری باتیں چین وسکون کی طرف اشارہ کرہی ہیں۔لیکن نظم میں اگلے تین مصرعوں میں شاعر نے واضح کردیا ہے کہ یہ پرسکون فضا اس حادثے کی غماز ہے جس میں دکانیں، مکانات یہاں تک کہ انسان بھی جل جائیں گے اور چاروں طرف چھری خنجر ہی نظر آئیں گے۔انسان انسان کے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔محمد علویؔ اپنے خیال کے اظہار کے لیے جن الفاظ کا استعمال کیا ہے وہ روزمرہ کی زندگی میں استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔انھیں الفاظ کے تانے بانے سے انھوں نے نظم میں تاثیر پیدا کردی ہے۔

اسی طرح کی ایک اور نظم ''ویلکم ,Welcom'' ملاحظہ ہو:

تو اک گدھ اڑا
اور پورب میں پچھّم میں
چاروں دشاؤں میں جا کر
ہر ایک دوست کو
اس نے کل صبح کھانے پہ مدعو کیا
اور پھر شام کو
شہر میں آ کے آرام سے سو گیا!
صبح مہمان آئے تو ان کے لیے
شہر کی سونی سڑکوں پہ لاشیں سجی تھیں
اور گدھ چوک میں
آئے مہمان کو
دونوں پر کھول کے
ویلکم کر رہا تھا!!

محمد علویؔ نے اس نظم میں جنگ اور فسادات کی عکاسی کی ہے۔اس کے نتیجے میں جو بے شمار انسان مرتے ہیں، ان کی لاشیں سڑکوں پر یونہی کئی روز تک پڑی رہتی ہیں جو جانوروں اور پرندوں کا نوالہ بنتی ہیں۔ گدھ جو گلے سڑے ہوئے گوشت کھاتا ہے محمد علوی نے گدھ کو علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔سیاست میں

بھی بہت برے برے کام ہوتے ہیں۔سیاسی لوگ اپنے مفاد کے لیے انسانوں کو موت کے منھ میں ڈالنے سے ذرا بھی نہیں جھجکتے۔ دیکھا جائے تو یہاں پر گدھوں اور سیاسی لوگوں میں یکسانیت دکھائی گئی ہے۔

گجرات کے فسادات اور احمد آباد کے خونی ہنگاموں پر ان کا یہ تبصرہ غیر معمولی طور پر انسانی ہمدردیوں کا آئینہ دار ہے اس میں نفرتیں نہیں ہیں بلکہ اس رویے پر جا المیہ بن چکا ہے اظہار ملال کی ایک پر تاثر کوشش ہے جو اس غزل کے دوسرے اشعار میں دیکھی جا سکتی ہے:

ابھی میں اپنے گھر میں سو رہا تھا
ابھی میں گھر سے بے گھر ہو گیا ہوں

انھیں لوگوں سے مل کر خوش ہوا تھا
انھیں لوگوں سے ڈرتا پھر رہا ہوں

میرے اپنے ہی مجھ کو مارتے ہیں
میں اپنی ہی شکایت کر رہا ہوں

یہیں جینا ، یہیں مرنا ہے مجھ کو
برا کیا ہے اگر میں مر رہا ہوں

دیکھا جائے تو قتل و خون پر اظہار افسوس کرنا خود اپنے آپ میں کوئی بڑی بات نہیں ہے لیکن اس سانحہ کے آر پار دیکھنا نیز اس میں جو حقیقت چھپی ہوئی ہے اس کے دونوں رخوں پر غور کرنا اور پھر اس میں دوہری معنویت پیدا کرنا ایک ایسا شعری عمل ہے ء جو ان کے ہم عصر شعرا کے یہاں کم نظر آتا ہے۔محمد علوی نے یہاں (ہندوستان) کی زرزمین کو مادرِوطن مانا ہے ان کو یہیں جینا اور یہیں مرنا ہے اس لیے اگر اسی سرزمین پر ان کو موت بھی آجاتی ہے تو اس کو وہ اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔

موجودہ دور میں جو بھی حالات ہمارے سامنے ہیں ان کی عکاسی محمد علوی کے یہاں ملاحظہ کیجیے:

وقت یہ کیسا آن پڑا ہے
خطرے میں انسان پڑا ہے

بھوکا ننگا مر رہنے کو
سارا ہندوستان پڑا ہے

محمد علویؔ نے زندگی کی چھوٹی چھوٹی حقیقتوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اور کہیں کہیں انھوں نے طنز و مزاح کے نشتروں سے بھی کام لیا ہے جس سے ان کی شاعری کا موضوع زیادہ دلچسپ اور موثر ہو گئی ہے:

ناحق اٹھائے پھرتے ہو دوزخ یہ پیٹ کا
بچے بھی اب تو ہونے لگے ہیں مشین سے

یہاں موجودہ زمانے کی تجارت و صنعت کا اثر جو ذہنوں پر ہو رہا ہے اور بات انسان کی ذاتی زندگی اور جنسی عمل و ردعمل تک آ گئی ہے اس کا المیہ ایک سے زیادہ صورتوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

محمد علویؔ زیادہ تر مختصر نظمیں لکھے ہیں۔ ان کی نظم نگاری کو سمجھنے کے لیے ان کی ایک مختصر نظم پیش کی جاتی ہے جس کا عنوان ''پیش لفظ'' ہے:

یہ جو ہم تم
روز بولتے رہتے ہیں
ان لفظوں کی
مدھم مدھم روشنیوں میں
میں نے اپنے
آس پاس کی چیزوں کو
اور پاس سے
دیکھنے کی کوشش کی ہے!

اس مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے مشکل پسند اختیار کرنے کے بجائے روزمرہ کے الفاظ میں اپنے

احساسات وجذبات کوپیش کیا ہے۔

اردو شاعری (چاہے وہ غزل ہو یا نظم) شروع سے عشق ومحبت کو پیش کیا گیا ہے، محمد علوی نے بھی اپنی نظموں میں کہیں کہیں عشق ومحبت سے متعلق اپنے احساسات وجذبات پیش کیا ہے۔ دیکھا جائے تو بہت سے شعراء عشق ومحبت ہی کی شاعری کے لیے مخصوص ہو گئے ہیں۔ لیکن محمد علوؔی کے یہاں اس سلسلے کی کچھ ہی نظمیں ملتی ہیں۔ نظم '' التجا '' ملاحظہ ہو:

چاند، مہرباں
رات کو روشن رکھ
پنی نورانی بانہوں میں
چوک، گلی، گھر، آنگن رکھ
ان کو آنے میں کوئی تکلیف نہ ہو
تیری انگلی تھام کے گھر تک آ جائیں
آج کی رات میرا من رکھ
چاند، مہرباں چاند
رات کو روشن رکھ

نظم 'التجا' میں عاشق کو معشوق کا انتظار کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ وہ چاند سے التجا کر کے کہتا ہے کہ اے چاند مجھ پہ یہ مہربانی کر کہ ابھی جب تک وہ نہ آ جائیں تو اپنی چاندنی سے چوک، گلی، گھر آنگن روشن رکھ۔ انھیں یہاں تک آنے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ ان کے آنے کے بعد پھر چاہے تو چلے جانا کتنا بھی اندھیرا کرنا لیکن میری اس التجا کو سن کر میرا من رکھ لے۔

محمد علوؔی کی شاعری عصری آگہی کی شاعری ہے گرد و پیش کے جملہ احوال و کوائف، زندگی کے تلخ حقائق، عصری مسائل اور ان کے مناسب حل کی جانب سنجیدہ بحث دیکھنے کو ملتی ہے۔ علوؔی کی سادگی پر کاری نے زبان و بیان اور ان کے لب و لہجے کو ندرت بیانی سے تعبیر کیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ محمد علوؔی کی اپنے شعری اسلوب کی بنا پر اپنے معاصرین میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔

رؤف خیر

اصلی نام عبدالرؤف، قلمی نام رؤف خیر اور تخلص خیرؔ ہے۔ 15 نومبر 1948ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ اردو میں ماسٹرس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد جونیئر کالج ہنمکنڈہ، ورنگل میں بحیثیت لکچرار مقرر ہوئے اور اسی عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔

رؤف خیرؔ کا پہلا شعری مجموعہ ''اقراء'' ہے جو 1977ء میں زیورطباعت سے آراستہ ہوا۔ یہ مجموعہ غزل، نظم اور ترائیلے پر مشتمل ہے۔ ان کا دوسرا مجموعہ کلام ''ایلاف'' ہے۔ جو 1983ء میں شائع ہوا۔ 2001ء میں انھوں نے علامہ اقبال کے ''پیامِ مشرق'' میں شامل فارسی قطعات '' لالہ طور'' کا اردو منظوم ترجمہ کیا ہے۔ جو'' قنطار'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

رؤف خیر کی شاعری کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے سارے کلام میں خصوصاً غزل کے سرمائے میں کسی شاعر کی پیروی نہیں ملتی۔ ان کا اپنا انفرادی رنگ ہے، کورانہ تقلید سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ چونکہ اب غزل اپنے اندار انوع و اقسام کے مضامین کو سمو لینے کی اہلیت رکھتی ہے اس لیے ان کے یہاں بھی کئی طرح کے مضامین ملتے ہیں، حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ، اپنے مقام کا تعین، نجی مسائل، اور پھر معاملات حسن و عشق بھی۔ بظاہر حسن و عشق کا بیان بہت ہی پامال اور روایتی شاعری کی عکاسی کرتا ہے مگر یہاں بھی وہ سنبھل کر اور اعتدال پسندی سے لطیف اشارے کرتے جاتے ہیں جس سے ان کا جذبہ معتبر ہو جاتا ہے۔

آج تک بھی وہی دیوانہ ادا باقی ہے
گھر سے نکلے تو تری راہ گزر کو جانا

ہم کہاں حرف شناس اتنے مگر پڑھتے ہیں
کاغذوں پر ترے ہاتھوں کی نمی کا لکھا

وہ شخص بڑے چاؤ سے کچھ پوچھ رہا ہے
تو ایسے میں اے لذتِ گویائی کہاں ہے

رؤف خیر شاعری میں کلاسیکی موضوعات کے علاوہ صوفیانہ اور فلسفیانہ موضوعات بھی بدرجہ اتم ملتے ہیں۔ساتھ ہی ساتھ عصر حاضر کے تمام مسائل کا بیان بھی ان کی شاعری بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش ہے:

رستے میں تو خطرات کی سن گن بھی بہت ہے
منزل پہ پہنچنے کی ہمیں دھن بھی بہت ہے

کوئی نشان لگاتے چلو درختوں پر
کہ اس سفر سے تمھیں لوٹ کر بھی آنا ہے

ہم اس زمینِ شر پہ ہمیں خیؔر کی طرح
ہم کو نہ بانٹیے حرم و دیرؔ کی طرح

نعمان شوق

سید محمد نعمان اردو کی ادبی دنیا میں نعمان شوق کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ان کا شمار عہدِ حاضر کے خوش فکر، سنجیدہ اور دردمند شعراء میں کیا جاتا ہے۔عصری حسیت اور موجودہ زمانے کے درد و کرب کو دردمندی اور فکرمندی کے امتیاز کے ساتھ اپنی شاعری میں پیش کرنے کا فن انھیں آتا ہے۔ان کی شاعری کا لب ولہجہ اپنا ایک منفرد انداز رکھتا ہے۔نعمان شوق کی پیدائش صوبہٗ بہار کے شہر آرا میں 2 جولائی 1965ء کو ہوئی۔آرا شہر کے جین اسکول سے تعلیم کا آغاز ہوا۔انھوں نے 1979ء میں میٹریک پاس کیا۔پھر آرا کے مہاراجہ کالج سے انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد انگریزی زبان وادب سے دلچسپی ہوئی تو جین کالج سے انگریزی ادبیات میں بی۔اے کیا۔اعلیٰ تعلیم کے لیے پٹنہ گئے اور اے۔این کالج سے ایم۔اے کی سند حاصل کی۔تلاشِ معاش میں دہلی آئے اور آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہو گئے۔فی الحال دہلی کے نواحی شہر نوئیڈا میں مقیم ہیں۔

نعمان شوق کا ادبی وتخلیقی سفر گزشتہ 30 برسوں سے جاری ہے۔اردو اور ہندی میں اب تک ان کے پانچ شعری مجموعہٗ کلام شائع ہو چکے ہیں۔جن میں 'اجنبی ساعتوں کے درمیان'(غزلیں)1997ء ، 'جلتا شکار ڈھونڈھنے میں'(غزلیں)2003ء ، 'فریز میں رکھی شام(نظمیں)'2004ء ،اور 'اپنے کہے کنارے'(غزلیں)2013ء، شامل ہیں۔کئی ادبی اداروں اور رسالوں سے ان کی فعال وابستگی ہے۔یہ آل انڈیا ریڈیو دہلی سے بھی وابستہ ہیں اور سینئر براڈ کاسٹر ہیں۔معروف ادبی ویب سائٹ ریختہ میں بھی ان کی خدمات بہت نمایاں اور قابلِ قدر ہیں۔نعمان شوق کے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہے:

سوکھے پتوں پہ کسی سانپ کی آہٹ جیسی
سرسراہٹ ہے عجب سانس کے چلنے میں بھی

لوگ خوابوں میں چلے آنے لگے بے روک ٹوک
میں بھی گویا عام رستہ ہو گیا ہوں نیند میں

فلک کا تھال ہی ہم نے الٹ ڈالا زمیں پر
تمہاری طرح کا ستارہ ڈھونڈھنے میں

نعمان شوق کے ہاں جو داخلیت دکھائی دیتی ہے وہ داخلیت ہونے کے باوجود داخلیت نہیں بلکہ وہ خارجیت میں تبدیل ہوکر آفاق گیر بن جاتی ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نعمان شوق کا انفرادی دکھ یا کرب انفرادی ہونے کے باوجود اجتماعی شکل اختیار کر جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کو دیگر ہم عصر شعراء سے منفرد کرتا ہے۔

کوئی میرے گھر سے لے جائے اسے
شور کرتی ہے بہت یہ خاموشی

ہم اپنے گھر کو اٹھا کر کہاں لے جائیں
سنا ہے شہر کا نقشہ بدلنے والا ہے

سب سے گہری ہوتی ہے لفظوں کی چوٹ
لہجے کا ہر وار بچانا ہوتا ہے

ایک اک گھر مقبرہ بنتا ہوا
پھنس گیا ہے شہر کس بھونچال میں

ان کے ہاں تنہائی اور پھر تنہائی میں کسی کی یاد کا دکھ پہروں انہیں کربناک مبتلا رکھتا ہے ایسے میں پھر وہ خود کو مصروف رکھنے کے حیلے بہانے تلاشنے لگتے ہیں۔ دن تو خیر اِدھر اُدھر کی مصروفیات میں گزر جاتا ہے مگر

رات ہوتے ہی یہ تنہائیوں کا دکھ مزید بڑھنا شروع ہو جاتا ہے کیوں کہ اس وقت سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے انسان اپنے آپ کو بالکل اکیلا محسوس کرنے لگتا ہے۔ ایسے میں خاموشی، سکوت بھی انہیں اندر سے توڑنے لگتا ہے اور وہ کہہ اٹھتے ہیں:

کچھ اور بڑھ گیا مری تنہائیوں کا دکھ
چمکیلے پھول کھلنے لگے آسمان پر

بس ایک طریقہ ہے مصروف خود کو رکھنے کا
جو نیند توڑ کے ہم رتجگے بناتے ہیں

نعمان غزل کے مزاج کو سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق ہی لفظوں کو برتتے ہیں وہ غزل کے دامن میں بھاری بھرکم الفاظ کے بجائے عام فہم سہل اور رواں لفظوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ مثلاً

نام سے اس کے پکاروں خود کو
آج حیران ہی کر دوں خود کو

میرے حصے میں مرا کچھ بھی نہیں
اس سے مل جاؤں تو پاؤں خود کو

شین۔کاف نظاؔم

شین۔کاف نظاؔم کا پورا نام شیو کشن بسّہ ہے۔شن۔کاف نظاؔم 26 نومبر 1947ء کو جودھ پور میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام گنیش داس بسّہ تھا اوران کی ابتدائی تعلیم مغربی راجستھان کے قصبوں میں ہوئی ۔جودھ پور یونی ورسٹی سے انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔تعلیم حاصل کرنے کے بعد نظاؔم نے مختلف جگہوں پر ملازمتیں کی۔شین۔کاف نظاؔم کے اب تک آٹھ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔مثلاً لمحوں کی صلیب،دشت میں دریا،ناد ۱۹۸۰،لفظ در لفظ ۲۰۰۰ء،سایہ کوئی لمبا نہ تھا،ساؤں کے سائے،بیاض کھوگئی ہیں ۱۹۹۷ء،گمشدہ دیر کی گونجتی گھنٹیاں اور راستہ یہ کہیں نہیں جاتا،ہے۔ناد کے علاوہ تمام شعری مجموعہ دیوناگری رسم الخط میں شائع ہوئی ہیں۔ان کا کلام ہندوستان کے موثر ادبی رسالوں میں شائع ہوتا رہا ہے۔اور شاعری کے علاوہ تنقید،تبصرہ بھی لکھتے رہے ہیں۔اورافسانوں سے بھی دلچسپی رہی ہے بعض رسالوں کی سرپرستی بھی کی ہے۔اور ایڈیٹوریل بورڈ میں بھی رہے ہیں۔انھیں ترجمے سے بھی دلچسپی رہی ہے۔شین۔کاف نظاؔم نے غزل،نظم، نثری نظم،رباعی،قطعہ اور دوہے ان سبھی اصناف میں خودکو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

وہاب اشرفی اپنی کتاب ''تاریخ ادب اردو'' میں شین۔کاف نظام کی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''شین۔کاف نظام عصری حسیت پر غائت توجہ دیتے رہے ہیں۔ان کے ہاں زندگی کے حقائق رنج والم کا باعث تو ضرور ہیں لیکن ان سے وہ بشر مردہ نہیں۔ان کے خواب باقی رہتے ہیں لہذا محرومی کو وہ آخری مرحلہ نہیں تصور کرتے اوراس سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' [۱۲]

شین۔کاف نظام نے جدید خیالات وتصورات کا اظہار اپنی شاعری میں دلکش انداز میں کیا ہے۔ انھوں نے کلاسکی شاعری سے بھی استفادہ کیا اور دورِ حاضر کی تحریکات جدیدیت اور مابعد جدیدیت پر بھی ان کی نظر گہری ہے۔ان کے خیالات میں گہرائی بھی ہے۔ان شعروں کو دیکھئے جن میں انھوں نے جدید خیالات وتجربات اور مشاہدات کو کس طرح شعری پیرایے میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے:

جب سے بچھڑا ہے کوئی تب سے یہ حالات ہے نظاؔم
بات بے بات پہ رونے کے بہانے ڈھونڈوں

فکری اعتبار سے تو اس شعر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعر کے تجربات میں گہرائی اور گیرائی موجود ہے لیکن فنی اعتبار سے ان کی شاعری میں کچھ کمزوریاں بھی ہیں۔مثال کے طور پر شعر کے دوسرے مصرعہ میں 'ڈھونڈوں' صوتی لحاظ سے خوبصورت اور خوش آہنگ ردیف نہیں ہے۔شاعر اس شعر میں اسی تنہائی کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے ہمارا معاشرہ گزر رہا ہے۔تنہائی کے اس درد وکرب کو نظاؔم نے بھی محسوس کیا اور اس کو شعر کے پیرایے میں ڈھال دیا۔

دونوں اطراف کے لوگ زخمی ہوئے
پتھروں کی کہاں تھی کمی شہر میں

دیکھا جائے تو یہ شعر آج کے سیاسی اور معاشرتی رویوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔جہاں دو فریقوں کا آپس میں لڑنا اور پتھر مار کر ایک دوسرے کو زخمی کرنا ایک عام رجحان بن گیا ہے۔شاعر کہہ رہا ہے کہ دونوں طرف کے لوگ زخمی ہوئے کیونکہ دونوں گروہوں نے ایک دوسرے پر پتھر برسائے اور شہر میں پتھروں کی تو کمی تھی نہیں اس لیے دل بھر کر پتھروں کو برسایا گیا۔کسی کو کسی کے زخمی ہونے کی پرواہ نہیں تھی۔

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر
لہو پکارے گا آستیں کا

آج کا انسان بھیڑ میں خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔دوسروں سے قربتوں کے امکانات بڑھتے جا رہے ہیں اور وسائل بھی جن کے ذریعے ان قربتوں کو حاصل کرنا اب مشکل نہیں آسان ہو گیا ہے مگر یہ سب ہوتے ہوئے بھی پھیلتے ہوئے معاشرے میں ذہن جیسے سکڑ گئے ہیں۔اب آدمی اپنے بارے میں سوچتا ہے

،دوسروں سے انکارنہیں کرتا۔لیکن دوسروں سے متعلق اس کی سوچ بھی دراصل اس کے اپنے وجود سے متعلق ہوتی ہے اس لیے کہ اس کا اپنا وجود بہت سے وجودوں میں شامل ہے اور دوسرے موجود اس کے اپنے وجود کا حصہ ہیں۔ دل ہو یا دماغ خواب ہو یا بیداری مسکراہٹیں ہوں یا افسردگی کا عالم اس میں انسان تنہا ہوتے ہوئے بھی تنہا نہیں ہوتا۔ دور ہوتے بھی دوریوں کو محسوس نہیں کرتا اور قریب ہوتے ہوئے بھی قربتوں کے زندہ، پائندہ تصور سے محرومی کے احساس میں گھرا رہتا ہے۔

مر کے بھی چھوٹ جائیں کون کہے
جانے کتنے ابھی جنم ہیں میاں

ہندو مذہب میں یہ کہا جاتا ہے کہ انسان ایک بار مرنے کے بعد دوبارہ جنم لیتا ہے۔اس طرح انسان کو اپنی پوری زندگی میں کئی جنم لینے ہوتے ہیں۔اس کے بعد اس کو نجات و مُکتی ملتی ہے اسی طرف شاعر نے یہاں اشارہ کیا۔ یہ کس کو معلوم ہے کہ موت کے بعد ہم کو تمام پریشانیوں سے چھٹکارا مل جائے گا، یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے کتنے جنم ابھی باقی ہیں،اس شعر کا مضمون غالبؔ کے اس شعر سے بہت ملتا جلتا ہے۔

گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

آج جس تیزی کے ساتھ بڑے اور صنعتی شہروں کی آبادی بڑھ رہی ہے اس کی وجہ سے مکانات کی قلت پیدا ہوگئی ہے۔اسی بات کو شاعر اپنے شعر میں کس طرح کہتا ہے:

اونچی عمارتیں تو بڑی شاندار ہیں
پر اس جگہ تو رین بسیرے تھے کیا ہوئے

اس شعر میں اسی سماجی تبدیلی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔شاعر کہہ رہا ہے اس جگہ مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے جو رین بسیرے بنے ہوئے تھے وہ سب کیا ہوگئے۔ان کو توڑ کر اس جگہ اونچی اونچی اور خوبصورت وشاندار عمارتیں تیار ہوگئی ہیں۔یہ عمارتیں اپنی جگہ بہت خوب ہیں لیکن اس کے باوجود آج کا مسافر تو اپنے اسی رین بسیرے کو تلاش کرتا ہے جہاں آکر وہ کچھ دیر آرام کر لیتا تھا،سوجاتا تھا اور پھر صبح اپنے کام کے لیے جاتا تھا لیکن ان شاندار عمارتوں نے تو ان رین بسیروں کو ہی اجاڑ دیا۔اب اس جگہ یہ اونچی اونچی

عمارتیں کھڑی ہوگئی ہیں۔

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ شین۔کاف نظام کے خیالات میں گہرائی ہے اور زندگی کا فلسفہ بھی شامل ہے۔لیکن کہیں کہیں زبان و بیان کے اظہار میں ان کی شاعری بے راہ روی کا شکار ہوگئی ہے۔جس کی وجہ سے ان کی زبان ان کے خیالات کا ساتھ نہیں دے پاتی اور ان کے احساسات، تجربات اور زبان و بیان کے اظہار میں ایک توازن قائم نہیں رہ پاتا۔یہ ایک ضمنی بات ہے، اصل مسئلہ ان کے یہاں شخصی تجربات کا ہے۔ جن کو انھوں نے اپنی زندگی، اپنے زمانے اور عصری ذہن سے اخذ کیا ہے۔وہ تنہا ہوتے ہوئے بھی اپنی انفرادی حسیت پر ان کی توجہ زیادہ رہتی ہے۔

شین۔کاف نظآم کی چند اشعار بطور نمونۂ کلام پیش ہیں جن کی مدد سے ان کی فکری و فنی خوبیوں کو زیادہ بہتر طور پر سمجھا جا سکے گا۔

میں نے تو ایسا کوئی منظر کبھی دیکھا نہ تھا
دن ڈھلا جاتا تھا اور سایہ کوئی لمبا نہ تھا

وہ گنگناتے راستے خوابوں کے کیا ہوئے
ویران کیوں ہیں بستیاں باشندے کیا ہوئے

خاموش کیوں ہو کوئی تو بولو جواب دو
بستی میں چار چاند سے چہرے تھے کیا ہوئے

راستہ یہ کہیں نہیں جاتا
آ گئے تم اِدھر کدھر بابا

ان میں سے بچ رہے جو ہم ہیں میاں
سب اسی بات ہی کے غم ہیں میاں

آئینہ میں تو عکس ہے لیکن
مار ڈالے گا مجھ کو ڈر میرا

تیری آنکھیں خدا محفوظ رکھے
تیری آنکھوں میں حیرانی بہت ہے

آنکھوں کو عطا خواب کیے شکریہ لیکن
پیکر بھی کوئی خوابوں میں ڈھلنے کے لیے دے

ریاض لطیفؔ

ریاض لطیفؔ 23 دسمبر 1964ء کو مہاراشٹر کے پونے میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام منصور لطیف ہے۔یونی ورسٹی آف مینیسوٹا، یو۔اے۔ایس سے انھوں نے ایم۔اے اور آرٹ ہسٹری میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔یہ ایک آرکیٹکچر (Architecture) بھی ہیں۔ان کی شاعری کا آغاز 1986ء کے آس پاس ہوا۔ریاض لطیف کے اب تک دو شاعری کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔پہلا شعری مجموعہ ''ہندسہ بے خواب راتوں کا'' 2006ء میں سخن کدہ، احمد آباد سے شائع ہوا۔اور دوسرا مجموعہ ''عدم تراش'' 2016ء میں سخن کدہ، احمد آباد سے شائع ہوا۔ان کی شاعری ہند و پاک کے معروف رسالوں و جریدوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ان دنوں وہ FLAME یونی ورسٹی پونے میں پروفیسر (آرٹ ہسٹری) کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اردو ادب کے مشہور و معروف نقاد اور محقق شمس الرحمٰن فاروقی ایک جگہ ریاض لطیف کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ''ریاض لطیف کا کلام پڑھ کر سب سے پہلا احساس یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی روایت کو تھوڑا پس پشت ڈال کر اور جدید مغربی تصورات میں غرق ہو کر اچھی شاعری ممکن ہے اگر شاعر احساس ہو اور مغربی افکار اور تجربات کو مغرب کی آنکھوں سے نہیں، بلکہ اپنی انکھ سے دیکھ سکتا ہو۔ وہ مغرب کے فن اور جمالیات سے خوفزدہ نہ ہو بلکہ انھیں اپنی ہی وراثت سمجھتا ہو۔سب سے پہلے ساقی فاروقی کے کلام میں یہ بات نظر

آئی تھی کہ وہ مغرب کو کسی مسافر یا سیاح کی آنکھ سے نہیں بلکہ وہاں کے باسی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لیکن ایسا باسی جسے اپنی مشرقی وراثت کا بھی پورا احساس ہے۔فرق صرف یہ کہ ساقی فاروقی کے یہاں تجربۂ حیات کا اظہار نہایت مرصع اور ملمع زبان میں ہوا ہے اور ریاض لطیف کی زبان ابھی ذرا انگھڑ، بلکہ گفتگو کی بے تکلفی سے نزدیک اور ترصیعی رکھ رکھاؤ سے دور ہے۔اوروں کے تو یہاں ابھی وہ منزل بھی نہیں آئی ہے کہ مغرب کی تجربے پر مشرق کی مہر لگ سکے۔'' ۱۳

ریاض لطیف کی نظموں میں معاصر دنیا کا تجربہ ایک طرف تو مابعد الطبیعیاتی فکر میں ڈھل جاتا ہے۔اور سیاسی استحصال اور بے حصول اور نارسائی کے مضامین ڈھل کر عصر حاضر کا مرثیہ بن جاتا ہے۔ایسی مرثیہ جس میں احتجاج کا رنگ اور ماتمی رنگ برابر تناسب میں گھول دیئے گئے ہیں۔ان تمام چیزوں کو آپ ان کی نظم 'گردش' میں دیکھ سکتے ہیں:

لہو کی ہر نئی فریاد سے آگے
ہر ایک بنیاد سے آگے

ہر ایک ایجاد سے آگے
ہزاروں جنگ سے آگے

پڑا ہو ناتواں بن کر
کسی معصوم کا اشکِ رواں بن کر

نظم ''خدشہ'' ملاحظہ ہو:

اندھیروں سے باہر
شعاعوں سے باہر

فناؤں سے باہر
بقاؤں سے باہر
نکالے ہی جائیں گے ہم، اک نہ اک دن
کسی ننگے امکانوں کی پھیلی زمیں پر
جہاں ہجرتوں کا عجب رنگ ہوگا
فلک وُسعتوں کا
بہت تنگ ہوگا

اس نظم میں انسان کا وجودی المیہ اس کے سیاسی المیے میں گھل گیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اس کا وجودی المیہ ہی اس کا سیاسی المیہ بھی ہے۔

ریاض لطیف کی زبان کے تعلق سے شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

''ریاض لطیف کی زبان میں ابھی چمک اور صفائی کی کمی ہے جو عموماً مشق اور مطالعے کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔لیکن اس سے انہیں ایک فائدہ بھی ہوا ہے۔اور وہ فائدہ یہ ہے کہ غزل میں ان کی زبان بے حد بے تکلف اور غیر رسمی معلوم ہوتی ہے اور جدید غزل کے لیے ایک نئے امکان کا پتہ دیتی ہے۔ ہندوستان میں اس وقت زبان کا ایسا استعمال کسی نئے شاعر کے یہاں نہیں ملتا۔'' ۱۴

یہ حقیقت ہے کہ غزل میں ان کی زبان بے حد بے تکلف اور غیر رسمی معلوم ہوتی ہے اور جدید غزل کے لیے ایک نئے امکان کا پتہ دیتی ہے۔ ریاض لطیف پرانے لفظوں کا اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ ان کی نئی معنویت ابھر جاتی ہے۔انھوں نے اپنی شاعری میں خصوصاً آج کی بے حسی کو نشانہ بنایا ہے۔ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کبھی تو منظروں کے اس طلسم سے ابھر سکوں
کھڑا ہوں دل کی سطح پر خود اپنے انتظار میں

ریاضؔ ڈر ہے کہیں نہ آنکھوں کی کشتیوں چھپے سمندر
جمود ٹوٹا ہے ساری موجوں کا ایسے بیتاب ہم ہوئے ہیں

اُگ ہی جاتا ہوں گھنے جنگل کی صورت رات میں
کیا خبر مجھ کو میری زد پر جلا دیتا ہے کون

شفیق فاطمہ شعریٰؔ

حیدرآباد کی شاعرات میں شفیق فاطمہ شعریٰ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ نام شفیق فاطمہ اور تخلص شعریٰؔ ہے۔ان کی پیدائش 1930ء میں ناگپور (مہاراشٹر) میں ہوئی۔ والد کا نام سید شمشاد علی ہے۔ جو سہارنپور (یو۔پی) کے رہنے والے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد اورنگ آباد (مہاراشٹر) چلے آئے اور بعد میں حیدرآباد کا رخ کیا اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ شفیق فاطمہ کی ابتدائی تعلیم اورنگ آباد میں ہوئی۔ انھیں بچپن سے ہی اردو، فارسی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل ہو گیا تھا۔ انھوں نے عثمانیہ یونی ورسٹی سے 1957ء میں گریجویشن کی ڈگری اور مرہٹھواڑ یونی ورسٹی سے 1960ء میں بی۔ ایڈ کی ڈگری حاصل کی۔ 1962ء میں انھوں نے ناگپور یونی ورسٹی سے ماسٹرس کی ڈگری حاصل کی۔ ان کی شادی 1965ء میں سید وجیہ اللہ سے حیدرآباد میں ہوئی۔ سید وجیہ اللہ اندھرا پردیش (Agriculture Department) میں ملازم تھے ۔ 1984ء میں وجیہ اللہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد شفیق فاطمہ شعریٰ ممتاز کالج میں لکچرار کی حیثیت سے ملازمت کرنے لگیں۔ 2010ء سے شفیق فاطمہ جگر کے عارضے میں مبتلا ہو گئیں دو سال تک اس بیماری سے لڑتی رہیں آخرکار 13 اگست 2012ء کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئیں۔

شفیق فاطمہ شعریٰ کے کل چار مجموعہ کلام ہیں۔ ان کے مجموعہ کلام ''گلۂ صفورہ''، ''آفاق نوا''، ''کرن کرنی یاداشت'' اور ''سلسلۂ مکالمات'' ہیں۔ ان کی شاعرانہ خصوصیات کی ناہیدہ سلطانہ ستائش کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''شفیق فاطمہ شعریٰؔ کی شاعری مبہم علامتوں کی حامل ہے۔ جسے آسانی سے سمجھا نہیں جاسکتا۔ وہ نظم گو شاعرہ ہیں۔ ان کا لہجہ دھیمہ ہے۔

ان کے یہاں تاریخی موضوعات کی بہتات ملتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے کسی تاریخی عمارت کو سامنے رکھ کر یا کسی تاریخی مقام کو ذہن میں رکھ کر نظمیں لکھی ہیں اس کے علاوہ ان کی نظموں میں تلمیحات کا عمدہ استعمال بھی ملتا ہے۔ جو ان کی شاعری میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔'' ۱۵؎

یہ حقیقت ہے کہ شفیق فاطمہ شعریٰ کا لہجہ دھیمہ ہے اور ان کے یہاں تاریخی موضوعات کی بہتات ملتی ہے۔ ان کی پہلی نظم ''فصیل اورنگ آباد'' کو ہی دیکھئے جس میں ایک دھیمے لہجے کی شاعرہ نظر آتی ہیں۔ اور پوری نظم میں ایک تاریخی سماں باندھی ہوئی ہیں۔ اس نظم کو پڑھنے سے اورنگ آباد سے ان کے جذباتی وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نظم میں شعریٰؔ نے ایک کرب و درد اور اضطراب کو بیان کیا ہے کہ کس طرح لوگوں کے چلے جانے کے بعد ان کے نقوش رہ جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی آوازیں ہمیشہ گونجتی رہتی ہیں۔ نظم ''فصیل اورنگ آباد'' کا کچھ حصہ ملاحظہ ہوں:

یہ فصیل پارینہ یہ کھنڈر یہ سناٹا
کس خیال میں گم سم ہے رہ گزر آخر

میں یہاں ٹھٹکتی ہوں سوچتی ہوں تھوڑی دیر
یہ شکستہ بام و در کیوں ہیں سو گوار آخر

گرد اڑ رہی ہے جس وسیع میدان سے
اس کو روند کر گذرے کتنے شہ سوار آخر

کھو کے اپنی رونق کو یہ اداس ویرانے
کب تلک رہیں گے محو انتظار آخر

مدتوں یہاں شاہی روندتی رہی سب کو
اور کب تلک چلتا ہے اس کا اقتدار آخر

نشۂ حکومت سے کوئی جا کے یہ پوچھے
کیوں کھنڈر ہی رہتے ہیں تیری یادگار آخر

ماتمی ہوائیں بھی بھر رہی ہیں آہیں سی
زیرِ خاک کس کس کے دل ہیں بے قرار آخر

متذکرہ بالا نظم میں شعریؔ نے تاریخی حسیت سے کام لیا ہے اور ماضی و حال کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں۔ ان کا فکر اور تاریخی شعور پختہ ہے اور وہ علامتی انداز میں اپنی بات پیش کرنے کا ہنر خوب جانتی ہیں۔ انھیں اپنے وطن اور قوم سے بے پناہ محبت تھی۔ اس لیے انھوں نے اس محبت کا بیان اپنے کئی نظموں میں کی ہیں۔ ان نظموں ایک نظم ''یادِ وطن'' ہے جس میں انھوں نے علامتی انداز میں 'وطن' کو 'آتما' کہا ہے کہ وطن میں یہاں ساری چیزیں موجود ہیں۔ ندیاں، پربت، جنگل، چشمہ، چاند تارے، نرناری کا ملن سبھی کچھ ہے لیکن اس کی آتما نہایت ہی اکیلی ہے۔ نظم ''یادِ وطن'' ملاحظہ ہوں:

پودے نہیں اکیلے / چھایا ہے ان کی سنگی ۔۔۔ ساتھی / پر آتما اکیلی / وادی کی گود میں چاند
درپن اچھالتا ہے / چاندی کا جگمگاتا / وہ جھلملاتا منڈوا / خوشہ سا کھل اٹھا ہے
اس میں جنونی نہیں تارا اکیلے ۔۔۔ چلتے / چلتے ہیں ساتھ ان کے
وحشی ہوا کے جھونکے ۔۔۔ ریلے / پر آتما اکیلی / گاتی ہے جب یہ دھرتی
ساتھ اس کے گونجتی ہے / اک صورت سرمدی بھی / ساگر لہر میں / بیلا چرا رہا ہے
نرناری کے ملن کی / دریا نہیں اکیلے ۔۔۔ بہتے / بہتی ہیں ساتھ ان کے / ۔۔۔ موجیں
۔۔۔ ان کی / پر آتما اکیلی

شعریؔ کی شاعری میں نسائی حسیت بھی ایک منفرد انداز میں ملتا ہے۔ وہ ڈھکے چھپے، دھیمے لہجے میں

نسائی احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں۔انھوں نے نسوانی جذبات کا بیان نہیں کیا بلکہ عورت کے جذبات اور اس کے سماجی مرتبے کو مذہب کے حوالے سے بیان کرنے کی کوشش کی ہیں۔اس طرح کی نظموں میں 'سیتا'، 'اسیر'، 'وہ رادھارانی امر'، 'پرپشتمی' قابل ذکر ہیں۔نظم ''سیتا'' نسوانی احساسات وجذبات کی عمدہ مثال ہے۔اس نظم کا کچھ حصہ پیش ہے:

ترا نام لے کر سحر جاگتی ہے
ترے گیت گاتی ہے تاروں کی محفل
تری خاک پا ہند کا راز عظمت
تری زندگی میری خوابوں کی منزل
کہانی تری سن کے تھرا اٹھی میں
دھڑ کنے لگا دھیرے دھیرے میر ادل

....

عجب ہیں یہ اسرار وصل و جدائی
کہ منزل کو پاکربھی منزل نہ پائی
یہ کیسا ستم تھا کہ عفت کی دیوی
ثبوت اپنی عفت کا دینے کوآئی
وہ شعلے کی مانند شعلوں سے گزری
وہ بجلی سی بن کر زمین میں سمائی

شفیق فاطمہ شعریٰ کے ہاں عصری شعوری آگہی بھی ملتی ہے۔وہ زمانے کے انتشار اورنئ تہذیب کے بے راہ روی سے پریشان نظر آتی ہیں۔ان کے نزدیک دنیا ایک سراپا ہے۔جہان امن وامان کا ہونا ضروری ہے۔دنیا کے شورشرابے میں اپنے اقدار کو فراموش کررہا ہے۔اپنی تہذیب اورروایت کو بھول رہا ہے۔اگر دنیا ایسا ہی گمراہی کی شکار رہی تو پھر انسانوں کے نقوش بھی نہیں ملیں گے۔دیکھا جائے تو ان کی شاعری ایک خاموش احتجاج ہے جو شعوری طور پر امن وامان کا پیغام دیتی ہے۔خون خرابا، دہشت گردی، جنگ ووار سے

پرہیز کا مشورہ دیتی ہے۔ ''شفیع الرحم'' اسی سلسلے کی خوبصورت نظم ہے۔اس نظم میں شاعرہ نے خون خرابے اور جنگ و بارود سے تباہ کاری کا ذکر کیا ہے۔اس نظم کا آخری حصہ بطور مثال پیش ہے:

آج فولاد پگھلا / بھڑکتے رہے سرخ بھٹی میں / ارمان،اسرار،جوش جنوں

جانکنی کا ادھوار نشہ جب بھی ٹوٹا / تو پسپے گیا ہوش احساس کو بے دریغ

دور بکھرے دھوئیں کو نکلتے ہوئے / کھردرے اور نم آلود پتھر کا لمس

جذب ہوتا رہا جسم و جاں میں۔۔۔'نہیں!' / ۔۔۔۔'نہیں' قلب چیخنا

زبان'ہاں' کا انگارہ بن کر / جہاں جل بجھی / 'نہیں'۔۔۔اور اقصائے کون ومکاں

خوں سے بھر گئے

شفیق فاطمہ شعریٰ خاص طور پر نظم گو شاعرہ ہیں ۔ان کا مشاہدہ کافی گہرا ہے۔ان کے یہاں نسائی حسیت،عصری آگہی،مذہبی حسیت،احساسات وجذبات کی ترجمانی،مذہب اور روایت کی اقدار،گہرا تاریخی شعور اور عصری معنویت کا اظہار منفرد انداز میں ملتا ہے۔انھوں نے اپنی شاعری میں تشبیہات واستعارات کا بھی استعمال بڑے اچھے انداز میں کیا ہے۔ان کے یہاں فارسی زبان وادب کے اثرات بھی جا بہ جا نظر آتے ہیں۔

ندا فاضلی

ندا فاضلی اردو کے مشہور شاعر، فلمی گیت کار اور مکالمہ نگار ہیں۔ ان کی ولادت 12 اکتوبر 1940ء کو ہندستان کی ریاست مدھیہ پردیش کے شہر گوالیار، میں ہوئی۔ ان کا اصل نام مقتدا حسن ہے۔ لیکن انھیں ندا فاضلی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے والد مرتضیٰ حسن ایک شاعر تھے، جو دعاؔ تخلص فرماتے تھے اور معروف شاعر نوع ناروی کے شاگرد تھے۔ ندا فاضلی کا آبائی وطن فاضلہ (جموکشمیر) تھا۔ لیکن ان کا خاندان کئی سالوں سے گوالیار آ کر بس گیا تھا۔ ندا فاضی کی ابتدائی تعلیم گوالیار میں حاصل کرنے کے بعد وہ دہلی چلے گئے۔ دہلی میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہی تقسم ہند کا روح فرسا واقعہ پیش آیا۔ تقسیم ہند کے وقت ان کے والدین پاکستان منتقل ہو گئے لیکن انھوں نے ہندوستان میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا اور وہ یہیں کا ہو کر رہ گئے۔

ندا فاضلی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تلاش روزگار میں در در کی خاک چھانی، کبھی کلکتہ کا سفر کیا تو کبھی راجستھان اور دہلی میں پڑاؤ ڈالا۔ نداؔ روزی روٹی کی تلاش میں آخر میں ممبئ پہنچے اور اپنی آخری سانس تک یہیں رہے۔ اس سلسلے میں روزنامہ ''ورقِ تازہ'' کے ایڈیٹر محمد تقی لکھتے ہیں:

> ''ندا روٹیوں کے لئے اپنے دور کے مشہور ہفتہ وار اخبار'' بلٹز '' (اردو) اور ''دھرم یُگ'' (ہندی) میں کالم لکھتے اور جب رات کے اندھیرے گہرے ہونے لگتے تو وہ انہی اخبارات کے دفاتر کے کسی کونے میں چادر بچھا کر سو جاتے۔ ممبئ میں ابتدا میں انھوں نے بڑی کسمپرسی میں زندگی گزاری۔ لیکن ان کی قسمت کا ستارہ اس وقت چمک اٹھا جب کمال امروہی نے انھیں اُن کی ادھوری فلم ''رضیہ سلطان'' کے لئے نغمے لکھنے کا موقع

دیا۔فلمی دنیا کے سفر کے بارے میں ندؔا نے فلمی رسالے فلم فیئر کے دیے گئے ایک انٹر یو میں کہا تھا کہ فلم رضیہ سلطان کے خالق کمال امروہی کو فلم کے اصل نغمہ نگار جان نثار اختر کے اچانک انتقال کے بعد ایک شاعر کی ضرورت تھی، چنانچہ انھوں نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے فلم کے لیے دو گیت لکھے ۔اس فلم کے بننے میں تو بہت دیر لگی لیکن اس دوران مجھے دوسری فلموں میں کام ملنا شروع ہوگیا۔ندا فاضلی نے ’رضیہ سلطان‘ کے علاوہ ’سرفروش‘ ، ’اس رات کی صبح نہیں‘ ، ’آپ ایسے تو نہ تھے‘ اور ’گڑیا‘ کے لیے گیت لکھے۔جنھوں بہت شہرت حاصل ہوئی۔“ ۱۶

ندا فاضلی ایک مندر سے بھجن سن کر شاعری کی جانب راغب ہوئے۔انھوں نے میرؔ،غالبؔ اور میرؔا ،کبیرؔ کو بڑی دلچسپی سے پڑھا۔جب انھوں نے شاعری شروع کی تو ان کے مخصوص لب ولہجہ کو پسند کیا جانے لگا۔یہاں تک کہ فلم بنانے والوں کی نظر ان پر پڑی ساتھ ہندی اور اردو ادب والوں نے بھی ان کی جانب توجہ مرکوز کی۔کئی گلوں کاروں اور غزل گانے والوں ان کی غزلیں اور نظمیں اور گیت گائے جس کی وجہ سے ان کی شہرت عوام وخواص تک پہنچی۔

ندا فاضلی نے اپنا پہلا مجموعہ کلام 1969ء میں شائع کیا۔اس کے بعد متعدد شعری مجموعے منظر عام پر آئے۔سال 2012ء میں ’لفظوں کے پل‘ ، ’مورناچ‘ ، ’آنکھ اور خواب کے درمیاں‘ ، ’کھویا ہوا سا کچھ‘ ، ’شہر میرے ساتھ چل‘ ، ’زندگی کی طرف‘ چھ شعری مجموعوں کو یکجا کرکے ”شہر میں گاؤں“ کی عنوان سے معیار پبلی کیشن دہلی کے زیر اہتمام شائع کیا گیا۔یہ مجموعہ 662 صفحات پر مشتمل ہے۔ان کے مضامین کا ایک مجموعہ ”ملاقاتیں“ عنوان سے 1960ء میں منظر عام پر آیا۔ان کی کل 24 کتابیں شائع ہوئی ہیں۔انھیں 1998ء میں اردو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔2003ء میں انھیں نغمہ نگاری کا سکرین ایوارڈ ملا۔2003ء میں ہی انھیں پدم شری جیسے باوقار اعزاز سے بھی نوازا گیا۔اور مہاراشٹر حکومت کی جانب سے انھیں میر تقی میرؔ ایوارڈ بھی حاصل ہوا۔ندا فاضلی کا 8 فروری 2016ء کو حرکتِ قلب بند ہو جانے کے باعث ممبئی میں انتقال ہوگیا۔

ندا فاضی کی شاعری نہ صرف ادب اوراس کے قارئین کے ادبی رشتوں کوضروری مانتی ہے بلکہ اس کے معاشرتی سیاق کواپنا معیار بھی بناتی ہے۔اوران کی شاعری بند کمروں سے باہر چلتی پھرتی زندگی نظر آتی ہے اور ان حلقوں میں بھی جاتی ہے جہاں روشنی مشکل سے پہنچتی ہے۔ندؔا کی شاعری ماؤں کی اہونٹوں سے مسکراتی ہے۔بہنوں کی انچلوں سے سرسراتی ہےاور بچوں کے ساتھ اسکول جاتی ہے۔

شمیم حنفی ، ندا فاضلی کی شاعری کے تعلق سے لکھتے ہیں: ''ندؔا کی شاعری اور نثر میں آنکھ ادراک ک بنیادی وسیلے کی حیثیت رکھتی ہے۔کنہالال کندن نے لکھا کہ'' وہ میری نسل کی ادیبوں میں اردو ہی نہیں ایشیائی ادبی زبانوں میں عصر حاضر کی آواز ہیں۔اور وارث علوی لکھتے ہیں کہ''جنھیں (ندا فاضلی) ایک بار پڑھا تو دوسری بار پڑھنے کی ہوس جاگتی ہے۔''

ندا فاضلؔی کی شاعری اپنی مٹی اوراپنے معاشرے سے جڑی شاعری ہے۔انھوں نے زندگی کی کڑوی اور میٹھی سچائیوں کو بڑی دیانتداری اور ایمانداری کے ساتھ اپنے شعروں میں پیرویا ہے۔نئ لفظیات اور مانوس علامتوں کے توسط سے اپنی بات جو سارے انسانوں کی ہوا کرتی ہے کو بہت سادہ انداز میں پیش کیا ہے۔اس لیےان کے شعردل کے سطح کو چھو جاتا اور قاری پر ایک خوشگوار تاثر چھوڑ جاتے ہیں۔چنداشعار ملاحظہ ہوں:

وقت کے ساتھ ہے سفر صدیوں سے
کس کو معلوم کہاں کے ہیں کدھر کے ہم ہیں

دیوارودر سے پرچھائیاں بولتی ہیں
کوئی نہیں بولتا ہے جب تنہائیاں بولتی ہیں

مندروں میں بھجن،مسجدوں میں آذاں آدمی ہے کہاں
آدمی کے لیے ایک تازہ غزل جو ہوا سو ہوا

ندا فاضلی ،کبیؔر کی طرح انسان دوست شاعر تھے اور اس سلسلے میں وہ سماج کی جانب سے عائد

پابندیوں، خاص طور پر مذہبی قیدوبند پر تنقید کرتے ہیں۔ مثال کے طور کچھ اشعار پیش ہیں:

گھر سے مسجد ہے بہت دور چلو یوں کرلیں
کسی روتے ہوئے بچے کو ہنسایا جائے

گھاس پر کھیلتا ہے اک بچہ
پاس ماں بیٹھی مسکراتی ہے

مجھ کو حیرت ہے جانے کیوں دنیا
کعبہ و سومنات جاتی ہے

ندا فاضلی نے مذہب کے نام پر فسادات، سیاست دانوں اور فرقہ پرستوں پر اپنی شاعری میں کھل کر تنقید کیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہوں:

ہمارے یہاں کے سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوئف تماش بینوں میں

یہاں قابل ذکر یہ ہے کہ 1992ء میں جب بابری مسجد شہید کی گئی اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے فسادات کے دوران تحفظی وجہات کی بنا پر ندا فاضلی نے اپنے ایک دوست کے گھر پناہ لی تھی۔ جب کہ ان کو مذہبی رواداری پر بہت سے اعزازات سے وقتاً فوقتاً ملتا رہا۔

سائنسی ایجادات اور گلوبلائزشن نے سب سے زیادہ بچوں کی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ آج کی سائنسی دور میں بچے وقت سے پہلے ہی بالغ ہونے لگے ہیں۔ ان کی پسند و ناپسند اور معیار بھی اب پہلے جیسے نہیں رہے ہیں۔ یہ کہا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا کہ سائنسی ترقیات نے بچوں سے ان کا بچپن چھین لیا ہے۔ اس تناظر میں ندا فاضلی کے چند اشعار پیش ہیں:

بچوں کے چھوٹے ہاتھوں کو چاند ستارے چھونے دو
چار کتابیں پڑھ کر وہ بھی ہم جیسے ہوجایں گے

ایسے بھی گلی کوچے ہیں بستی میں ہمارے
بچپن میں بھی بچے جہاں بچے نہیں رہتے

یہ حقیقت ہے کہ گاؤں کی سیدھی سادی زندگی نہایت پرسکون ہوتی ہے۔گاؤں میں دنیاداری سے رغبت کم اورانسانی رشتوں کا پاس ولحاظ زیادہ رہتا ہے۔گاؤں سے جب کوئی شخص شہر جاتا ہےاور گھوم کر دیکھتا ہے،اس شخص کوصرف چند دنوں تک وہ شہر اچھا لگتا ہےاس کے بعد اسے اپنے گاؤں گھر ہی عزیز معلوم ہوتا ہے۔اتنا ہی نہیں وہ شہر میں سب سے ملاقات بھی کرتا ہےاس کے باجود بھی وہ اپنے آپ کوتنہا محسوس کرتا ہے۔گاؤں والا آدمی (شاعر) دیکھتا ہے کہ شہر میں صرف جسمانی چمک دمک اور دیدہ زیب لباس میں ملبوس سیاہ دل لوگ ہیں۔شہر کی ذہنیت،رکھ رکھاؤ،ریاکاری،عیاری،دھوکہ دہی،موقع پرستی اور خودغرضی سے شاعر کو نفرت ہوجاتی ہے۔اور پھر اسے اپنا گاؤں یاد آجاتا ہے۔جہاں آج بھی خلوص ومحبت، رواداری اورآپسی مل ملاپ، بھائی چارگی ہے۔شہروں کے بارے میں ندافاضلی کا جوتصور ہےاسے مندرجہ ذیل اشعار میں محسوس کیا جاسکتا ہے:

کچھ لوگ یوں ہی شہر میں ہم سے خفا ہیں
ہر اک سے اپنی بھی طبیعت نہیں ملتی

نئی نئی آنکھیں ہوں تو ہر منظر اچھا لگتا ہے
کچھ دن شہر میں گھومے،لیکن اب گھر اچھا لگتا ہے

یہ شہر ہے کہ نمائش لگی ہوئی ہے کوئی
جو آدمی بھی ملا بن کے اشتہار ملا

ہم نے بھی سو کے دیکھا ہے نئے پرانے شہروں میں
جیسا بھی ہے اپنے گھر کا بستر اچھا لگتا ہے

ندا فاضلی کی شاعری میں تنہائی کا جو درد ملتا ہے وہ ان کی زندگی کا حصہ ہے جو ابتدا سے موت تک ان کے ساتھ رہا۔تنہائی انسان کو کس کس انداز پر سوچنے سے مجبور کرتی ہے اس کا ادراک ندا فاضلی کی شاعری سے ہوتا ہے۔شہروں میں رہتے ہوئے بھی انسان خود کو کس قدر تنہا محسوس کرتا ہے، یہ درد بھی ہیں ان کی شاعری میں نظر آرہے۔چاروں طرف انسانوں کا ہجوم ہونے کے باوجود بھی انسان خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔یہ اس صدی کی سب سے بڑی تلخ حقیقت ہے۔تنہای کی درد و کرب کا اندازہ ان کے ان اشعار میں لگایا جا سکتا ہے:

ہر طرف ہر جگہ بے شمار آدمی
پھر بھی تنہائیوں کا شکار آدمی

یہ کائنات کا پھیلا تو بہت کم ہے
جہاں سما سکے تنہائی وہ مکان بھی دے

بھیڑ سے کٹ کر نہ بیٹھا کرو تنہائی میں
بے خیالی میں کئی شہر اجڑ جاتے ہیں

ندا فاضلی کی شاعری عام فہم زبان والی شاعری ہے۔ان کی شاعر کا زبان بالکل بول چال کی زبان ہے۔ان کی شاعری میں کہیں بھی پیچیدگی اور الجھاؤ نظر نہیں آتا ہے۔ندا فاضلی نے جن مسائل و موضوعات کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے، ایسا نہیں کہ یہ مسائل اور معاملات دوسرے معاصر شعراء کے یہاں نظر نہیں آتے ،لیکن ان موضوعات کو جس خوبصورتی سے اور نہایت عام فہم زبان میں انھوں نے پیش کیا ہے، وہ انھیں دوسروں سے ممتاز ضرور کرتا ہے۔انھوں نے عصر حاضر کی زندگی کی انہی حقائق کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے، جسے ہر شخص اپنی زندگی میں محسوس کر سکتا ہے۔شہروں کی زندگی میں اخلاق وخلوص کا فقدان،تنہائی کا کرب، دنیا کی حقیقت، سچ بولنے کی سزا،مصلحت پسند کے فوائد،دشمنی میں حد سے زیادہ گزر جانے کے نقصانات،خواب اور امیدوں کے کھلونے سے بہلنے کی بات وغیرہ ایسے تمام رموز نکات ہیں جن سے انکار کرنا

ممکن نہیں تاہم وہ جب اپنے تجربات سے گزرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ دنیا میں رہنا ہے تو مصلحت پسندی سے کام لینا ہی پڑے گا اور زمانے کی روش کے مطابق چلنا ہی پڑے گا۔اس ضمن میں کہتے ہیں:

اپنی مرضی کہاں اپنے سفر کے ہم ہیں
رُخ ہواؤں کا جدھر کا ہے ادھر کا ہم ہیں

اب خوشی ہے نہ کوئی درد رلانے والا
ہم نے اپنا لیا ہر رنگ زمانے والا

ندا فاضلی یوں تو سادہ خیالات کو سادہ الفاظ میں پیش کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔لیکن 1980ء دہائی میں ابھرنے والی علامت نگاری کی تحریک سے وہ بھی متاثر ہوئے نہ رہ سکے۔اس ضمن میں ان کا ایک شعر ملاحظہ ہوں:

سورج کو چونچ میں لیے مرغا کھڑا رہا
کھڑکی کے پردے کھینچ دیے رات ہوگئی

مصحف اقبال توصیفی

عبدالمغنی نام، مصحف اقبال توصیفی قلمی نام اور مصحفؔ تخلص ہے۔ 8 دسمبر 1939ء کو بدایوں (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالمعطی کی ملازمت حیدرآباد میں تھی چنانچہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حیدرآباد چلے آئے اور یہیں آباد ہوگئے۔ 1961ء میں جامعہ عثمانیہ سے ایم۔ایس سی (جیالوجی) کا امتحان پاس کیا اور جیالوجیکل سروے آف انڈیا کے محکمے سے وابستہ ہوئے اور یہیں سے 2000ء میں بحیثیت ڈائرکٹر سبکدوش ہوئے۔ان کی پہلی نظم 1959ء میں سہ ماہی رسالہ ''قند'' میں تاج سعید کی ادارت میں چھپی۔اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا اور ان کی کئی نظمیں مشہور ادبی رسائل و جرائد جیسے آواز، پیکر، شبِ خون، سب رس، سیاست، منصف، رہنمائے دکن وغیرہ میں چھپتی رہیں۔

ان کا پہلا مجموعہ کلام ''فائزا'' ہے۔جو 1979ء میں منظر عام پر آیا۔اس مجموعہ کے لیے آندھرا پردیش اردو اکادمی نے انھیں انعام سے نوازا۔1995ء میں ان کا دوسرا شعری مجموعہ ''گماں کا صحرا'' شائع ہوا۔اس مجموعہ کے لیے بھی آندھرا پردیش اردو اکادمی نے ایوارڈ عطا کیا۔ان کا تیسرا مجموعہ کلام ''دور کنارا'' کے عنوان سے 2005ء میں شائع ہوا۔چوتھا مجموعہ کلام ''ستارہ یا آسماں'' کے عنوان 2012ء میں، ''رات خیالوں میں گم'' پانچواں مجموعہ کلام 2019ء میں شائع ہوا۔

مصحف اقبال توصیفی کو ترقی پسند سے جوش وتوانائی ملی اور جدیدیت کے پھل کو بھی چکھنے کا موقع ملا۔اور انہیں مابعد جدیدیت سے بھی سابقہ پڑا۔انہیں جہاں فیض، جذبی، کیفی، ساحر نے متاثر کیا وہیں فراز، ناصر کاظمی اور شکیب جلالی نے بھی ان کے ذہن و دل پر گہرے نقوش مرتب کیے۔توصیفی کے سوچ سمندر کی گہرائی ناپی نہیں جاسکتی۔ان کے لہجہ میں بلا کا سوز و گداز پایا جاتا ہے۔ان کے شعروں کی جذباتی فضا ہجر و وصال کی

قوس قزح سے معمور ہے۔انہیں وارادات قلب ونظر سے گریز نہیں وہ انہیں لفظوں کی عماری میں بیٹھا دیتے ہیں۔ان کی شاعری ایک ایسا نہاں خانہ بن جاتی ہے جس میں چاہتوں کے عکس دیکھے جا سکتے ہیں۔ان کی زبان سلاست وسادگی کا نمونہ ہے۔شعر کا ہر لفظ گوہر آبدار ہے۔خیالات پامال اور گھسے پٹے نہیں نئے جہاں معنی کی نشان دہی کرتے ہیں۔قاری ان کی جدت طرازی اور بلند خیالی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ان کے شعر براہ راست دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ان کی غزلوں اور نظموں نے اردو کے شعری سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔یہ سب ان کی جودت طبع کا نتیجہ ہے۔ان کی فکر رسا کی کئی جہتیں ہیں۔ان کی شاعری میں محبوب کی محبت، اس سے وفا اور اس کی خوبصورتی کے علاوہ عصر حاضر کے مسائل کا بھی بیان بڑی عمدگی سے ملتا ہے۔ان کے کلام سے چند اشعار ملاحظہ ہو:

پھر اپنا نشان کہیں نہ پایا
اٹھ کر ترے ساتھ تو گئے ہم

کھویا ہے اسے تو خود کو پایا
پایا ہے اسے تو کھو گئے ہم

سنا تم روتے روتے سو گئے تھے
تمہارے گھر کا دروازہ کھلا تھا

کئی عمر اک در پہ رہتے ہوئے
بڑی شرم آتی ہے کہتے ہوئے

سر سبز چمن میرا، اے بادِ صبا رکھنا
ہر پھول کھلا رکھنا، ہر پات ہرا رکھنا

وہ چاند جو تکتا ہے کھڑکی کی سلاخوں سے
دروازے سے آئے گا، دروازہ کھلا رکھنا

اشعار ہیں مصحفؔ کے اوروں سے الگ جیسے
انداز لگاوٹ کا تم سب سے جدا رکھنا

حوالے

۱۔ hhttps://www.facebook.com/esbaatbookseris

۲۔ یعقوب راہی، مضمون ''دلت آواز اور میں''مشمولہ'دلت آواز' مراٹھی کی منتخب نظموں کے تراجم،ایڈشاٹ پبلی کیشنز ممبئی، ۱۹۹۸ءص ۵

۳۔ چندر بھان خیال ''صبح مشرق کی اذان'' سن ۲۰۰۸،ص ۱۴۔۱۳

۴۔ چندر بھان خیال ''صبح مشرق کی اذان'' سن ۲۰۰۸

۵۔ چندر بھان خیال ''نئی فکریاتی جہات'' بھارگو پریس، الہ آباد، ۲۰۱۵ء ص ۱۳۵

۶۔ ڈاکٹر صادقہ نواب سحر کی غزل گوئی، مشمولہ ''صادقہ نواب سحر شاعری کے تناظر میں'' مرتب حبیب النساء بیگم سید یوسف علی، روشن پرنٹرس، دہلی، ۲۰۱۸ء، ص ۴۶

۷۔ ڈاکٹر انیل کمار ویشو کرمہ، مضمون ''عدم گونڈوی کے کاویہ میں ساماجک عصمیتا کا پرشن'' شش ماہی ای رسالہ ''اپنی ماٹی'' راجستھان چیتوڑ گڑھ، شمارہ:۲۶، اکتوبر ۲۰۱۷ء تا مارچ ۲۰۱۸ء

۸۔ شجاع خاور، مضمون ''شاعر کے قلم سے'' مشمولہ شعری مجموعہ ''اللہ ہو'' چمن انٹر پرائزز پٹودی ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ص ۷

۹۔ وہاب اشرفی، تاریخ ادبِ اردو، جلد سوم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ص ۱۷۹۸

۱۰۔ https://www.taemeernews.com/2017/05/Common-India-Culture-inUrdu-Nazm-after-1960.html?m=1

۱۱۔ https://m.facebook.com/urduclasikshairi/posts/1747618112055969

۱۲۔ وہاب اشرفی، تاریخِ ادبِ اردو، جلد سوم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ص۱۷۹۳۔۱۷۹۲

۱۳۔ ریاض لطیف، شعری مجموعہ ''ہندسہ بے خواب راتوں کا'' سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۰۶ء ص ۱۰

۱۴۔ ریاض لطیف، شعری مجموعہ ''ہندسہ بے خواب راتوں کا'' سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۰۶ء ص ۱۴

۱۵۔ ناہیدہ سلطانہ، علی ظہیر: شخص اور شاعر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۴، ص ۴۵

۱۶۔ http://www.jahan-e-urdu.com/nida-faazli-a-great-urdu-poet-author-md-taqi/

باب سوم

جینت پرمار: دلت شعور اور اس کے محرکات

دلت ادب لطف ،فرحت اور انبساط کا ادب نہیں ہے۔دلت ادب صدیوں سے دبے کچلے، پامال اور تاراج کئے گئے اچھوتوں کی نفرت،غم وغصہ اور چبھن والالی جذبات و احساسات کولفظوں کا جامہ پہنا تا ہے۔دلت ادب کو سمجھنا ایک مشکل اور پیچیدہ عمل ہے۔اس کا شعور ہندوستانی تاریخ کا روح رواں ہے۔دلت شعور کو مدِنظر رکھتے ہوئے اگر ہندوستانی مورخین پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی مورخ نے (ڈاکٹر بی۔آر۔مبیڈکر کے سوا)اس کی قدر و قیمت کا جائزہ نہیں لیا، بلکہ اسے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ تاریخی صفحات کا حصہ بن سکے،آج دلت ادب کی تعریف وتاریخ دیگر ہندوستانی زبانوں وادب میں موضوعِ بحث ہے۔کوئی کہتا ہے دلت ادب ادبِ عالیہ سے الگ ہےتو کوئی کہتا ہے دلت ادب صرف دلت ہی لکھ سکتا ہے،تو کسی کا نظریۂ نقد ہے کہ دلت ادب صرف دلت ہی نہیں بلکہ غیر دلت بھی قلم بند کر سکتے ہیں۔یہ ایک ادبی وتاریخی بحث ہے، جوادبی زندگی کے تمام مرحلوں (اصناف ادب وسخن) سے دوچار ہے۔اسی طرح ادب میں دلت ادب کی ماہیت موضوع بحث ہے چنانچہ جب کوئی غلام قوم آزاد فضاء میں اپنی بصیرتوں کا پرواز کرتی ہےتو یقیناً اپنی ذاتی احساسات وتجربات کو حقیقی رنگ وآہنگ کا پیکر عطا کرتی ہے۔احساس و تجربات کی پیش کس کا یہ ردعمل آج دلت ادب میں بذات خود تلاش کیا جاسکتا ہے۔آج مراٹھی و ہندی نے اس میدان کو مزید توسیع دی ہے۔مراٹھی دلت ادب آج تیزی سے جہاں ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر کی تحریک سے ردعمل میں آیا ہے وہی ہندی دلت ادب بھی اس تحریک وتدوین سے اچھوتا نہ رہا،لیکن ڈاکٹر امبیڈکر سے پہلے بھی بہت سے صوفی سنتوں نے اس کا ہیولہ کرنے میں اہم کرادرادا کیا ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

1960ء کے بعد سے دلت ادب کی تخلیقات کو لے کر چرچا چلتی آ رہی ہے۔مراٹھی و ہندی دلت ادب جہاں دلتوں کی سماجی ،تاریخی ،اقتصادیاتی ،فلسفیانہ اور تہذیب وتمدن کو بڑے ہی عالمانہ ومفکرانہ لب ولہجہ میں پیش کیا، برخلاف اس کے اردوادب اس انقلابی مہم سے روشناس بہت کم ہوسکا۔اس کے پیچھے وجہ یہ ہے کہ اردو میں دلت سماج کے بہت کم یا یوں کہیے کہ نہیں کے برابر ادیب ہیں اور دوسرے یہ کہ دلت سماج کے ادیب اردو زبان میں زیادہ دلچسپی نہیں دکھاتے اور نہ ہی بہ نسبت مراٹھی، ہندی اور دوسری زبانوں کے بہت زیادہ متحرک ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ تبدیلی قدرت کا قانون ہےاور یہ تبدیلی ہمیں اردوادب میں دلت شاعر جینت پرمار کی شکل میں دیکھنے کوملتی ہے۔جینت پرمار ذاتی طور پر دلت ہے لیکن موضوع کے اعتبار سے انھوں نے دلت تصور کے ساتھ دیگر موضوع کو بھی لفظی جامہ پہنایا ہے،البتہ ان کا نظریۂ عمل دلت مسائل کی ماہیت قوی ومستحکم ہے جس کا کسی بھی قیمت پر اس تصور سے علیحدگی غیرممکن ہے۔اردوشاعری کی بات جب بھی ہوگی جینت پرمار کا نام ضرور لیا جائے گا۔دلت ادب اپنے طرزِفکر، باریک بینی، دوراندیشی وظلم و جبر کے خلاف لڑنے کی ایک انقلابی مہم ہے جس کا مقصد آزادئ فضا کو وہ مقام فراہم کرنا ،جس میں ہر انسان کو برابری کا حق ملے اوراس کی عزت وشہرت اور بصیرتوں کوقدرومنزلت کونظر سے دیکھا اور سمجھا جائے دلت ادب اسی کا نام ہے ۔بقول کنول بھارتی:

> ''معاشرتی شعبہ میں دلت سماج ذات پات،ادنیٰ واعلیٰ اور چھوا چھات کا شکار رہا ہے ۔اس نے بے پناہ علیحدہ گی کا درد جھیلا ہے،، صدیوں کی غلامی کا درد سہا ہےاور انتشار کا مقابلہ کیا ہےاور ناانصافی کا دکھ سہن کیا ہے۔اسی لیے دلت ادب ذات پات ادنیٰ واعلیٰ اور چھوا چھوت کا مخالف ہے، وہ علیحدگی کا نہیں مماثلت کا طرفدار ہے، وہ ہر قسم کی غلامی و ناانصافی کو ناپسند کرتا ہے،اور آزادی انسان کا اور سماجی انصاف کا طرفداری کرتا ہے، وہ ذات اور چتروَرن کے خلاف مکمل

معاشرتی تبدیلی کی تصور کا ادب ہے۔'' ۱؎

یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ جینت پرمار اول الذکر و آخر الذکر قول کی ترجمانی اپنی شاعری میں کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے وقت دلت ادب کا تصور ہمارے ذہن کو پیدار کرتا ہے۔عملی زندگی میں ڈوبنے کی وجہ سے حقیقی معنی آفرینی کا تصور جینت پرمار کے یہاں بخوبی تلاش کیا جاسکتا ہے۔مثلاً

لفظ کاغذ یہ جو نہیں اترے
ہیں لہو میں بجھے ہوئے شعلے

شاعر ہندوستانی معاشرے کا وہ فرد ہے جس کی سماجیاتی حیثیت چتر ورن نظام کے تحت کچھ بھی نہیں ہے، وہ بحیثیت دلت معاشرے میں غیر برابری، علیحدگی، چھوا چھوت کے درد کو بذات خود سہتا و جھیلتا ہے اسی لیے اس کا نظریہ عملی پیرائے میں مضمر ہے۔اسی لیے وہ مذکورہ بالا شعر میں بغاوت کو خونی رنگ و آہنگ عطا کرتے ہوئے یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ بے عزتی، غیر برابری اور چھوا چھوت کا درد جب تک اشعار نہ بن جائے تب تک بے معنی ہے، علاوہ ازیں اپنی قدر اور قیمت و حقوق کے لیے بغاوت نہ کرے۔قابل غور ہے کہ انسانوں کا ایسا معاشرہ جس کو تاریخ آفاقی حیثیت رکھتی ہے۔اسے حیوانوں سے بھی بدتر زندگی جینے پر مجبور کردیا گیا۔جنہیں آج دلت کہتے ہیں۔بقول ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر :

''شودروں علاوہ ہندو تہذیب و تمدن نے تین اور طبقوں کو جنم دیا، اس کے علاوہ کسی اور طبقے کی وجود کی سمت کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی، یہ طبقات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جرائم پیشہ ور قبیلے، جن کی تعداد تقریباً دو کرور ڑ ہے۔
۲۔قبائلی ذاتیاں، جس کی تعداد تقریباً ایک سو پچاس کروڑ ہے۔
۳۔اچھوت، جن کی تعداد تقریباً پانچ کروڑ ہے۔

ان طبقوں کا وجود ایک Disfigurement ہے۔ان سماجی طبقوں کے پس منظر میں اگر ہندو سماج کو تولا جائے تو اسے کوئی مہذب سماج نہیں کہہ سکتا انسانیت پر اانتہائی ظلم و بربریت اور نیست و نابود کرنے کا

یہ ایک حیوانیت کا عملی کارنامہ ہے۔اس کا نام توDisfigurement ہونا
چاہیے۔اس تہذیب وتمدن کواور کیا نام دیا جائے جس نے ایسے سماج کو
جنم دیا ہو، جسے اپنے جینے کھانے کے لیےظلم کرنے جیسا تسلیم کیا
جائے، ایک دیگر طبقہ کوتمدن کے نام پر Ancient Pperiod سے ہی
انتہائی ظلم و جبر کے ساتھ جینے کے لیے مجبور کیا گیا۔اور تیسرا وہ سماج
(اچھوت) ہے جس کے ساتھ حیوانوں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہو،جس کو
صرف چھونے سے ہی ناپاکی کاالزام عائد ہوجائے۔'' ۲

درج بالاقول کی روشنی میں جینت پرمار کی شاعری تاریخی صفحات کےان تمام واقعات کوعیاں کرتی ہے جس کا راز فاش نہ ہواس کے لیے چتروِرن کے حامیوں کے ذریعہ کامیاب کوششیں کی گئی ہیں۔ان کی شاعری پڑھ کر دلتوں کی غلامی کا انتشار پسند افسانۂ حیات سامنے آتا ہے۔دلت تصور کا جدو جہد کی تاریخ کو جاننالازم ہے کیوں کہ اس تاریخی ردعمل کونظر ثانی کئے بغیر اس پرادبی حوالے سے مزید بحث کرنا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ادب اور زندگی کا رشتہ ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح زندگی کا تعلق پانی سے ہےلیکن ہر زندگی کسی نہ کسی معاشرہ میں نشو ونما ہوتی ہےاسی لئے ادب اور زندگی کے باہمی تعلقات زیر بحث لانے کے لئے اس سماج کی تاریخی اہمیت وافادیت جاننا ناگریز ہے۔اس لیے مزید کہنا یہ ہوگا کہ جینت پرمار کی شاعری چونکہ دلت مدّے سے تعلق رکھتی ہےاس لیے دلتوں کی حالات زندگی ہندوستانی تاریخ میں تلاش کرنا ہی ہوگا، اس سے ایک بات نکل کر سامنے آئے گی کہ دلت ادب صرف دلت ہی کیوں لکھ سکتا ہے جو آج موضوع بحث ہے۔

ہندوستانی سماج کو سمجھنا بڑی مشکل کام ہے۔اس کے گوشے گوشے میں نظر ثانی کیے بغیر اس کو سمجھنا ناممکن سا لگتا ہے۔شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک جمادات نباتات کی مختلف قسمیں اور دریاؤں کا بے شمار منبع اور اس کی روانی دیکھنے کوملتی ہے۔زندگی کی نغمہ سرائی کرتی ہوئی یہاں کی ندیوں نے ہندوستانی تہذیب وتمدن کے نشو ونما میں اہم کردار ادا کیا ہے جو تاریخی صفحات میں درج ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے پانچ بڑے تہذیب وتمدنوں میں ہندوستان کی موہن جودڑو، ہڑپّا سرفہرست ہے۔اس کی زندہ وجاوید افسانۂ حیات کو بلند آیام دینے کے لیے یہاں کے مقامی لوگوں نے اس چمن کی باغبانی اپنے خون پسینے سے کی ہے۔مگر وقت کے غیر صحت مند حالات نے ان کا ساتھ نہ دیا اور آخر کار وہ آریوں کے ذریعہ غلام بنالیے گئے جنہیں حیوانوں سے بھی بدتر زندگی جینے پر مجبور کردیا گیا اور انہیں غلام ہی رہنے دینے کے لیے ظلم وجبر کا شدید نظام ان پر عائد کیا گیا۔اور نہیں وقتاً فوقتاً غلام بنائے رکھنے کی کامیاب کوششیں کی گئیں۔

تاریخ، جغرافیہ، سیاست اور فلسفہ ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ایک کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے دوسرے کی معنویت کو سمجھنا لازم ہے لیکن جہاں تک ہندوستانی دلت تاریخ کو سمجھنے کی بات ہے اس کے لئے آریائی تاریخ جاننا نہایت ہی ناگزیر ہے۔ڈاکٹر وجے کمار تریشرن اپنی کتاب ''پرُشہ شکتہ'' میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں غیر ملکی آریوں کا حملہ 1500ء قبل مسیح ہوا، تاریخ Archilogical اور Genetic Research رپورٹ 2011ء کے مطابق آئیوں کا خاص مقام دریائے بول گنگا کا قبائلی علاقہ Black Sea تھا۔یہاں سے آریہ زندگی گزارنے زاویے سے رزق وچاراگاہ کی تلاش کرتے ہوئے ایران اور عراق آئے یہاں بھی کچھ وقت گزارنے کے بعد ایک گروہ یونان چلا گیا اور دوسرا گروہ افغانستان کے ہندوکش دروں سے کوش کرتے ہوئے ہندوستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔ہندوستان میں سب سے پہلے آریہ وادی سندھ کے لوگوں کے قربت میں آئے۔

2011ء میں Genetic Research رپورٹ نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان میں حملہ وروں کی شکل میں آئے تھے اور سب سے پہلے تمدن ہڑپہ (موہن جودڑو اور ہڑپہ) اور ہمالیہ کے قبائلی لوگوں سے جنگ لڑی اور ایک طویل عرصے تک جدوجہد کا یہ سلسلہ آریوں اور یہاں کے مقامی لوگوں کے دریان چلتا رہا، آخر کار آریوں نے اپنے حکمت عملی سے یہں کے تہذیب وتمدن کو تباہ وبرباد کر اپنا تسلط قائم کیا اور یہی سے مقامی لوگوں کو غلام بنانے کا آریائی سیاسی رنگ وآہنگ پروان چڑھا مگر یہ قولی نظام نہ ہو کر قلمی نظام کا مرقع بنا جس کا ربط وضبط ویدوں سے ہی ملنا شرع ہوجاتا ہے۔

آریوں نے چار ویدوں کو قلم بند کیا۔جس میں سب سے پرانا رگ وید ہے ۔ اس وید میں

1017 رچائیں یا سُکتہ اور 10600 منتر ہیں، اس کے بعد یجورویداور سام وید کا نمبر آتا ہے۔ اتھروویدسب سے آخر میں لکھا گیا۔ اس وید میں 7300 سُکتہ اور 6000 منتر ہیں جس میں سے 1200 منتر رگ وید سے لیے گئے ہیں۔ لیکن ہمارا مقصد رگ وید کے دسویں ادھیائے پُرشہ سُکت سے ہے۔ اسی منڈل یعنی Chapter چتر ورن نظام کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا انیسواں منتر ہندوستانی سماج کو چار طبقوں میں تقسیم کیا۔ اور اسے خدائی و نارسائی بتا کر تبلیغ کیا گیا، لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس تقسیم کے تحت چتر ورن کا جتنا بھی نظام عمل میں آیا سب میں برہمن کو فوقیت حاصل رہی اور شودر کمتر وادنیٰ قرار دیئے گئے۔

مثلاً:

برہمن موسیہ مُکھ ماسیت واہو راجنیہ کرت

ब्राहम्णमोस्य मुखमासित वाहु राजन्य कृत

اُرو تدَسیہ یَد ویشیہ شودر پَدابھیاس اَجائت

उरू तदस्य यद् वैश्य शूद्रो पदाभ्यास अजायत

اس منتر کا مطلب یہ ہوا کہ برہمن برہما کے منہ سے، کشتری بازو سے، وشیہ پیٹ سے اور شودر اس کے پیر سے پیدا ہوئے۔ آج ہندوستانی سماج میں جو غیر برابری ہے اس کا منبع ومصدر رگ وید کا یہی منتر ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر برہمن منہ، کشتری بازو، ویشہ پیٹ اور شودر پیر سے پیدا ہوئے ہیں تو آج یہ لوگ منہ، بازو، پیٹ اور پیر سے کیوں نہیں پیدا ہو رہے ہیں۔ جو نظام وفکر سائنس کو بھی از سرے سے ہی خارج کرتا ہو تو ایسا نظام باطل کے سواحق کسی بھی قیمت پر نہیں ہوسکتا ہے واضح ہے کہ طبقاتی نقطۂ نظر صرف ایک کو دوسرے سے اعلیٰ دکھانے کے نظریے ہی سے عمل میں لایا گیا اس طرح انسانیت کو ذیل کرنے والا وید کبھی مفید بخش نہیں ہوسکتا۔ ویدوں کے بارے میں گوتم بدھ کا قول مندرجہ ذیل پیش ہے۔

''وید اَپرمانیت، اَنیشور کریت، کاٹیہ اور پَورُشیہ ''

वेद अप्रमाणित अनीश्वरकृत काट्य और पौरूषेय

پروش سوکت کے بارے میں ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر کہتے ہیں کہ پروش سوکت میں صرف دنیا کے

پیدا ہونے کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ۱۱اور ۱۲ منتر میں کچھ خاصیت بھی ہے۔ خصوصاً تو یہ منتر یہی بتا تا ہے کہ ایشور نے برہمن، کشتری، ویشہ اور شودر کو اپنے ہی خاک سے بنایا ہے، البتہ اپنے سے تو کوئی ہرج معلوم نہیں ہوتا لیکن معاشرے نے اس کا مطلب ان کے معنی سے نہیں نکلتا جب کہ ان کے معنی سے یہی مطلب بر آمد کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ پروش سوکت کے تخلیق کار کا یہی نظریہ عمل رہا ہو، ور ۱۳ منتر ایشور کا حکم بھی مانا گیا ہے۔ اور ان کا تصور ہے کہ سماج کا نظام اسی طرح کا ہونا چاہیے۔ یہ نظام چتُر ورن کے نام سے مشہور و معروف ہے اسے مثالی مانا گیا اسی لیے ابتدائی آریائی سماج اسی خاکے میں ڈھل گی۔ یہ نظام صحت مند سماجی زندگی کے لیے بیمار شکل اختیار کیا اور اس کے خلاف سوائے گوتم بد کے کسی نے آواز بلند نہیں کی۔ بقول ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر:

''जो समाज व्यवस्था पुरूषसूक्त के कारण उसके खिलाफ सिवाय गौमम बौद्व के किसी ने आवाज नही उठाई । बुद्व को भी सफलता नही प्राप्त हुई क्योंकि बुद्व धर्म के समय में तथा उसके ह्रास के पश्चात बहुत से हिन्दूशास्त्रकारों ने पुरूषसूक्त का केवल प्रचार ही नहीं किया अपितु उसका विस्तार भी किया ।''

''جو سماج ویوستھا پروش سوکت کے کارن اس کے خلاف سوا
گوتم بودھ کے کسی نے آواز نہیں اُٹھائی۔ بودھ کو بھی سپھلتا نہیں پراپت
ہوئی کیوں کہ بودھ دھرم کے سمے میں تتھا اس کے ہراس کے پشچات
بہت سے ہندو شاستر کاروں نے پروش سوکت کا کیول پرچار ہی نہیں کیا
اَپتو اس کا ویستار بھی کیا۔'' [۳]

غور طلب بات یہ ہے کہ چتر ورن نظام کا کچھ خاکہ اس کے تخلیق سے قبل ہی ملتا ہے مگر ایک سازش کے تحت ایشور یہ حکم و دِبہ بانی کا نام دے کر چالاکی سے رگ عید میں مشتمل کیا گیا اور اسے کبھی نہ ختم ہونے والا

قانون بنا دیا گیا۔

اگر چہ رگ وید آرائیتسلط کا تخلیقی و عملی پیرایہ ہے۔ ورنہ جہں پروش سوکت میں دنیا کی پیدائش کو پُروش سے بتایا گیا ہے تو اس کے برخلاف رک وید کے ۲۷ منتر میں دنیا کی پیدائش کو صفر سے تسلیم کیا گیا لیکن ردوید کے جگہ دنیا کی پیدائش آتش سے مانا گیا ہے لیکن اپنے اختلاف کے باوجود ایک اور اختلاف رگ وید کے ۱۲۔۱۴۔۱۔۶ میں رِشیوں نے انسان کی پیدائش کو ''منوٗ'' سے مانا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ایتر یے برہمن (ऐतरेय ब्राहमण)، وشنو پران (विशणु पुराण) اور متَسیہ پران (मत्स्य पुराण) میں منوٗ کی پیدائش کو برہما سے تسلیم کیا گیا ہے۔ اب غور کریں اگر منو برہما سے پیدا ہوا ہے تو اس کے پہلے والے سوکت میں منوٗ کو پہلا یعنی دنیا کو پیدا کرنے والا کیوں کہا گیا؟ یہ کیوں بتایا گیا کہ برہمن کشتری، وشیہ اور شودر پروش صفر یا آتش سے پیدا ہوئے آ کر کس بات کو تسلیم کیا جائے؟۔ یہ بہت بڑا سوال ہے۔ اس کی وضاحت سے صرت یہ بات نکل کر سامنے آتی ہے کہ رگ وید کا دسواں منڈل بعد میں سازش کے تحت شامل کیا گیا جس سے شودر اور اَتی شودروں کو غلام بنا کر انہیں ہمیشہ کے لئے استعمال کیا جا سکے۔ ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر اپنی کتاب ''شودر کی کھوج''، میں لکھتے ہیں:

> '' Idealism کا تصور اچھا اور ناگزیر ہے، کوئی شخص یا معاشرہ بِنا اس کے ترقی نہیں کر سکتا، لیکن وقت اور حالات کے مطابق تبدیلی ہونا چاہیے، یہ تبدیلی تب ممکن ہے جب مذہبی تنظیمیں کے پیچھے نشو ونما نہ ہو۔ پروش سوکت (पुरूष सुक्त) نے چتُر ورن کو دینی حکومت اور خدائی فرمان کا نام دیا ہے۔ پروش سوکت نے چتر ورن کو ایسا کیوں بنا دیا جس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہ ہو سکے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کی غلطی بتائی جا سکے۔ سماجی نقطۂ نظر سے یہ پہلا معمہ ہے۔

ڈاکٹر امبیڈکر پروش سوکت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''چتُر ورن کے گروز میں پروش سوکت نے دوہرا کھیل حقیقی حالات کو Idealform میں پیست کر دیا۔ اور Ideal کو حقیقت کا جامہ

پہنا دیا۔ اس سے Ideal اور حقیقت میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔ یہ سیاسی فریب اور مکاری نہیں تو اور کیا ہے ؟۔اس سوکت نے چتر ورن کو خدائی حکم بتا کر بہت بڑی غلطی کی، کیوں کہ اس نظام میں کسی بھی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی کوئی ترقی کی جاسکتی ہے۔اس نے ہمیشہ کے لئے ایک ذات کے ساتھ فائدہ اور دوسری ذات کے ساتھ نا انصافی کی داغ بیل ڈالی۔ایسا کیوں ہوا؟۔یہ دوسرا معمہ ہے۔'' ۴

اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے غلامی کو اور گنجلک بنانے کے لئے طبقات کو ایشور یہ اجزاء سے بنا بتایا ہے تا کہ لوگ اسے ایشور کا حکم یا فرمان سمجھیں اور اس کے برخلاف کبھی آواز بلند نہ کرسکیں۔ڈاکٹر امبیڈکر اس روشنی میں لکھتے ہیں:

''پروش سوکت کے تخلیق کار نے طبقوں کا منبع ایشور سے تسلیم کیا ہے۔اتفاق سے اجزاء کی خوبی کو طبقوں کی خوبی سے Corelate کیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ عزت کا سلسلہ بھی کم ہوتا گیا ہے۔منہ انسانی جسم کا سب سے اعلیٰ حصہ ہے وہ سب سے زیادہ عزت کا حقدار ہے اس کو سب سے بڑا کام یعنی درس وتدریس کا دیا گیا۔منو سے کم بانہہ (بھوجا) یعنی کشتری کو رزم کا کام دیا گیا۔ ویشہ پیٹ سے پیدا ہوا ہے اسے تجارت کا کام دیا گی جو جنگ بازی سے کمتر ہے۔ پیر جسم کا ادنیٰ حصہ ہے چنانچہ شودر پیر سے پیدا ہوا اس لئے اس کو سب سے ذیلی اور بد سے بدتر کام دیا گیا۔ پروش سوکت نے جسم کو مثال کیوں بنایا؟ کوئی دوسرا مثال کیوں نہیں لیا۔'' ۵

متذکرہ بالا اقتباس اس بات کی شدید گواہی پیش کرتا ہے کہ شودروں کو ذیلی مقام عطا کرنے کے لئے اور خود کو اعلیٰ مقام اور اس کے عیش وعشرت کا استفادہ کرنے کے لئے اعلیٰ طبقہ یعنی آریوں نے کیا کیا سازشیں بنائی۔ان کے نظام میں مستقبل میں کوئی تبدیلی نہ ہو پائے اس لئے غور وفکر کے گھوڑے ہر طرف ڈوڑائے

لیکن ان کی غلطیاں ان کے پورے آریائی نظام کو برہنہ کرتی ہیں۔آریوں کی مذہبی کتابوں میں دنیا کو علیحدہ طریقوں سے پیدا بتایا گیا ہے۔اس کے ساتھ دوسرا سب سے بڑا فرق تب سامنے آتا ہے جب رگ وید مختلف یا الگ الگ طریقوں سے وجود میں آیا۔ڈاکٹر بی۔آر امبیڈکر اپنی ''اچھوت کون اور کیسے'' میں اس بارے میں مزید رائے دیتے ہیں۔کہتے ہیں کہ چھندوگیے اپنشد (छन्दोग्य उपनिषद) میں لکھا ہے کہ پرجاپتی (کمہار) نے برہمانڈ (کائنات) کو گرم کیا تب زمین سے آتش، جھونکہ سے ہوااور آسمان سے شمس پھرانہیں گرم کرکے آتش سے رک وید، ہوا سے یجروید، اورسورج سے سام وید نکلا۔ٹھیک اس کے برخلاف وشنو پران (विष्णु पुराण) برہما کے منہ سے رگ وید، جنوبی منہ سے یجر وید اور اتھر وید شمالی منہ سے نکلا۔اور ہری ونش پران (हरिवंश पुराण) میں ویدوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایشور نے رگ وید اور یجر وید کو اپنی آنکھوں سے بنایا، سام کو زبان سے اوراتھر وکو دماغ سے بنایا۔

اس طرح ویدوں کی پیدائش کے بارے میں بھی ہندوؤں کی الگ الگ مذہبی کتابوں میں مختلف نقطۂ نظر ہے۔جسے عقلی یا منطقی بنا پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔اپنے مذہبی کارکردگی کو اور مزید گنجلک بنانے کے لئے آریوں کا سیاسی منصوبہ اس عمل کو درآمد کیا اور بعد میں شودروں کو تعلیم یافتہ نہ ہونے دینے کے لئے سخت قانون نافذ کیا۔آگے چل کر منو نے منواسمرتی (मनुस्मृति) تخلیق کی جس میں دلتوں کو ہمیشہ کے لئے غلام رہنے کا قانون بنایا۔برہمنوں کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ برہمن کی عظمت ہمہ گیر ہے اس کے ذیل میں سب ہیں۔مثلاً

اُتمّانگودبھوجّوشٹھیاد برہماشچیو دھارنات

उत्तमांगोद्भज्जौष्ठयाद् ब्रहमाश्चैव धारणात।

سَروسوواستھ سرگسیہ دھماتو براہمنیہ پربھویہ

सर्वस्ववास्थ सर्गस्य धमातो ब्राहम्णः प्रभुः।।

اس کا مطلب یہ کہ جسم کا سب سے اعلیٰ حصہ یعنی منہ سے پیدا ہونے اور ویدوں کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے برہمن پوری دنیا کا سوامی یا مالک ہے۔

علاوہ ازیں لوگوں کے روحوں پر اپنے عیش ونشاط کے لئے مندرجہ ذیل قول وفعل نافذ کیا۔منو نے

برہمنوں کے حقوق کے لئے لکھا:

اَدھیاپن مدھیہ یَنن یَلنن یاجنن تتھا

अध्यापनमध्ययनं यलनं याजनं तथा।

دانن پرتی گرہنن چیو براہمنانامکلپیت

दानं प्रतिग्रहं चैव ब्राहमणानामकल्पयत।।

منوسمریتی(मनुस्मृति)- 1.88

یعنی برہمنوں کا کام صرف ویدوں کی درس وتدریس، پوجا پاٹھ، یگیہ کرنا اور کرانا، دکشِنا، بھیک وخیرات لینا ہے۔ منّو نے کشتری کے حقوق کے لئے لکھا کہ:

پرجیانا رکشنن دان بھجیادھیئن میو

प्रजाना रक्षणं दानभिज्याध्ययनमेव।

ویشیشو پرشکتی شچ کشتریہ ستھ سمامت

विषयेष्वप्रशक्तिश्च क्षत्रियस्थ समामतः।।

منوسمریتی(मनुस्मृति)- 1.89

مطلب یہ کہ کشتری کو ملک کی حفاظت کرنا، جنگ لڑنا، دکشِنا و دان، خیرات دینا، یگیہ کروانا، وید پڑھنا لیکن اس میں عالم نہ ہونا مقرر کیا گیا۔ ویشوں کے لیے بھی مندرجہ ذیل حقوق کئے گئے۔

پشونان رکشنن دان بھجیادھیئن میو چہ

पशुनां रक्षणं दानभिज्याध्ययनमेव च।

ونی جیئن چہ کُسیدن چہ ویشیہ سیہ کریشی میوچ

वणिज्यं च कुसीदं च वैश्यस्य कृषिमेवच।।

منوسمریتی(मनुस्मृति)- 1.90

مطلب۔ ویشیوں کے چاہئے کہ تجارت کریں۔ جانوروں کو پالیں ساتھ ہی ویدوں کا علم بھی حاصل کریں اور سُود و بیاج روپیہ دیں اور کھیتی کا کام انجام دیں۔ اس طرح منّو نے تینوں طبقے کے لئے باعزت

کام کرنے اور زندگی گزارنے کے لئے اعلیٰ و بہتر کاموں کا نافذ کیا مگر اس کے برخلاف شودروں کو حیوانوں سے بھی بدتر زندگی جینے کے لئے مجبور کر دیا۔ منؔو لکھتا ہے:

ایک میو تو شودرسیہ پربھویہ کرم سمادیشات

एकमेव तु शुद्रस्य प्रभू: कर्म समादिशत।

یتشامیو ورشنان شوشروشامن سُوئیا

एतेषामेव वर्षानां शुश्रूषामन सूयया।।

منوسمریتی (मनुस्मृति) - 1.91

درج بالا اشلوک میں لکھا ہے کہ شودروں کو بغیر مزدوری لیے حمد وثنا یا قصیدہ خوانی کرتے ہوئے اپنے سے اعلیٰ طبقوں کی خدمت کرنی ہے۔ لیکن منؔو ان تمام باتوں سے بھی مطمئن نہیں ہوا، اس کا غصہ اس کے رگ و ید میں مضمر تھا۔ جس میں جانب داری کا ردعمل اس قدر غالب تھا جس کے بیخ کو اکھاڑ پھینکنا غیر معمولی کام ہے لہٰذا اس نے شودروں کے لئے مندرجہ ذیل قانون نافذ کئے۔

نہ شودرایہ متین ددھاننے چچھشٹن نہ ہویشکریتم

न शूद्राय मतिं दद्यान्नेच्छिष्टं न हविष्कृतम।

نہ چاسیوپاہشے دربھ نہ چاسیہ ورت مادِشیت

न चास्योपहिशेद्धर्भ न चास्य व्रतमादिशेत्।।

منوسمریتی (मनुस्मृति) - 4.8

مطلب یہ کہ شودروں کو علم وفضل سے محروم رہنا چاہئے۔ اسے خراب چیزیں دیں، ہَوی کا بچا ہوا حصہ ہی دیں۔ اور نہ ہی اسے مذہبی فضیلتوں کا عمل درآمد کرنے دیں علاوہ ازیں برت (Fast) بھی کرنے نہ دیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ منؔو نے شودروں کے لئے ممانعت کیوں لازمی قرار دیا۔ مجھے جہاں تک لگتا ہے کہ اگر کسی انسان کو ہمیشہ کے لیے غلام بنانا ہے تو اس کے تہذیب وتمدن کو برباد اور انسانی بصیرتوں کا قتل کر دیا جائے یا اس میں رونما ہونے والی روشنی کے ہر دروازے میں قفل لگا دیا جائے اور منؔو نے اس اشلوک میں اپنی ادنیٰ فکر اور انتہائی چشم بصیرت کا داغدار نمونہ پیش کیا ہے۔

نہ   شودر   راجیٔ   نیوسینادھارمیک جناورتے

न   शूद्र   राज्ये   निवसेन्नाधार्मिकजनावृते।

نہ   پاشپڈڑاکانتے،   نوپسریشٹےتّیہ   جےرنریمیہ

न पाषिड्गाकान्ते, नोपसृष्टेत्तय जैर्नृमि

منوسمریتی(मनुस्मृति)- 4-61

مطلب۔ جہاں شودروں کی حکومت ہو وہاں نہ رہیں، کافروں کے احاطے میں نہ رہیں پاشنڈ گنو(पाषण्डगणों) سے دورر ہیں اور اَنت یَج (अन्तयज) لوگوں سے بھی فاصلہ بنائے رکھیں۔

چھوا چھوت (Untouchbility) ایک Psyiogical لفظیات ہے برہمنوں نے اس طرز عمل کو نافز کرنے کے ساتھ ہیں مفکرانہ دانشوری طرز فکر کو بھی متاثر ہی نہیں کیا بلکہ اس کے ممانعت ونست و نابود کے لئے مندرجہ ذیل اشلوک تخلیق کیا۔

دھرموپدیشن   درپرین   ویپرانامیہ   دھورتیہ

धर्मोपदेशं   दर्प्रेण   विप्राणमय   धुर्वतः।

تپت ماسےچمے نتیٔلن   وقتے   سروترے   چہ   پارتھیو

तप्तमासेचमेन्तैलं   वक्ते   श्रोते   च   पार्थिवः।।

منوسمریتی(मनुस्मृति)- 8.272

درج بالا اشلوک کا مطلب یہ کہ اگر شودر برہمنوں کو روحانی ہدایات ونصیحت دے یا ادھیاتمک اُدیش سنے تو اس کے منہ اور کان میں سیسہ بگھلا کر ڈال دیا جائے۔ یہ کتنا حیوانیت کا کام ہے اور Spiritual Instruction یہ منواسمرتی کا ہے جسے مذہب کہا گیا اور یہی ہندوؤں کی شعوری کوشش بھی رہی جس نے دلتوں کو ہزاروں سال تک علم حاصل کرنے سے محروم رکھا۔ اس کے وجوہات بالخصوص یہ ہے کہ دلت اگر پڑھنے لگے تو ہماری کتابیات کا مطالعہ اور درس وتدریس ذہنی ومنطقی بنا پر کرنے لگیں گے جس کا انجام بغاوت ہوگا۔ اور برہمن وادی نظام خطرے میں پڑ جائے گا اس لئے سختی اس حد تک ضروری ہے کہا اگر ایک کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا گیا تو باقی اس کے خلاف جرأت بھی نہ کر سکیں گے۔

منوؔ نے برہمنوں کو بیدار کرانے کے ساتھ بادشاہوں کو بھی اس بات سے روشناس کرایا کہ بادشاہ کو چاہیے کہ شودروں کو اپنے قبضے میں رکھیں۔ان کے کسی بھی ایسے حرکات وسکنات جوان کو ترقی یافتہ بنا سکے۔اس کو نیست ونابود کر دیا جائے۔ایک مثال اس بات کی مزید تصدیق کرتا ہے۔

شودرن تو کارئے دداسئن کریت مکریت میو وا

शुद्रं तु कारयेददास्यं कीत मक्रीतमेव वा ।

داسیایَو ہی سرِشٹو سو براہمنسیہ سویئن بھووا

दास्यायैव हि सृष्टो सौ ब्राहम्णस्य स्वयंभुवा।।

منوسمریتی (मनुस्मृति)- 8--413

یعنی شودر بھلے ہی خریدا گیا ہو یا نہ بھی خریدا گیا ہو، راجا کو چاہے کہ اس سے غلامی کروائے کیوں کہ برہما نے اس کو برہمنوں کی خدمت کرنے کے لئے ہیں مقرر کیا ہے۔دلت ہمیشہ کے لئے غریبی کی زندگی گزارے کیوں کہ اور مالدار ہونے پر ترقی کے مرحلے کو طے کرنے کے لئے مدعو ہوں گے، منوؔ لکھتا ہے کہ:

وِسرشدھن براہمنیہ شودرادودر ویئوپدان ماچریت

विस्रब्धं ब्राहमणः शूद्रादूद्र व्योपादान माचरेत।

نہی تسیاسیت کچِتسون بھرتریہاریہ دھونوہی سیہ

नहि तस्यासित किचित्स्वं भर्तृहार्य धनोहि सः

منوسمریتی (मनुस्मृति)- 8--417

اس اشلوک کا مطلب یہ کہ اگر برہمنوں کو ناگزیر ہو تو شودروں کا مال و دولت بنا کسی پیش وپیش کے لے سکتا ہے۔کیوں کہ اس کی دولت اس کی ہو ہی نہیں سکتی۔اس کا سب مال واسباب برہمن کا ہے۔

اس طرح منوادیوں نے دلتوں کو انسانی احاطے سے علیحدہ تسلیم کیا ہے۔اس بارے میں منوؔ تخلیق کرتا ہے کہ:

اُچّھشٹ مسرن داتوئن جینانی وسنانی

उच्छिष्टमश्रं दातव्यं जीणानि वसनानि

پُولاکاشچیۓ چ دھانیانان جیرن شچیٔیو پرِچھدایہ

पुलाकाश्चैच धन्यानां जीर्णाश्चैव परिच्छदाः।।

منوسمریتی (मनुस्मृति) - 10--125

دلتوں کے ساتھ ہندو حیوانوں کی طرح پیش آئے ان کے ساتھ ایسی ناانصافی کی جس سے انسانیت بھی پناہ مانگتی ہے جیسا اس اشلوک میں ہے کہ شودروں کو جوٹھن کھانے کے لئے دیا جائے پرانے اور پھٹے کپڑے پہننے کے لئے اور خراب سامان دیئے جائیں علاوہ ازیں شودروں کو مال و دولت جمع نہیں کرنا چاہئے ایک مثال پیش ہے۔

شؤتے ناپی ہی شودرن نہ کاریوں دھن سنچیۓ

शवतेनापि हि शूद्रण न कार्यों धन संचय।

شودروہی دھنماسادھ براہمنانوواد ھتے

शूद्रोहि धनमासाध ब्राहमणानववाधते।।

منوسمریتی (मनुस्मृति) - 10--121

مطلب اشلوک کا یہ کہ منوؔ کے مطابق شودروں کو دولت جمع نہیں کرنی چاہئے کیوں کہ غریب شودر مالدار ہونے پر برہمنوں سے بغاوت کرتے ہیں یا شودروں کو غربت میں اسیر کرنے کا ادنیٰ فلسفہ ہے۔ وہ انسانی مفکرانہ طرز عمل کیا جو انسانی فلاح و بہبود کے کام نہ آئے، لیکن منوؔ نے اس خیال کی ممانعت ہی کی اور برسر اقتدار کو اپنی فلسفیانہ کائنات تسلیم کیا۔ شودروں کے بارے میں منوؔ کا تصور و طرز عمل نہایت ہی ادنیٰ و کمتر ہے۔ ناقص العقل، سطحی اور بے حیا شخصیت پوری انسانی تاریخ میں تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتی کوں کہ منوؔ ایک شخص کا نام نہیں بلکہ ایک سطحی نقطۂ نظر کا نام ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ شودروں کی غلامی کی تاریخ صرف منو اسمرتی (मनुस्मृति) میں ہی نہیں ملتی بلکہ ہندوؤں کی دیگر کتابوں میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً گوتم دھرم سوتر (गौतमधर्मसूत्र) آپستمبھ دھرم سوتر (आपस्तम्भ धर्म सूत्र)، وشنو اسمرتی (विष्णुस्मृति)، وِسشٹھ دھرم سوتر (वसिष्ठ धार्म सूत्र)، برِہسپتی دھرم سوتر (बृहस्पति धर्म सूत्र) اور ناردا سمرتی (नारदस्मृति स्मृति) میں بھی ملتی ہے۔ یہاں بتادیں کہ شودروں

کی تاریخ کا جائزہ لینا اس لئے لازم ہے کہ دلت ادب کو سمجھنے کے لئے دلت تاریخ کو بخوبی سمجھنا ہوگا۔اور یہ بتا دوں کہ آج جو لوگ اس بات کے لئے دلت ادیبوں کی مخالفت کرتے ہیں کہ دلت ادیب کہتے ہیں کہ دلت ادب کو صرف دلت ہی قلم بند کر سکتا ہے ان کو ہندو دھرم شاشتروں کا آزاد خیال ہوکر مطالعہ و مشاہدہ کرنا چاہیئے۔جس سے انہیں بھی معلوم ہو کہ ان کے دھرم شاشتروں میں شودروں کے بارے میں کیا کیا لکھا گیا ہے اور ان ادنیٰ خیالات کو عملی جامہ کیوں پہنایا گیا۔دلت سماج ہندوستانی تاریخ میں سب سے کمتر درجے کا سمجھا گیا۔اس کا ذمہ دار کوئی اور نہیں خود ہندو اور ان کا دھرم شاستر ہیں جیسا کہ آپستمبھ دھرم سوتر میں لکھا گیا ہے کہ:

''جس مکان میں شودر رہتے ہیں وہاں وید نہ پڑھیں اگر شودر
عورت کسی پر وید پڑھنے والے پر دیکھ لے تو اسے وید پڑھنا بند کر دینا
چاہیے۔'' ۶

وشسِٹھ دھرم شوتر میں لکھا گیا ہے:

'' شودر شمشان کی زمین کے مساوی ہے اس لئے اس کے سامنے
ویدوں کی تلاوت نہ کریں۔'' ۷

گوتم دھرم سوتر کے مطابق شودر کسی بھی طرح سے علم نہ حاصل کر سکیں۔اس دھرم میں کچھ اس طرح لکھا گیا ہے:

''اگر کوئی شودر شعوری طور پر ویدوں کو سُونے تو اس کے کان میں
سیسہ پگھلا کر ڈال دیں۔اگر وہ ویدوں کی پاٹھ و تلاوت کرے تو اس
کے جسم کے دو حصے کر دیئے جائیں۔'' ۸

درج بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی قوم کو ہمیشہ کے لئے غلام بنائے رکھنا ہے تو ان پر ظلم و جبر کا ایسا قانون نافذ کیا جائے جس سے وہ پھر کبھی اس نظام کے مخالفت کے حامی نہ ہو سکے۔ہندوستانی دلت تاریخ کی یہی بے رحم سچائی ہے جس کی اٹھتی ہوئی ہر صدائے بازگشت کو گرد آلود کرنے کے لئے چتروَرن پیش پیش رہا۔بقول ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر

''دنیا کے دوسرے ملکوں میں سماجی انقلاب برپا ہوئے ہیں۔
اس سوال نے مجھے مسلسل پریشان کیا کہ ہندوستان میں سماجی انقلاب کیوں نہیں آتا۔ اس کا صرف ایک جواب ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے نچلے طبقے اسی منحوس چتر ورن نظام کے تلے اتنے کچلے جا رہے کہ براہ راست ایکشن کے قابل ہی نہ رہے۔ وہ اسلحہ نہیں رکھ سکتے تھے اور بغیر ہتھیار بند ہوئے بغاوت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بدقسمتی سے ہل چلانے والے کسان رہے اور اپنے ہل کو تلوار نہ بنا سکے۔ ان کے پاس سنگینیں نہ تھیں اور جو چاہے ان کے سر پر سوار ہو سکتا تھا۔ چتر ورن نے انہیں تعلیم سے محروم رکھا اس لئے وہ اپنی راستہ جانتے تھے نہ طریقہ۔ اس لئے انہوں نے قسمت کا فیصلہ مان کر دائمی غلامی کو قبول کیا۔'' 9

دلت ادب چتر ورن کے خلاف لڑنے کی ایک بیداری وانقلابی مہم ہے۔ جو معاشرے کو آزاد فضا ہموار کرنا چاہتا ہے۔ اس کی معنویت عظیم تر کینوس پر پھیلا ہوا ہے۔ دلت بحث اسی ناہیہ سے قابل ذکر موضوع بنا ہوا ہے یہ کسی شکصی نظریے کا حامی نہیں بلکہ ایک تصور وسچا سماجیاتی فلسفہ ہے جس کی ادبی ماہیت بہ درجۂ اتم ہے۔

دلت ادب کا مقصد ہر طرح کی آزادی ہے۔ لیکن چھوا چھوت سے آزادی دلت مہم کا خاص مقصد ہے۔ چھوا چھوت سے نجات پائے بنا ایک دلت اپنے کو کبھی آزاد نہیں کہہ سکتا۔ یہ انسانیت کا نہیں بلکہ حیوانیت کا ادنیٰ فلسفہ ہے جس کا شکار دلت سماج صدیوں سے ہوتا آرہا ہے۔ آگے اس کی تاریخ کو سمجھے بنا کہ چھوا چھوت دلتوں کے ساتھ کیوں اور کب سے ہوتا آرہا ہے بحث کرنا مناسب نہ ہوگا۔ چھوا چھوت کی تاریخ نا صرف دلتوں سے تعلق رکھتی ہے، بلکہ برہمنوں کے ذریعہ اسے نافذ کرنے میں مزید رول رہا ہے۔ جدوجہد کرتی ہوئی کوئی بھی قوم جب فتح یاب ہونا چاہتی ہے تو ہر حربہ اختیار کرتی ہے۔ جس کے لئے اسے کسی بھی حد سے کیوں نہ گزرنا پڑے۔ چھوا چھوت کی شروعات گائے کا گوشت دلتوں کے کھانے و برہمنوں کے چھوڑنے سے شروع ہوا۔ چنانچہ ویدوں کے زمانے میں یگیہ میں جانوروں کی بلی وقربانی دی جاتی تھی۔ جیسے

گائے،گھوڑا،بیل،سانڈ،بھیڑ وغیرہ ہیں۔ان جانوروں کا گوشت سبھی طرح کے لوگ کھاتے تھے۔گائے کا گوشت برہمنوں کا خاص کھانا تھا سارے گوشت میں انہیں گائے کا گوشت سب سے زیادہ لذیذ لگتا تھا۔اس لئے ہندوستان کے غالباً سبھی برہمن گائے کھاتے تھے۔

یہی وجہ بھی رہی جس کے سبب یگیہ میں بطور خاص گائے کی قربانی دی جاتی تھی۔اس کے علاوہ بیل، گھوڑا، بھیڑ وسانڈ وغیرہ کا گوشت بھی برہمن کھاتے تھے۔علاوہ ازیں یگیہ میں جانوروں کی قربانی اس قدر رائج تھی کہ ہر دینی مشغلہ اس کے بغیر نامکمل سا تھا۔بقول بی۔آر۔امبیڈکر:

> ''رگ وید کے زمانے کے آریہ کھانے کے لئے گائے ذبح کرتے تھے اور گوشت کھاتے تھے۔ یہ رگ وید ہی سے واضح ہو جاتا ہے۔رگ وید میں اندرؔ کا قول ہے کہ 'وہ ایک کے لئے ۲۰۔۱۰ بیل پکاتے ہیں'۔رگ وید(۱۴۔۸۶۔۱۰) کا قول ہے کہ اَگنی دیوتا کے لئے گھوڑوں، سانڈوں، بیلوں، بانجھ گائیوں اور بھیڑوں کی قربانی دی جاتی تھی۔رگ وید(۶.۷۲۔۱۰) سے یہ بھی واضح ہے کہ گائے کو ایک خنجر یا شیشہ سے ذبح کیا جاتا تھا۔'' [۱۰]

ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر صاحب نے اپنی کتاب ''اچھوت کون اور کیسے'' میں یگیوں میں قربانی کے بابت دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تیتریہ برہمن(तैतरेयी ब्रहमण) میں یگیوں کا تذکرہ ہے ان میں گائے اور بیل کی قربانی دینے کا حکم ہے۔لیکن یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح کے گائے اور بیل کو قربانی دیوتاؤں کو سپرد کرنی چاہیے۔وشنو کو ''ندیا'' بیل کی قربانی دی جائے، حیوانوں کی نیست و نابود کرنے والے اندوؔ کو قربانی کے لئے کرش بیل منتخب کیا جائے کہ جس کے سینگھ لٹکتے ہوں اور اس کے پیشانی پہ قشقہ لگا ہوا ہو۔ پورشؔ (ایک دیوتا) کے لئے سیاہ گائے ہو، رودرؔ کے لئے شرخ رنگ کی گائے ہو اور

اسی طرح ''تیتر یہ برہمن'' پنیہ شادریہ(पंयशारदीय) اسم کے یگہ کا
تذکرہ کرتا ہے، جس کی سب سے ترجیح دینے والی بات یہ تھی کہ پانچ
سالہ عمر کے سترہ بنا گوکھے بال اور ندیا بیل اور اتنے ہی تین سالہ عمر کے
ندیا بچھڑے مارا جاتے تھے۔'' ۱۱؎

کتاب ''اچھوت کون اور کیسے'' میں ڈاکٹر امبیڈکر نے بودھ سوتروں سے بات کو مزید مستند کر دیتے ہیں کہ ''ایک زمانے میں ہندو گائے ذبح کرتے تھے اور گوشت بھی کھاتے تھے۔ یہ بات ''بودھ سوتروں'' میں دیئے گئے یگیوں کے تذکرے سے بہت اچھی طرح ثابت ہوتا ہے۔ بودھ سوتر کا زمانہ ویدوں اور برہمن شاستروں کے بہت بعد کا ہے۔ جس کے نتیجے میں گایوں اور دیگر جانوروں کو ذبح کیا جاتا تھا۔ جو نہایت شدید ہے۔ برہمنوں نے دین کے پیچھے جو قتل کیا اس کا حساب لگانا بڑی مشکل ہے۔
اس ہتیہ و قتل کا اندازہ لگانا اختر شماری کے مانند ہے۔ پھر بھی بودھ کلیات و نگارشات و خطبات سے اس کی نشاندہی ضرور ملتی ہے۔ ''کوٹدتا سوتر''(कुटदत्ता सुत्र) میں اس کی مثال ہے۔ جب بدھ کوٹدت نام کے برہمن سے جانوروں کو ذبح نہ کرنے کو تبلیغ دیتے ہیں تو بدھ تاثرانہ انداز میں کہتے ہیں:

''اور آگے ہیں برہمن! اس یگہ میں نہ بیل مارے گئے نہ اجا، نہ
گلٹ، نہ مانسل خنزیر اور نہ ہی کوئی دیگر Cratures منڈپ کھمب
کے لئے کوئی درخت نہیں کاٹا گیا۔ یگہ منڈپ کے پاس بچھانے کے
لئے کوئی دوب گھاس بھی نہیں چھلی گئی اور نہ اس کے خادم ڈر کی وجہ سے
کام کرتے تھے اور نہ ہی اس مشغلے سے ان کے اشک رواں تھے۔'' ۱۲؎

درج بالا اقتباس سے یہ مزید واضح ہے کہ برہمن کس قدر گائے و دیگر جانوروں کا گوشت کھاتے تھے اور گوتم بدھ کی تبلیغی اشاعت نے اس کا کس قدر مخالفت کیا۔ ان کے قول و فعل سے متاثر ہو کر لوگ عدم تشدد کے پیرو کار بن گئے۔ اس وقت اس Massacare کے خلاف گوتم بدھ کی طرح آواز کسی نے نہیں اٹھائی ان کا ادراک اعلیٰ و افضل تھا۔ انسان کو انسان سمجھا جائے، ہر انسان جنم سے کسی ذات یا مذہب کا نہیں ہوتا بلکہ اسے بنایا جاتا ہے اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ دنیا (حق و باطل) کو اپنے غیر جانب دارانہ چشم بصیرت سے نظر ثانی

کرے اور بذات خود حق و باطل تک رسائی حاصل کر لے۔

یہ سچ ہے کہ ویدوں میں تمام جانوروں کی قربانی اور ان کی گوشت خوری کا جو طریقۂ کار برہمنوں نے اختیار کیا تھا اس پر گوتم بدھ کے تبلیغ کا ایسا حملہ ہوا کہ لوگ جانوروں کی قربانی یا کسی بھی جاندار کو درد پہنچانے سے گریز اور توبہ کرنے لگے۔ اور تمام ذات کے لوگ ان کے پیرو مرید بن گئے۔ جس سے ایک بہت بڑا گروہ عمل میں آیا اسے ہی بودھ دھرم میں سنگھ (संघ) کہا گیا۔ تمام ذاتیوں کے لوگ اس سنگھ میں شریک ہو کر ان کے علم کو گاؤں، قصبہ و شہر میں تبلیغ کرنے لگے۔ اس کے ردِ عمل میں برہمن واد کو خطرہ ہونے لگا۔ تمام ذاتیاں اس سنگھ میں مشتمل ہونے کے بعد ایک نام بودھ اور ایک شناخت انسان سے جانے جانے لگے۔ ایک جگہ گوتم بدھ بھکشوں کو تبلیغ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''ہے بھکشوں ! آپ لوگ مختلف صوبوں و مختلف ذاتیوں سے آئے ہیں۔ جس طرح آپ کے صوبہ و ملک میں مختلف قسم کی ندیاں رواں ہوتی ہیں۔ ان کا علیحدہ علیحدہ وجود دکھائی دیتا ہے۔ جب یہ ندیاں بحرِ عظیم میں شامل ہو جاتی ہیں۔ تب اپنے علیحدہ وجود کو کھو دیتی ہیں۔ وہ سب بحر میں غرق ہو جاتی ہیں۔ بودھ دھرم بحر کی مانند ہے، اس سنگھ میں سبھی ایک اور مساوی ہیں۔ بحر میں گنگا یا جمنا کے مل جانے پر ان کے پانی کی علیحدہ شناخت کرنی مشکل ہے اسی طرح آپ لوگوں کے بودھ دھرم میں آنے پر سبھی ایک ہیں سبھی مساوی ہیں۔'' [۱۳]

بدھ کا یہ قول انسانیت، مساوات و عدم تشدد کا محافظ ہے۔ چتر ورن کے خلاف یہ ایک مزید چنوتی کی صورت میں تھا۔ بودھ مذہب کو تبلیغ و اشاعت نے پورے دلت معاشرے میں بیداری کی لہر پیدا کر دی۔ جس سے چتر ورن کے اوپر مزید خطرہ منڈلانے لگا۔ دلت سماج جانوروں کو ذبح کرنے اور گوشت خوری سے تیزی سے دور ہونے لگا۔

اس طرح اس بات کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ جانوروں کی قربانی و گوشت خوری برہمنوں کا ذاتی نہیں بلکہ دینی قاعدہ و قانون بھی تھا جس کے بغل میں وہ اپنی خواہشات کو پوری کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ

اس نظریے کو عوام وخواص میں دینی حکم مانا گیا، جس کا سوائے بدھ مذہب کے کسی نے مخالفت نہیں کی۔ چھوا چھوت کی تاریخ کے سلسلے میں یہی وہ مقام ہے جہاں سے چھوا چھوت کے شروع ہونے کے مستند وجوہات ملتے ہیں۔

برہمن اپنی ذاتی کی اہمیت کو قائم رکھنے کے لئے کسی بھی حد تک گرنے کو پیش پیش رہتا ہے۔ یہ برہمن کی بے رحم سچائی ہے۔ جب گوتم بدھ کی تبلیغ سے تمام جانوروں کی قربانی بند سی ہوگئی اور لوگ بودھ مذہب کی طرف تیزی سے مائل ہونے لگے اس کے ردِعمل میں چتر ورنظام کے اختتامیہ تاریخ شروع سی ہوگئی۔ عدم تشدد، انسان وانسانیت سے محبت، مساوات و بھائی چارے کا تصور، چوری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، شراب نوشی نہ کرنے اور غیر عورت سے ہمبستری نہ کرنے جیسے نیک اعمال بودھ مذہب نے عوام کو سکھایا۔ ایک مثال:

पंचशील (پنچ شیل)

1- पाणातिपाता वेरमणी सिक्खापदं समादियामि

2- अहिन्नादाना वेरमणी सिक्खापदं समादियामि

3- कामेसु मिच्छाचारा वेरमणी सिक्खापदं समादियामि

4- मुसावादा वेरमणी सिक्खापदं समादियामि

5- सुदा–मेरय–मज्ज पमादट्ठाना वेरमणी सिक्खापदं समादियामि

مطلب:

۱۔ میں بے سبب جانور یا انسان کو نقصان نہ کرنے کا علم حاصل کرتا ہوں۔

۲۔ میں چوری نہ کرنے کا علم حاصل کرتا ہوں۔

۳۔ میں زنا نہ کرنے کا علم حاصل کرتا ہوں۔

۴۔ میں جھوٹ نہ بولتے کا علم حاصل کرتا ہوں۔

۵۔ میں کچی یا پکی شراب نوشی دور رہنے کا علم حاصل کرتا ہوں۔

درج بال فلسفۂ حیات گوتم بدھ کے ادراک کی رسائی کا لاجواب نمونہ ہے۔ برہمنوں کو اس بات سے

شدید ڈر تھا کہ کہیں یہ فلسفۂ عظیم ہمارے فلسفہ کو ہی نیست و نابود نہ کردے۔ چوں کہ بدھ کا فلسفہ قربانی کے خلاف تھا اس لئے قربانی نہ کرنے کی تبلیغ زور وشور پر تھی اس نظریۂ عمل سے ہندوستانی سوسائٹی میں چتر ورن کا نظام وفلسفہ جہاں کارفرما تھا وہیں بدھ فلسفہ انسانیت کو بلند مقام عطا کر رہا تھا۔ چتر ورن کے حامیوں کو یہ خطرہ کسی بھی صورت میں ناگوارنہ تھا اس لئے انھوں نے یگوں میں قربانی دینا ختم کردیا اور گائے کا گوشت کھانا بھی ترک کردیا۔ علاوہ ازیں گائے کی پوجا کرنی شروع کردی۔ گائے کی عبادت کو اس قدر ہندوستان میں رائج کیا گیا جس کے سبب برہمنوں نے گائے کو ماں تک کہنا شروع کردیا۔ یہ ہندوؤں کے ادنیٰ وکمتر فکر کا نتیجہ تھا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ان کے دینی کتابوں میں گائے کی قربانی کو جائز قرار دیا گیا ہے، مثالاً رگ وید، ایتر پیئی برہمن، لیکن چتر ورن کے حامیوں نے گائے کی قربانی دینی بند کیوں کردی؟ اور اس کی عبادت کیوں کرنے لگے؟ یہ چتر ورن کی سب سے بڑی چال تھی یعنی بودھوں کو ادنیٰ ثابت کرنے کے لئے ایسا کیا گیا کہ چنانچہ بودھ مذہب قربانی کے خلاف ہے اور انسان یا جانور پر ظلم و جبر نہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ہر انسان کو برابری وعزت وشہرت کا حقدار مانتا ہے جس کی وجہ ہے لوگ بودھ مذہب کی طرف رجوع ہو رہے ہیں۔ اس لئے برہمنوں نے جہاں گائے کی قربانی دینی بند کردی وہیں گوشت تک کو ترک کردیا بدلے میں گائے کی عبادت تک شروع کردی اتنا ہی نہیں دیگر جانوروں کے گوشت کو کھانے سے بھی منکر ہوئے۔ چنانچہ چھوا چھوت کی شرعات برہمن اور بودھ تکرار سے ہی عمل میں آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ رہی کہ تاریخ کے طالب علموں نے اسے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی یا یہ محض ایک اتفاق تھا۔ بقول ڈاکٹر امبیڈکر:

> ''میری نظر میں یہ برہمنوں کی ایک چالا کی ہے کہ وہ گائے کا گوشت خوار نہ رہ کر گائے کی عبادت کرنے لگے۔ اس گائے کی عبادت کے راز کا مقصد بودھوں اور برہمنوں کے باہمی جد جہد اور ان طریقوں میں تلاش کرنا ہوگا جو برہمنوں نے بودھوں سے بازی مار لے جانے کے لئے'' شاخ شاخ میں برگ برگ کی'' ہوڑ ہندوستانی تاریخ کی ایک فیصلہ کرنے والا واقعہ ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر ہندو دھرم کے کچھ جزیات کی تشریح ہو ہی نہیں سکتی۔ اتفاق سے ہندوستانی تاریخ

کے طالب علم کی نظر سے یہ اس بودھ برہمن جد و جہد کی اہمیت سے بالکل علیحدہ رہا۔ وہ جانتے ہیں کہ چترورن نام کی چیز رہی ہے لیکن وہ اس امر سے بالکل غیر شناس معلوم ہوتے ہیں کہ یہ نقطۂ نظر تقریباً ۴۰۰ سال تک ایک دوسرے پر بازی مار لے جانے کے لئے جد و جہد کرتے رہے اور ہندوستانی مذہب، سماج اور سیاست پر ان کے اس رسہ کشی کو مستقل نشان موجود ہے۔'' ۱۴؎

ڈاکٹر بی۔آر۔امبیڈکر کا ریسرچ و تحقیق ہندوستانی تاریخ کولیکر نہایت ہی عمدہ و اعلیٰ ہے۔اس لئے بودھ، برہمنوں کے درمیان ہوئے تاریخی جد و جہد سے رونماں تبدیلیوں کو ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر امبیڈکر:

''ہمارے پاس اس بات کا شِلا لیکھ (शिलालेख) کا مستند ثبوت ہے پانچویں صدی کی ابتداء میں گائے ذبح کرنا ایک ذیلی کام سمجھا جاتا تھا یہ اتنا ہی ادنیٰ جتنا کی کسی برہمن کا قتل کر دینا۔ ہمارے پاس ۴۶۵ء کا ایک تامر خط ہے جو کہ گپت خاندان کے حکومت کا ہے۔ یہ ایک دان پاتر ہے جس میں رقم ہے کہ 'جو بھی اس پر دت دان میں دخل اندازی کرے گا وہ گائے ذبح کرنے، استاد کا قتل کرنے یا برہمن کا قتل کرنے سے عذاب کا حق دار ہوگا۔ اَسکند گُپت کے دادا چندر گپت دوسرا کا بھی ایک لیکھ ہے جو گائے ذبح کو برہمن قتل کے برابر مانتا ہے۔اس میں ۹۳ گُپت سمور سد دیا گیا ہے یہ ۴۱۲ء کے آس پاس کا ہے۔'' ۱۵؎

متذکرہ بالا تمام اقوال سے اس بات کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ برہمن اس طرح سے گوشت خور ہونے کے باوجود اسے ہمیشہ کے لئے کھانا چھوڑ دیا۔اس نے اس ردعمل سے اپنے مقصد کو وہ مقام عطا کرنا چاہا جس کا وہ خواہشمند تھا۔ بدھ مذہب کو ادنیٰ وخود کو اعلیٰ ثابت کرنے کے لئے اس نے نہ صرف گائے کا گوشت کھانا چھوڑ دیا بلکہ پوری طرح سے سبزی خور بن گئے اور گائے کو ذبح کرنے کی جگہ اس کی عبادت کرنی شروع

کردی۔لیکن اسے طویل بحث کے بعد بھی یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ آخرچھوا چھوت وجود میں کیسے آیا۔

دراصل بودھ و چاتُر ورن (चातुर्वर्ण) کے درمیان ہوئے جد وجہد سے برہمنوں نے تو گائے کی عبادت کرنا شروع کردی اور گوشت خواری سے علیحدہ رخ اختیار کرلیا،لیکن اس زمانے میں دیگرلوگ بھی گائے کا گوشت اور دیگر گوشت کھاتے رہےاس طرح گوشت خوری غیر برہمنوں میں رائج تھا۔

دیکھا جائے تو اس وقت سماج میں دوطرح کے لوگ رہتے تھے۔ایک تو گاؤں میں رہتے تھے دورے گاؤں سے باہر۔گاؤں میں وہ لوگ رہتے تھے جوامراء تھے۔برخلاف اس کے گاؤں سے باہر وہ لوگ رہتے تھے نہیں خانہ بدوش کہا جاتا تھا۔ چونکہ ان لوگوں کے پاس سوائے غریبی کے کچھ نہیں تھا جس سے کہ وہ اپنی اقتصادی حالات کو مستحکم بنا سکیں۔کھیتی کرنا ان لوگوں کا مشغلہ تھا۔جس کے پاس زمینیں تھیں۔چنانچہ خانہ بدوش لوگ ذیلی ذاتیوں سے تعلق رکھتے تھے ان میں کوئی برہمن،کشتریا وشیہ نہیں تھا۔غربت کا یہ عالم خانہ بدوشوں کو اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ کھیتی کرسکیں یہی وجہ تھی کہ انہیں جینے کے لئے گوشت خوری پر منحصر ہونا پڑا۔اس لئے برہمنوں نے جہاں بودھ مذہب سے اپنے کو اعلیٰ ثابت کرنے کے لئے گوشت خوری سے منہ پھیرلیا وہیں خانہ بدوش لوگ افلاس کے زد میں آکر گوشت کھانا جاری رکھے۔جس سے برہمنوں میں بے انتہا نفرت ہوگئی اورانہوں نے خانہ بدوشیوں کو چھونے تک سے بھی انکار کردیا۔بقول ڈاکٹر امبیڈکر:

> ''جب برہمنوں اور غیر برہمنوں نے گائے کی گوشتخوری بند کردی اور خانہ بدوش لوگوں میں گائے کی گوشت خوری جاری رہا تو ایسے حالات پیش آئے جوقدیم طریقۂ کار سے مختلف تھے۔اب فرقہ یہ ہوگیا تھا کی قدیم زمانے میں ہرکوئی گائے کا گوشت خور تھا۔اس نئے حال میں ایک طبقے (برہمن واد) نے گائے کی گوشت خوری ترک کردیا تھا۔اور دوسرا طبقہ کھاتا تھا۔یہ علیحدگی اسے ہرکوئی نظر ثانی کرسکتا تھا۔ اتنا ہونے پر بھی اس فرق کا انجام معاشرے کا تنا بڑا تفریق نہیں ہوسکتا تھا۔جیسا کہ اس چھوا چھوت میں دکھائی دیتا ہے۔یہ ایک سماجی فرق رہ سکتا تھا۔ایسی بہت سی مثالیں ہیں جہاں ایک معاشرے کے مختلف طبقے

مختلف طریقے کا کھانہ کھاتے ہیں۔ایک کی جو خواہش ہے دوسرے کی
خواہش نہیں ہوسکتی ہے تو بھی ہی فرق دونوں کے مابین کسی بھی قسم کی
دیوار نہیں کھڑی کرتا۔اس لئے کوئی نہ کوئی مخصوص وجہ ہونی چاہئے کہ
ہندوستان میں گوشتخواری کے موضوع پر مقامی لوگوں اور خانہ بدوشوں
کے درمیان دیواریں کیوں کھڑی ہوگئیں۔اس کا کیا سبب ہوسکتا ہے۔
جواب ہے کہ اگر گائے کو گوشت خوری کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوتا
صرف ذاتی خواہش یا غیر خواہش کا سوال رہتا تو گوشت کھانے والوں
اور نہ کھانے والوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی نہیں ہوتی۔ بدقسمتی
سے گوشت خوری اس عام نظریہ نہ رہ کر مذہب کا سوال بن گیا۔ یہ اس
لئے ہوا کہ برہمنوں نے گائے کو پاکیزہ جانور بنادیا۔اسی لئے گائے کی
گوشتخوری انسداد ہوگیا۔ یہ خانہ بدوش کار سمجھے گئے اور انہیں معاشرے
سے علیحدہ کردیا گیا۔'' ۱۶

یہ حقیقت ہے کہ مذہب ہر فرد کے دل میں انسانیت کی شمع روشن کرتا ہے جس کے سبب ایک انسان دوسرے کا جگری یار یا مرید بن جاتا ہے۔ یہ کسی بھی مذہب کی سب سے بری عظمت ہے جس کی بلندی انسان میں انسانیت کا اعلیٰ معیار اور عدم تشدد و مساوات کا نقطۂ نظر عطا کرتا ہے۔لیکن ہندو مذہب اس کے برخلاف ہے۔اس میں کسی بھی انسان کو برابری کا حق نہیں حاصل ہے۔

برہمن، کشتری سے اعلیٰ ہے جب کہ ویشہ کو شودر پر فوقیت حاصل ہے۔اور عدم تشدد تو اس کے رگ و پے میں بھی سرایت نہیں ہے۔یہی اس مذہب کی خصوصیت ہے۔کیوں کہ دلتوں کے برخلاف جو قانونی طرز عمل اختیار کیا گیا اور ان پر ظلم و جبر کا غیر انسانی و مذہبی قانون نافذ کیا گیا اس سے نہ صرف ایک دلت کی بلکہ ہندوستان میں رہنے والے دلتوں کی حالت زندگی میں ایسا زلزلہ آیا جس کا درد سوائے دلت کے کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔اس بات سے کسی کو اختلاف ہوسکتا ہے کہ درد کو نہ جھیلنے والا بھی اسے محسوس کرسکتا ہے تو میرا یہ جواب ان لوگوں کے لئے ہے کہ غلامی پر مضمون لکھنا دو باتیں نہیں۔'' تیراکی پر سوچنا اور پانی میں تیرانا دو باتیں

ہیں''۔ چنانچہ ان کے درمیان مماثلث نہیں ہے لیکن ہو بھی سکتا ہے اگر غلامی پہ مضمون لکھنے والا غلامی کرے اور تیرنے کے اصول وقواعد کو رقم کرنے والا تیرنے لگے۔ اگر چہ اصول وقوعد میں جینے والا ایسا نہیں کرستا ہے (بغیر سیکھے) تو واضح ہے کہ ایک آدمی بنا دلت بنے اس کے درد کو محسوس نہیں کرسکتا۔

بھید بھاؤ، چھوا چھوت کا یہی درد دلت صدیں سے سہن کر رہا ہے۔ جسے برہمنوں نے دلتوں پر عائد کیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنی کتاب ''اچھوت کون اور کیسے'' میں مزید تایخی حالات سے یہ برہنہ کیا ہے کہ بودھ مذہب اور ہندو مذہب کے درمیاں ہوئے جدوجہد نے خانہ بدوشوں (دلتوں) سے نفرت کا عمل پیدا کیا۔ صرف اس لئے کہ وہ گوشت خور ہیں اور بودھ مذہب کے ماننے والے ہیں۔ یہیں سے چھوا چھوت کا جنم ہوتا ہے۔ بعد میں منّو نے اسے اپنی کتاب ''منواسمرتی'' میں مذہبی وقانونی جامہ پہنایا اور شودروں کو غیر مذہب و غلام بنانے کا قانون قلم بند کیا۔ غور طلب ہے کہ دلت شودر طبقے میں نہیں آتے انہیں اتی شودر (अतिशूद्र) کہا گیا ہے یہ شودروں سے بھی ذیلی سمجھے جاتے تھے۔ تو غور کریں اگر شودروں کے ساتھ ایسا برتاؤ ہوا جو نہایت حیوانیت کا تھا تو بھلا اتی شودروں کی کیا حیثیت تھی۔ آج دلت سماج ترقی کی راہ طے کر رہا ہے پھر بھی اسے عزت وشہرت کا وہ مقام نہیں ملا ہے جس کی اسے ضرورت ہے۔ اور جیسا کہ ہندوستان کے آئین میں رقم کیا گیا ہے کہ عزت وشہرت پانے کی انقلابی مہم آج دلت سماج میں زوروں پر ہے جس کا مخصوص اثر سماج کے دیگر طبقوں اور مرحلوں کے ساتھ ادب پہ غالب ہے۔ ادبی حلقے میں چھوا چھوت سے آزادی و حقوق کو حاصل کرنے کی مارکہ آرائی رونما ہو رہی ہے۔ یہ ادب کی شعوری کوشش ہے جو عمل واصولی زندگی کے رگ وپے میں ایک مقام تعین کرنا چاہتا ہے۔ اسی کارگزاری کے خواہاں جینت پرمار کی شاعری ہے۔

جینت پرمار کی شاعری سے ہم اس بات کے منکر نہیں ہو سکتے کہ عملی زندگی کا درد دلت سماج کا اصل شعور ہے۔ جس نے اس کو فلسفیانہ ادراک اور مفکرانہ طرز تحریر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ترقی کی یہ صورت جب تاریخی واقعات اور اس کے ظلم و جبر کا حساب مانگی ہے تو انقلاب وتبدیلی کے اس طوفان کو کوئی نہیں روک سکتا۔ آج جو دلت ادیب اپنی باتوں کو لکھ کر ادب میں پیش کر رہے ہیں۔ انہیں یہ آزادی ہندوستانی یا برہمنوادی شاستروں نے نہیں دی ہے بلکہ یہ حقوق ڈاکٹر امبیڈکر کی فکر و جدوجہد کے تحت ہندوستانی آئین میں داخل کیا گیا ہے۔ یہ انقلابی تبدیلی کی ہی دین ہے جسے دلت سماج کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

دیکھا جائے تو مخالفت کا یہ شعور جینت پرمار کی شاعری کا خاص وسیلہ ہے جو انھیں گوتم بدھ اور ان تمام صوفی سنتوں اور ڈاکٹر امبیڈکر سے ملا ہے جس کی کوششوں سے نہ صرف دلت مہذب بننے کی راہ پہ گامزن ہوئے ، بلکہ پورے ہندوستان کو متاثر کیا۔ بعد میں جس کے فلسفہ وتصور کی رسائی بیرون ملک تک ہوئی۔ جینت پرمار بحیثیت دلت اور شاعر دونوں ہیں انہیں اپنی تاریخ کا یہ علم ضرور ہے کہ ہمارے لوگوں کے ساتھ حیوانیت کا کیا عملی و اصولی طرز عمل اختیار نہیں کیا گیا؟ جب برہمنوں نے ذیلی ذات کا تصور عام کیا تو شاستروں میں ان کی غلامی کے لئے بیشتر قوانین رقم کئے۔ اچھوتوں کے بارے میں کہا کہ ''اگر کوئی اچھوت وید سنیں تو اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جائے ، اگر وید پڑھتا ہے تو اس کی زبان کاٹ دی جائے۔'' اچھوتوں کو اچھے کپڑے، اچھے کھانے و اچھے مکان نہیں بنانا چاہیے۔ اچھوتوں کو تو گھر سے آدھی رات یا نیم روز کو ہی نکلنا چاہیے۔ ساتھ ہی ان کے گلے میں تھوکنے کے لئے مٹّی کا مٹکا اور کمر میں جھاڑو ہونا چاہئے۔ اچھوتوں سے تو کبھی عزت سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ یہ ان تمام قونین کو اچھوتوں کو غلام بنائے رکھنے کے لئے ہندو شاستروں نے کیا۔ اور یہیں سے ذات کا تصوور عام ہوا۔

ذات پات کا یہ نظام شودروں اور اتی شودروں پر اس طرح غالب رہا کہ ان کے ترقی کی ہر راہ کو بند کر دیا۔ آج بھی ذات کے نظام مستحکم کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ لوگ کٹّر ہندو سماج سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ ذات کا نظام محض کام کو تقسیم نہیں کرتا ہے بلکہ ان لوگوں کو بھی منقسم کرتا ہے جو کام کرتے ہیں۔ اس لئے ذات پات کا نظام معاشرے کو کبھی متحد نہیں کرسکتا ہے۔ بقول ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر:

> ''افسوس کی بات یہ ہے کہ آج بھی ذات کا دفاع کرنے والے موجود ہیں۔ دفاع مختلف قسم کی ہیں۔ اس کا دفاع اس بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ ذات کا نظام کاموں کی تقسیم کا دوسرا نام ہے۔ اور اگر کام کی خوصوصیت ہر مہذب معاشرے کی لازمی خصوصیت ہے تو یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ ذات کے نظام میں کوئی چیز بری نہیں ہے۔ اب یہی بات جو اس بات کے بہ اصرار کہنی ہے وہ یہ کہ ذات کا نظام محض کام کی تقسیم نہیں ہے۔ یہ کام کرنے والوں کی بھی تقسیم ہے۔ بلاشبہ مہذب سماج کو

کام کو تقسیم کی ضرورت ہے لیکن کسی مذہب سماج میں کام کی تقسیم کرنے والوں کی الگ الگ حصوں میں بنٹی ہوئی فطری قسم کے ساتھ جڑی ہوئی نہیں ہے۔ ذات کا نظام محض کام کرنے والوں کی تقسیم بھی نہیں ہے جو کام کی تقسیم سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سماجی مرتبہ کی ایک ترتیب ہے جس میں کام کرنے والوں کی تقسیم کو ایک دوسرے کے اوپر مرتبہ دیا گیا ہے۔ کسی دوسرے ملک میں کام کی تقسیم کرنے والوں کے مرتبے کے تعین سے جڑی ہوئی نہیں ہے ذات کے نظام کے اس نقطۂ نظر کے خلاف تنقید کا ایک تیسرا نکتہ بھی ہے۔ کام کی یہ تقسیم بے ساختہ نہیں ہے۔ یہ فطری میلان کا نتیجہ نہیں ہے۔ سماجی وانفرادی لیاقت مقابلہ کی حد تک ایک شخص سے اپنا ذریعہ معاش منتخب کرنے اور صلاحیت پیدا کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔ ذات کے نظام میں اس اصول کے خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ قبل از وقت کسی شخص کے کام کا تعین کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقی تربیت یافتہ حیثیت کی بنیاد پر انتخاب نہیں کر کے سماج میں والدین کے سماجی مرتبہ کی بنیاد پر انتخاب کرتا ہے۔ دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہوئے پیشوں کا یہ طبقاتی نظام جو ذات کے نظام کا نتیجہ ہے قطعی طور پر تباہ کن ہے۔'' [17]

برہمن ذات پات کے اس نظام میں اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ درجے کا تسلیم کرتا ہے۔ اور دوسروں کو اپنے سے ادنیٰ وکمتر سمجھتا ہے۔ یہی اس کا شیوہ ہے جس سے وہ موقف نہیں ہونا چاہتا۔ برہمنیت کی کارگزاری جہاں قدیم زمانے میں رائج تھی وہی آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے جس کو وقت بوقت مخالفت ہوتی رہی ہے۔ مخالفین کی اس قطار میں گوتم بدھ سے لے کر آج تک کے مفکر و مصلح عظیم نے اہم رول ادا کیا ہے۔ سنت کبیؔر نے تو اپنے تحریک سے نہ صرف معاشرے کو روشن فضا بخشنے میں اہم کردار ادا کیا بلکہ برہمنواد کے پورے فلسفہ کو ہی غیر مہذب وادنیٰ تفکر کے حامیوں کا پاگل پن قرار دیا۔ ان کا نظریہ منطقی تھا جس کی بنا پر انہوں نے

انسانیت کی بڑی لڑائی لڑی لیکن ہمارا مقصد ان کی اس فلسفیانہ قدر و قیمت کو سمجھنا ہے جس نے دلتوں کی زندگی و ادبی سرگرمیوں کو تابنا کی عطا کی۔ دلت ادب کے اولین مفکروں میں سے سنتوں کا ایک گروہ رہا ہے۔ جو دلت ادب کے اولین تاریخ کا روشن ترین باب ہے۔ ان میں کبیرؔ نے برہمنواد کی زوردار مخالفت کی ان کے چند دوہے ملاحظہ ہوں:

گربھ ماس مَہی کُل نَہی جاتی
गर्भ मास महि कुल नहि जाती।
برمھہ بیند تے سب اُتپاتی
ब्रम्ह बिंद ते सब उतपाती।।

جَو تو براہمن براہمنی جایا
जौ तू ब्राम्हण ब्राहमणी जाया।।
تَو آن واٹ کاہے نہیں آیا
तौ आन वाट काहे नही आया।

تم کت براہمن ہم کت شود
तुम कत ब्राम्हण हम कत शूद।
تم کت لوہو تم کت دودھ
तुम कत लोहू तुम कत दूध।।

کہہ کبیرؔ جَو برہمہ ویچارئے
कह कबीर जौ ब्रम्ह विचारै।
سَو براہمن کہیت ہے ہمارے
सौ ब्राम्हण कहियत है हमारे।।

درج بالا دوہوں میں کبیر داس کہتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں پلنے والے بچے کی کوئی ذات نہیں ہوتی ہے اور اگر ماں کے زچے میں پلنے والے بچے کی ذات طے ہو جاتی ہے تو اس کے پیدا ہونے کا طریقہ ایک جیسا کیوں نہیں ہوتا۔ یعنی برہمن اپنے کو اعلیٰ مانتا ہے تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا طریقہ کار سبھی ذاتیوں کا ایک جیسے کیوں ہوتا ہے۔ اس طرح سے ایک شودر پیدا ہوتا ہے اسی طرح برہمن یا دیگر لوگ بھی پیدا ہوتے ہیں۔ پھر غیر برابری کیوں اور جب سب کے پیدا ہونے کا راستہ یا طریقہ ایک ہی ہے تو برہمن اعلیٰ کیسے ہو گئے اور ہم شودر ادنیٰ کیسے ہو گئے۔ آگے کبیر داس اس چتاورن نظام کے حامی برہمنوں سے کہتے ہیں کہ معاشرے میں اعلیٰ وہ ہے جس کے نیک اعمال ہیں۔ جو ہر اعلیٰ قدر و قیمت کا حقدار سمجھتا ہے۔

دراصل کبیر کا یہ نقطہ نظر بھکتی کا نہیں ذات پات کی مخالفت کا فلسفہ ہے۔ کبیر پوری طرح سے ذات پات کے نظام کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ جس کی انہوں نے تاعمر کوشش کی۔ انہوں نے بت پرستی، جانوروں کی قربانی، غیر برابری، ناانصافی، چھوا چھوت، اور پاکھنڈ یا طلسمی کارناموں جیسی تمام عیب و قبح کی مخالفت کی۔ ہندو دیوی دیوتاؤں میں ان کا کوئی عقیدہ نہیں تھا۔ جس سے کبیر اس کے بھکت نہیں ہوئے۔ بعد میں ان کی تحریک کو ختم کرنے کے لئے ہندو مفکروں نے کہا کہ کبیر تحریک نہیں چلا رہے تھے بلکہ بھکتی کر رہے تھے۔ اس طرح کبیر کی اصلاحی تحریک کی گھیرابندی کی گئی۔ چنانچہ کبیر داس کا استاد ''رامانند'' کو مانا جاتا ہے۔ جو سگن برہم کی عبادت کرتے تھے تو کبیر نرگن (निर्गुण) کیسے ہو گئے۔ مطلب یہ کہ شاگرد سائنس کا طالب علم ہو اور اس کا استاد تاریخ کا مدرس ہو تو دونوں میں کیسے مماثلث ہو سکتی ہے۔ اور اگر ان دونوں میں مماثلث نہیں ہو سکتی تو ''رامانند اور کبیر'' میں استاد اور شاگرد کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ سازش صرف اس لئے تیار کی گئی کہ جس سے لوگ کبیر کو رامانند کا شاگرد جانے چونکہ رامانند سگن بھکتی (सगुण भक्ति) سے یعنی ہندو دیوتا رام و کشن کے بھکت تھے۔ اس لئے کبیر اور ان کے فلسفہ کو بھی ہندو مذہب کا حامی تسلیم کیا جائے۔ جب کہ کبیر کے اشعار سے یہ صاف ظاہر ہے وہ چاتر ورن نظام کو ہی نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی بیخ ہندو مذہب میں ہے۔ کبیر داس کی سماجیاتی و اصلاحی تحریک جینت پرمار کی نظم کبیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ نظم کبیر کے ان تاریخی، مذہبی، سماجیاتی و فلسفیانہ بصارت کی عمدہ مثال ہے۔

کبیر داس کا مقصد انسان کی عزت وقار اور آزادی ہے اور یہی دلت ادب کا مخصوص بحث اور مقصد

ہے۔اس بات کو جینت پرمار نے اپنی نظم ''میری جنگ روٹی کی نہیں''، میں تخلیق کیا ہے۔مثلاً

بھوکا برہمن
بھوکا کشتریہ
بھوکا ویشیہ
لڑتا ہے روٹی کے لئے
چاندسی اس اک روٹی کے لئے
اس کا سپنا روٹی ہے
میرا سپنا روٹی نہیں
اچھوت ہوں میں
میرے سائے سے بھی تم کتراتے ہو
میں ہوں تمہاری بستی باہر
جہاں تم ہگتے ہو وہاں پر
ٹاٹ کی میری جھگّی ہے
کنوے سے لے کر مندر تک
تم نے بنائی ہیں دیواریں
منو کی اونچی دیواریں!
میرے حصے میں تو ملا ہے
اپنے لوگوں کا اَپمان!
اور نفرت کی آگ!!
میری جنگ ہے اس کے خلاف
جو روٹی سے بڑھ کر ہے
میری جنگ روٹی کی نہیں!

درج بالا نظم اس طرف مزید اشارہ کرتی ہے کہ انسان کا وقار بھوک سے بڑھ کر ہے۔ دلت سماج اس کا متقاضی ہے۔ اور یہی دلت مفکروں کی عام رائے ہے جسے دلت ادب میں دلت فصاحت و بلاغت کا مقام حاصل ہے۔ حقیقت پسندوں و سائنٹفک طرز ادا و باریک بینی دلت ادب کے زبان و بیان کا اولین مفروضہ ہے۔ جینت پرمار کی شاعری اسی رنگ و آہنگ کی ایک مثال ہے جس میں سادہ و سلیس طرز ادا میں غلو یا مبالغہ آرائی نہیں بلکہ اُن کی شعری معنوی بلاغت اور حق شناسی کا آئینہ ضرور ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ دلت ادب کی تاریخی ماہیئت کو اور عمیق و عریض مقام عطا کرنے میں ''سنت رویداس'' کا نام صف اول پر ہے۔ انھوں نے اپنی علمیت متفکرانہ فلسفۂ حیات سے نہ صرف عوام کی اصلاح کی بلکہ برہمنوں کو فلسفہ و سماجیات میں کاشی راجا کے سامنے مات دی تھی۔ یہ دلت فلسفے کی چتر ورن پر بہت بڑا فتح تھی قابل غور طلب بات یہ ہے کہ ''سنت رویداس'' کا زمانہ عموماً ۱۵۰۰۔۱۴۰۰ء کا دور ہے یعنی سنت کبیر ہمعصر بھی تھے۔ اس دور کا معاشرہ نہایت ہی چھوا چھوت وغیرہ برابری کا تھا۔ اس وقت انہوں نے برہمنواد کے خلاف عدم مساوات کے جنگ لڑی ''سنت روی داس'' ذات سے چمار تھے اور پیشے سے موچی یعنی جوتا چپل بناتے و سلتے تھے۔ اس لئے وہ چھوا چھوت و نابرابری کے درد کو سہے تھے، اور اس درد نے انہیں چتر ورن کے خلاف لڑنے کے لئے مجبور کیا جس کی انھوں نے کھل کر مخالفت کی۔ بقول سنت روی داس:

ریداس جنم کے کارنے ہوت نہ کوئی نیچ

रैदास जनम के कारने होत न कोई नीच ।

نر کو نیچ کر ڈار ہے اوچھے قدم کی کیچ

नर को नीच कर डार है ओछे कदम की कीच।।

سنت روی داس کہتے ہیں کہ کوئی بھی آدمی جنم سے نیچ نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے غلط اعمال کے سبب نیچ کہا جاتا ہے۔ یعنی رویداس سماج کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ سماج کا ہر فرد واحد مساوات کا حق دار ہے۔ ہندو دھرم میں گنگا اشنان کو پاکیزہ و نیک عمل مانا جاتا ہے لیکن روی داس اس کا بلکہ مخالف کہتے ہیں۔ بقول روی داس:

''من چنگا تو کٹھوتی میں گنگا । मन चंगा तो कठौती मे गंगा''

مطلب یہ کہ انسان کی نیک فکر و عمل ہی اس کی اصل پاکیزگی وعظمت ہے۔ اسے گنگا میں نہا کر نہیں پایا

جاسکتا۔غور طلب بات یہ ہے کہ روی داس کو اپنے ذات پر فخر تھا۔وہ کبھی اپنے عمل اور تخلیقی اظہار میں احساس کمتری کا شکار نہیں ہوئے۔مثلاً

کہہ رَیداس کھلاس چمارا

कह रैदास खलास चमारा ।

جو ہم صحری سومیت ہمارا

जो हम सहरी सो मीत हमारा।।

جات بھی اوچھی، کرم بھی اوچھا، اوچھا کسب ہمارا

जाति भी ओछी, करम भी ओछा, ओछा कसब हमारा ।

نیچ سے پربھو اونچ کییو ہے رَیداس چمارا

नीच से प्रभु उँच कियो है, रैदास चमारा ।।

درج بالا اشعار میں لفظ ''کسب'' آیا ہے۔کتنا برمحل استعمال ایک ایسے لفظ کا جو پیشہ اور ہنر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔بطور لوہے کے اوزار کے یہ چوٹ ہے ایک ایسے سماجی نظام پر جو نخبو یہ (संभ्रातवादी) بننے کا خواب دیکھتا ہے تا کہ کچھ طبقات ذہنی، جذباتی، سماجی، سیاسی اور تہذیبی کمتری کا شکار بنے رہیں۔اس طرح روی داس نے برہمن واد کی زوردار مخالفت کی اور دلت ادب میں ایک نئے معنی خیز باب کا اضافہ کیا جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

برہمنوں نے بعد میں روی داس کی تحریک کو بھی دبانے کے لئے مختلف قسم کے حربے اختیار کئے اور انہیں بھی کبیر صاحب کی طرح رامانند کا شاگرد بتا کر سگن بھکتی کا بھکت کہا گیا جس سے لوگ یہ جانے کہ وہ رویداس تحریک نہیں چلا رہے تھے بلکہ ہندو دیوی و دیوتاؤں کی عبادت کر رہے تھے۔بلکہ ہندو دیوی دیوتاؤں کی عبادت کر رہے تھے یعنی بھکتی کی تحریک چلا رہے تھے۔لیکن وقت کے بدلتے حالات نے ان کے فلسفیانہ بصیرت کو سمجھا یہی وجہ ہے کہ آج ان کے سالگرہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں منائی جاتی ہے اور روز بروز ان کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔قابل غور ہے کہ جس سماج میں ایک مفکر، فلسفی یا سنت کو ادنیٰ و نیچ سمجھا جائے اس سماج کے ایسے لوگوں کی سوچ کو کیا کہا جاسکتا ہے۔

دلت ادب اس سماج کی داستان ہے جس کا سماجی خاکہ اور فضا دلتوں کے لئے مفید بخش نہیں جب کہ اس کی اصلاح کے لئے تمام سنتوں کے علاوہ ''جیوتی راؤ گویند راؤ پھولے'' (ज्योतिराव गोविन्दराव फुले) نے مہاراشٹر میں انقلابی مہم چلائی تھی اور بابا صاحب ڈاکٹر امبیڈکر نے انہی کو اپنا سیاسی استاد تسلیم کیا تھا۔ اور انہی سے متاثر ہو کر اپنی تحریک کو مزید انقلابی رنگ دیا تھا۔ ان کی مشہور و معروف کتاب ''غلام گیری'' (गुलाम गीरी) ہے۔ یہ کتاب غلامی کی ان تمام سازشوں کی طرف غمازی کرتی ہے جو دلتوں کو اور ہندوستانی معاشرہ کو تباہ و برباد کر رہی ہے۔ جیوتی راؤ پھولے اپنی کتاب ''غلام گیری'' میں لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب رقمطرازی کرنے کے پیچھے میرا مقصد شودروں کو صرف یہ بتانا ہے کہ برہمنوں نے ان کے ساتھ کس طرح سے فریب کیا۔ بلکہ حکومت کی آنکھیں بھی کھولنا ہے کہ اس کی اعلیٰ طبقاتی تعلیم و تربیت حکومت کی فلاح کے لئے بھی کتنی خطرناک ہے۔ مجھے امید ہے کہ حکومت میرے شودر بھائیوں کے لئے کام کرے گی۔''

لیکن جیوتی با پھولے صاحب بذات خود تحریک نہیں چلا رہے تھے بلکہ ان کے ساتھ ان کی مشہوء و معروف اہلیہ ''ساوتری بائی پھولے'' (सावित्रीवाई फुले) بھی تھیں۔ ساوتری با پھولے ایک ہندوستانی فعالیت پسند، مفکر، معاشرتی مصلح اور مراٹھی شاعرہ تھیں۔ پھولے پہلی ہندوستانی خاتون ہیں جنھوں نے درس و تدرس کو انجام دیں۔ ساوتری با پھولے نسائی حقوق اور تعلیم کے میدان میں پیش پیش رہیں۔ یہ ذات پات کا نظام، خواتین اور خصوصاً بیواؤں کی بہبود و ترقی اور چھوا چھوت کا خاتمہ جیسے اہم میدانوں میں سرگرم رہیں۔ ان کی تحریک سے مہاراشٹر میں زبردست انقلاب آیا جس کے ردعمل میں لوگ اپنے بچوں کو پڑھانے لگے اور تمام برائیوں سے دور ہونے لگے جو انہیں پیچھے لے جا رہی تھیں۔

اس طرح گوتم بدھ سے لے کر جیوتی با پھولے تک تمام سنتوں، مفکروں مصنفوں نے سماجی بہبود کے لئے اہم رول ادا کیا ہے۔ چاہے وہ نارائن گرو (नरायण गरू) رہے ہوں یا گروگھاسی داس(गुरू घासीदास)، سنت گاڈگے بابا(संत गाडगे बाबा)، تکارام(संत तुकाराम)، پیریار یروڈ وینکٹ نائیکر راما سوامی (पेरियार इरोड वेंकट नायकर रामासामी) وغیرہ ہیں۔ ان سب نے چتُر ورن (चतुर्वर्ण

व्यवस्था) کے خلاف صدا بلند کی جس کی صدا آج بھی ہندوستان میں گونجتی ہے۔

دیکھا جائے تو دلت ادب کے حوالے سے ہندوستان کی قدیم تاریخ سے لے کر جیوتی با پھولے تک مُڈلحانہو مذہبی تحریک کا جائزہ لیا جا چکا ہے۔ جیسا کہ راقم نے پچھلے صفحات میں ذکر کر چکا ہے کہ آریائی طرز عمل و یلغار نے یہاں کے مقامی لوگوں کے طرز زندگی کا خاکہ ہی تبدیل کر غلام بنا دیا۔ جنہیں بعد میں شودر اور اتی شودر کہا گیا۔ آریائی نظام کے بعد میں چتروَرن نام سے معاشرے کی نظامت کی۔ اسی نے سارے دلت مسائل کو پیدا کیا۔ جس کی تمام لوگوں نے مخالفت کی لیکن دلت ادب کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوگی اگر ڈاکٹر امبیڈکر کے تحریک کو نظر انداز کر دیا گیا۔ کیوں کہ بہت سے سنتوں، گروؤں نے دلتوں کے حالات زندگی کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہیں کر سکے۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے نہ صرف ہندو مذہب کا تاریخی و تنقیدی جائزہ لیا ہے بلکہ دلتوں کی حالات زندگی میں وہ تابنا کی و توانائی لائی جسے چتروَرن کے بے نور اندھرے نے اپنی سیاہی و تاریکی کے مخالفت کرتے رہے۔ ردِعمل میں انھوں نے دلتوں کی مزید اصلاح کے لئے آئین ہندوستان میں اکثر و بیشتر حقوق دلتوں کو عطا کئے جہاں سے دلت کو سماجی، سیاسی اور مذہبی جیسی تمام آزادی نصیب ہوسکی۔ اور یہیں سے دلتوں کو اپنی بصیرتوں کو پرواز دینے کا موقع ملا۔

ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر نے نہ صرف دلتوں کو آزادی دلائی بلکہ ہندو دھرم کا باقاعدہ مطالعہ و مشاہدہ کیا اور ان کی زوردار مخالفت کی اور یہی مخالفت دلت ادب کا شعوری و اصولی حصہ بنا۔ غلا تو غلام ہوتا ہے جس میں آزادی نام کی بھی نہیں ہوتی۔ دلتوں سے اسی غلامی کرانے والے کی کتاب ''منواسمرتی''، جس کا خالق منّو تھا۔ اس کتاب کو 1927ء میں مہاڑ تلاب کی تحریک میں سر عام جلایا گیا۔ اس خبر نے پورے چتروَرن کے حامیوں کے کان کھڑے کر دیئے وہیں دلتوں کا حوصلہ بھی بلند ہوا۔ رفتہ رفتہ ہندوستان کے دلتوں میں بیداری بڑھنے لگی۔ جس کا انجام چتروَرن کے لئے خطرہ ثابت ہوا۔ اس انقلاب سے دلت ادب کو ایک نیا رنگ و آہنگ ملا۔ اس اجاز میں ڈاکٹر امبیڈکر نے خطبہ پیش کیا تھا۔ جسے کنول بھارتی نے اپنی کتاب ''دلت وِمرش بھومیکا''(दलित विमर्श की भूमिका) میں باقاعدہ پیش کیا۔ ڈاکٹر امبیڈکر کہتے ہیں:

''اس سمّیلن کا مت ہے کہ ہندو کی ورتمان دئنیہ دَشا کیول وہ
درشاتی ہے کہ کسی پرکار سماج کا پتن ہو جاتا ہے۔ جبوہ سماجیک انیایہ کو

سہن کرنے لگتا ہے۔غلط دھارمیک آستھاؤں کا سمرتھن کرنے لگتا ہے۔
ہندوسماج کا پتّن کیول اس کارن سے ہوا کہ عام لوگوں نے یہ جاننے کی چیشٹا نہیں کی کہ کسی بھی مانو کے جنم سیدھ ادھیکار کیا ہے؟ اسکی بھی انھوں نے چیشٹا نہیں کی کہ انھیں مانیتا ملے اور سوارتھی لوگوں کے گھٹیا کرارناموں اور کُوریتیوں کی اَوگیا کی جے۔ ہر ویکتی کا یہ کرتوت یہ ہے کہ وہ جانے کہ مانو اور مانو تھا ورگ کے بیچ اس سنگھرش میں وہ پیروں تلے کُچلے نہ جایں۔ ہوسکتا ہے کہ ہر ہندو کو یہ پتہ نہ ہو کہ سمّیلن کی رائے میں مانو کے جنم سیدھ ادھیکار کیا ہیں؟ اس لیے یہ سمّیلن گھوشنا کرتا ہے کہ وہ اُن کی سوچی جاری کریں۔''

اس کے بعد اجلاس نے انسان کے حقوق کی مندرجہ ذیل ضمیمہ جاری کیا۔

''ا۔ سبھی ہندوں کی سماجیک حیثیت جنم سے ایک جیسی ہے۔ یہ سمتا کا وہ گُن ہے جو اُن میں میرتیو پرانت رہتا ہے۔ اتیہ سمّیلن اُس ہر کاریہ کا ویرودھ کرتا ہے، جو اس سمتا کو نشٹ کرتا ہے۔

۲۔ ہندو سماج ویوستھا میں ویاپک آسمانتا کے گھرنیت سیدھانت کا سمرتھن کرنے والے ہر ساہتیہ کا یہ سمّیلن ویرودھ کرتا ہے۔

۳۔ سمست ستّا کی سروت جنتا ہے۔ اتیہ کسی بھی ویکتی یا ورگ کے ویشیشا ادھیکاروں کا داؤ تب تک ویدھ نہیں وہتا، جب تک اُسے جنتا مانیاتا نہ دے۔ اتیہ یہ سمّیلن کچھ ورگون کو پراپت ویشیسا ادھیکار کا کھنڈن کرتا ہے، کیوں کہ وے وید، پرُان اور سمرتیوں پر ادھاریت ہیں، نہ کہ سوتنتر لوک مت پر۔

۴۔ ہر ویکتی کا جنم سیدھ ادھیکار ہے کہ اُسے کام کرنے اور بولنے کی آزادی ہو، اس آزادی پر تبھی اَنکوش لگایا جا سکتا ہے، جب وہ کسی انیہ

ویکتی کے ادھیکاروں میں بادھا نہ ڈالے یہ اَنکوش بھی کیول جنادیش
سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوشاستروں کی کسی بھی نیشے دھا گیا سے نہیں۔
اتیہ وہ سمّیلن ہندوں کے ویچار اور کرم پر لگائے گئے اُن سبھی پرتی بندھوں
کا کھنڈن کرتا ہے، جنہیں شاستروں نے لگایا ہے، جنتا نے نہیں۔
۵۔ ہندوں کے اُنکے جنم سیدھ ادھیکاروں کے علاوہ انیہ ادھیکاروں
سے کیول قانون کے دوارا ہی ونچیت کیے جا سکتا ہے۔ قانون، جس کا
نی شیدھ نہیں کرتا اُسے کرنے کی پوری چھوٹ ہندو کو ہونی چاہیے اور
قانون جسے بادھیہ کاری نہیں ٹھہراتا ہے اُسے کرنے کے لیے ہندو کو
بادھیہ نہیں کیا جانا چاہیے۔
۶۔ قانون کسی ویکتی یا ویکتیوں کے سموہ کا آدیش نہیں ہے۔ قانون
پریورتن کے لیے جنادیش ہے۔ اتیہ یہ سمّیلن ہندو سماج ویوستھا کا
کھنڈن ایک تو اس آدھار پر کرتا ہے کہ وہ سماج کو آہت کرتی ہے،
دوسرے اس آدھار پر کرتا ہے کہ وہ جنم آدھاریت ہے اور تیسرے اس
آدھار پر کرتا ہے کہ اُسے جنادیش پراپت نہیں ہے۔'' ۱۸

دیکھا جائے تو اس طرح ڈاکٹر امبیڈکر نے ہندو نظام کے ان تمام اصول وقواعد کو رد کیا جو دلتوں کی مخالفت اور حقیقت کا قتل کرتی تھی۔ اس خط اعجاز وتحریک نے ایک ملکی انقلاب کا رخ اختیار کیا۔ عوام میں اپنے حقوق کی بیداری نے اور اجلاس میں دیئے گئے خطبے نے نہ صرف ہندوستانی عوام میں بیداری کی مزید لہر دوڑائی بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ دلت ادب کی باقاعدہ شروعات 1927ء میں ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر اور ان کی تحریکوں سے ہو چکی تھی۔

حقیقت ہے کہ آج کا دلت ادب بطور خاص ڈاکٹر امبیڈکر کی ہی تحریکوں کا مکمل تصور ہے حالانکہ ڈاکٹر امبیڈکر کے علاوہ قدیم وجدید مفکروں، فلسفیوں، مصلحوں اور ادیبوں نے اسے آراستہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ لیکن یہ کہنا بالکل غلط نہ ہوگا کہ ڈاکٹر مبیڈکر کی اعجاز وتحریک نے جو کام کیا وہ کسی سے بھی نہ ہو سکا۔

اسی لیے جینت پرمار و دیگر فلسفیوں مصلحوں وادیبوں کے علاوہ ڈاکٹر امبیڈکر سے مزید متاثر ہے اس لئے جینت پرمار دلتوں کی حالات پر لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

تیرے دکھ کے

مہا کاویہ

کو میں لکھوں گا

سورج کی

جلتی چھاتی پر!

(نظم ''دلتوں کے لئے'' شعری مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں''،صفحہ 44)

درج بالا نظم سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دلتوں کی زندگی کتنی بد سے بدتر ہے جو آزادی کی اس فضا میں بھی اس قابل نہ بن سکی جو اپنے کو امراو مکمل مہذب کہہ سکے اس کی خاص وجہ برہمنواد ہے جس کی کوششیں آج بھی دلتوں کے خلاف جاری ہیں۔ دلتوں کا یہ درد جینت پرمار کو اس نظم میں مشتعل کیا ہے۔ یہ نظم ہندو نظام کی بے رحم سچائی کو بیان کرتی ہے جو آزادی کے لئے تحریکی رخ اختیار کر رہی ہے۔

دراصل دلت ادب دلتوں کی غم وغصہ، مجبوری کی پیش کش اور آزادی کے لئے بغاوت کا دوسرا نام ہے یہ بغاوت مہذب اور ترقی یافتہ حالات زندگی یا معاشرے کا متلاشی ہے۔ چتر ورن (चतुर्वर्ण) نے دلتوں کو کس قدر اچھا کھانے، پہننے، درس و تدریس کے لئے منع کیا۔ انجام یہ ہوا کہ دلت سماج غیر مہذب بن گیا۔ جس کی ترقی کے ہر دروازے میں قفل لگ گئے۔ دلت غیر مہذب معاشرے کی راز جینت پرمار کی نظم ''نرک کُنڈ کی باس'' سے عیاں ہوتی ہے۔

نرک کُنڈ کی باس

مِرے اسکول تلک آتی تھی

دھُوپ کی چھتری کے نیچے

ننگے پاؤں اُترتی تھی

نرک کُنڈ میں!

جانوروں کے چمڑے کو
نمک اور پانی میں بھگو کر
اپنے مریل پاؤں سے کر دیتی تھی صاف
بدلے میں وہ
گوشت کے ٹکڑے لے آتی تھی میرے لیے!!

آج بھی جب میں
آفس جانے سے پہلے اپنے جوتے کو
چیری پالش کرتا ہوں تب
اُس کی چمک میں
ماں کا چہرا دکھتا ہے
نرک کُنڈ کی باس
مِرے آفس تک آتی ہے! (شعری مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں'' صفحہ 46)

اس نظم کو پڑھ کر ہر کسی کا دل و دماغ دلتوں کی تباہی و بربادی کو سمجھ سکتا ہے۔ اس میں شاعر کی سوانح حیات بھی مشتمل ہے اس طرح جینت پرمار کا دلت شعور اس نظام کیخالف بغاوت کرتا ہے جو دلتوں کو غلام بنانے یا انہیں آگے آنے سے روکتا ہے۔ جینت پرمار کا دلت ادب اور دلت شعور کی مزید وضاحت کے لئے اوم پرکاش والمیکی کا دلت تصور دیکھا جاسکتا ہے۔ جو جینت پرمار کا ادبی شعور و دلت تصور ہے:

> ''دلت ساہتیہ دلت یاتناؤں (درد وغم) کی اَنوگونج (گونجنے والی آواز) بھر نہیں ہے۔ دلت ساہتیہ کی وَیا پکتا (وسعت) اسی میں ہے کہ وہ انیایہ (ناانصافی)، اتیاچار (ظلم و جبر)، سماجیک ویشمتاؤں (سماجی غیر برابری)، شوشن دمن (استحصال)، کے

ویرودھ (خلاف) ایک دیوار کی طرح کھڑا ہو جائے۔بہتر سماج کی
پَریکلپنا سا کار کرنے کے لئے۔تبھی اس کا سماجیک دایتو (سماجی ذمہ
داری)اوروَیچاریک پرتی بدھتا سیدھ ہوگی۔'' ۱۹

دلت ادب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے سی۔ بی۔ بھارتی لکھتے ہیں:

''دلت ساہتیہ کی تخلیق دلت اسمتا کی تلاش ہے۔ یہ سماجی تحقیق کا
لگا تار چلنے والا عمل اور قائم شدہ روایت کو پھر سے پرکھنے اوران کوتہس
نہس کردینے کی نہ بجھنے والی پیاس ہے۔ذات پات کے نظام سے پیدا
غیرانسانی جبر سے مکتی کی چھٹپٹاہٹ ہی دلت ساہتیہ کی بنیادی آواز
ہے۔'' ۲۰

یہ ضروری ہے کہ ادب عالیہ جس معاشرہ کا سر چشمہ ہے اس کی تصویر کشی کرے اور حقیقت پسندی و باریک بینی سے کام لے۔تنقیدی جائزہ ایک ایسا عمل ہے جوکسی موضوع اوراس کی معنویت کو ہر نقطۂ نظر سے پرکھتا ہے۔تنقیدی طرز تحریر یا تخلیقی ردعمل اس مثبت منزل کی طرف گامزن کرتی ہے جس کی بنا پر کوئی بھی سماج ترقی یافتہ ہونے کا شعور پاتی ہے۔جینت پرمار کی پوری دلت شاعری اس قول وفعل کے ہم معنی ہے۔ اُن کی شاعرانہ مفکرانہ محرکات دلتوں کی حالات زندگی کا سفرنامہ اور چتر ورن سے بغاوت ہے۔ بغاوت اس ناہیہ سے کہ چتر ورن نظام کے زیرعمل ہی دلتوں کی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔اس لئے جینت پرمار کے نقطۂ نظر میں دلت شعور وہ ہے جو اپنی تاریخ کونظر ثانی کرتی ہے اوراُن کے ساتھ ہوئے اور ہورہے چھوا چھوت، غیر برابری، عصمت ریزی اور غلام بنانے کی تمام کوششوں کی مخالفت کرتی ہے۔ساتھ ہی اپنے حقوق کے لئے جنگ وآزادئ حیات کا خواہاں بھی ہے۔جیسے مذہبی، سیاسی وسماجی وغیرہ کی آزادی ہو۔یعنی ہمیں ہمارا حق ملنا چاہیئے اور ہم اپنی ترقی اپنے حساب سے کریں گے۔یہی دلت ادب اور جینت پرمار کا بھی شعور اور مقصد ہے۔

حوالے

۱۔ کنول بھارتی، دلت ساہتیہ کی اودھارنا، بودھی ستو پرکاشن، رام پور، اتر پردیش، سن ۲۰۰۶ ص ۱۸

۲۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، اچھوت کون اور کیسے، تمہید

۳۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، شودروں کی کھوج، ص ۱۲

۴۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، شودرں کی کھوج، باب اوّل، ص ۱۶

۵۔ ایضاً، ص ۱۷

۶۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، شودرں کی کھوج، سوال ا، پٹل ۳، حصہ ۲، سوتر ۶

۷۔ ایضاً، حصہ ۲۰، سوتر ۵

۸۔ ایضاً، حصہ ۲۰، سوتر ۶۔۴

۹۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، ذات کی بیخ کنی، ص ۹۵

۱۰۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، اچھوت کون اور کیسے، باب ۱۱، ص ۸۶

۱۱۔ ایضاً، ص ۸۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۹۰

۱۳۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، ہم بودھ کیوں بنے، ص ۱۴

۱۴۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، اچھوت کون اور کیسے، باب ۱۳، ص ۱۲۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۵۔۱۱٦

۱٦۔ ایضاً، باب ۱۱، ص ۱۷

۱۷۔ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر، ذات کی بیخ کنی، ص ۷۷

۱۸۔ کنول بھارتی، دلت وِمرش کی بھومیکا، ص ۱۹

۱۹۔ اوم پرکاش بالمیکی، دلت ساہتیہ کا سوندریہ شاستر، رادھا کرشن پرکاشن، نئی دہلی، ۲۰۰۱، ص ۲۰

۲۰۔ ایضاً، ص ۹۷

باب چہارم

جینت پرمار کی شاعری کا تنقیدی جائزہ

(الف) جینت پرمار کی نظم نگاری

(ب) جینت پرمار کی غزل گوئی

(الف) جینت پرمار کی نظم نگاری

یوں تو جدید نظم کا آغاز حالؔی اور آزادؔ کی انجمن پنجاب تحریک سے ہوتا ہے۔ حالؔی اور آزادؔ نے موضوعاتی نظموں کے ذریعہ قوم کو بیدار کرنے کا کام کیا لیکن ان کے دور میں صرف پابند نظمیں لکھی جاتی تھیں۔ آہستہ آہستہ نظم کی مختلف ہیئتیں بن گئیں، آزاد نظم، نثری نظم کی شکل میں نئی نئی نظمیں سامنے آنے لگیں۔ اس کے علاوہ معریٰ نظم، سائنٹ، ترائیلے وغیرہ طرز کی نظمیں بھی لکھی جانے لگیں۔ جدید نظم کے شعراء میں ن۔ م۔ راشد، میراجی، فیض احمد فیض، مجید امجد، یوسف ظفر، قیوم نظر، ضیا جالندھری، زبیر رضوی، ندا فاضلی، گلزار، تنہا تماپوری، حمید الماس، شیدا رومانی، خالد سعید، حامد اکمل، بشر نواز، محمد علی، باقر مہدی، کمار پاشی، اختر الایمان، بلراج کومل اور جینت پرمار کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ زبیر رضوی اپنے مضمون اردو نظم کے انتخاب میں لکھتے ہیں:

> ''اس طرح نئی نظم نے اپنے شعری اظہار کو ڈائی مینشن دینے کی کامیاب سعی کی اور اس نے ترسیل کی شفافیت کو مٹ میلا ہونے نہیں دیا، احمد ہمیش اور افتخار جالب کا افتاں و خیزاں شعری ڈکشن بیشتر نظمیہ شاعری کے انتخابات میں راہ نہ پا سکا۔ میرے خیال میں آج کی نظمیہ شاعری کا سب سے زیادہ اصرار اگر کسی بات پر ہے تو وہ ضمیر اور قلم کی آزادی اور یہ کچھ طاقتوں کے ہاتھوں انسانی حرمت و ناموس کی پامالی کی ندامت و مزاحمت ہے''[1]

شعراء نے عہد حاضر کے مسائل کو پیش کرنے کے لئے نظم کو اظہار کا وسیلہ بنایا۔ چاہے وہ آزاد نظم کے

حوالے سے ہو یا نثری نظم کے حوالے سے، شعراء نے نظموں میں نئے نئے موضوعات کو پیش کیا، اس کے ساتھ نئے نئے علامتوں کو بھی پیش کیا جانے لگا۔ بلراج کومل کی نظم ''سرکس کا گھوڑا'' کو فاروقی صاحب نے بھی پسند کیا یہ ایک بہترین علامتی نظم مانی جاتی ہے۔

وہ سرکس کا گھوڑا
پریشان شہروں میں کرتب دکھاتا
تماشائیوں کے دلوں کو لبھاتا
تحیر ہنسی قہقہوں تالیوں کی فضاؤں میں
برسوں چھلانگیں لگاتا
اسی گاؤں کے ایک میلے میں پہنچا
خریدا گیا تھا جہاں سے وہ بچپن میں لیکن وہاں اب
وہاں کون تھا؟ اس کو پہچاننے والا کوئی نہیں

اس نظم کی خوبی یہ ہے کہ سرکس کے گھوڑے کی علامت شاعر کے مدعا کو موثر انداز میں بیان کر رہی ہے۔ سرکس میں تماشا دکھانا شہروں میں تماشا بننے کے برابر ہے۔ روزی روٹی کے لئے بعض وقت تماشا بننا بھی پڑتا ہے۔ اس نظم میں پریشان، میلا، ہنسی، قہقہے تالیاں اور چھلانگیں وغیرہ اس کی ذیلی علامتیں ہیں۔

جدید نظم نگاروں میں فیض احمد فیض، ن۔م۔ راشد، اور اختر الایمان نے بہت عمدہ نظمیں تخلیق کی ہیں۔ جن کی نظمیں آج بھی تازہ معلوم ہوتی ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے شعراء نے نظم کو زیادہ فروغ دیا۔ ان کی نظموں میں قومی یکجہتی اور سرمایہ داروں کے خلاف احتجاج ملتا ہے۔ علاوہ ازیں ترقی پسند شعراء نے اس وقت کے حالات کی خوب عکاسی اپنی نظموں میں کرتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں پروفیسر حمید سہروردی لکھتے ہیں:

''ترقی پسند شاعروں نے نظم کے موضوعات اور مزاج میں خوشگوار تبدیلیاں کیں اور اپنے عہد کی پر آشوب زندگی اور اس کے گونا گوں مسائل کی گونج سے نظم کو آشنا کیا۔ ان شعراء میں فیض احمد فیضؔ، سردار جعفری، مخدوم محی الدین، منیب الرحمٰن، معین احسن جذبی، کیفی اعظمی،

جاں نثار اختر، ساحر لدھیانوی اور مجاز وغیرہ نے اپنے عہد کی سیاسی اور سماجی زندگی کے ہنگاموں سے پیدا ہونے والی ذہنی اور جذباتی فضا کو اپنا موضوع بنایا اور اس طرح نظم کو معنی اور خیال کے نئے افق دکھائے۔'' ۲؎

ترقی پسند شعراء کے علاوہ حلقہ اربابِ ذوق کے شعراء نے بھی نظم نگاری میں اپنی شناخت بنائی جن میں ن۔م۔راشد، میراجی، یوسف ظفر وغیرہ نے بہترین نظمیں لکھیں۔ن۔م۔راشد نے اپنی تخلیقی بصیرت کے سبب نئے نئے تجربے کئے نئے مسائل اور اس کے کرب کو اپنی نظموں میں پیش کیا۔میراجی نے آزاد نظم میں تجربے کئے۔ ہندی لفظیات کا خوبصورت استعمال اپنی نظموں میں کیا۔اختر الایمان جدید نظم کے ایک عمدہ شاعر کے طور پر سامنے آئے وہ اپنی فکر اور لہجے کے اعتبار سے الگ تھلگ رہے۔انہوں نے سیاسی، سماجی اور تہذیبی نظریات کو عمدگی سے اپنی نظموں میں پیش کیا۔

جدید نظم اپنی نئی نئی ہیتوں اور نئے روپ کے ساتھ روشناس ہوتی گئی۔شعراء نے نیا لہجہ اور نئے طریقہ کو اپنایا۔فنی لوازمات اور ادبی روایات سے آشنا کیا۔مواد اور ہیت، موضوع وخیال میں بھی تبدیلی آتی گئی۔موجودہ دور میں ہونے والی بدعہدیوں اور نفرتوں کو بھی جدید نظم کے شعراء نے اپنی نظموں میں پیش کیا جدید نظم کے متعلق حمید سہروردی لکھتے ہیں:

''نظم کا فارم، غزل کے فارم سے زیادہ لچیلا اور آسانی سے پیچیدہ سے پیچیدہ خیال کو انگیز اور جذب کرنے والا فارم ہے۔اس طرح اردو نظم نگاری کا سلسلہ جاری وساری ہے اردو نظم امکانات کی طرف ہر دم رواں ہر لحہ دواں حرکت پذیر ہے'' ۳؎

1980ء کے بعد ابھرنے والے نظم نگاروں میں وحید اختر، خلیل الرحمٰن اعظمی، منیب الرحمٰن، شاذ تمکنت، باقر مہدی، ندا فاضلی، زبیر رضوی، بشر نواز، حمید الماس، محمود ایاز، ساجد حمید، شید ارومانی، عنبر بہرائچی، فرحت احساس، شین کاف نظام، صدیق عالم، جاوید اکرام، سلیم انصاری، ف س اعجاز، عین تابش، مرغوب علی، ریاض لطیف، نعمان شوق، جمال اویس، شکیل اعظمی اور جینت پرمار کے نام قابل ذکر ہیں۔

80ء کے بعد ابھرنے والے شاعروں میں جینت پرمار کا نام اہمیت کا حامل ہے۔انہوں نے اپنی

نظمیہ شاعری سے اپنی شناخت بنائی۔ وہ نہ صرف ایک شاعر ہیں بلکہ آرٹسٹ بھی ہیں برش اور رنگوں کے ذریعہ انہوں نے صفحہ قرطاس پر شاعری کے ساتھ خوبصورت تصاویر بھی کھینچے ہیں۔ انہیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ وہ دلت ہیں۔ اپنے دلت نظریہ کے تحت انہوں نے کئی عمدہ نظمیں تخلیق کی ہیں۔ زمانہ قدیم میں دلتوں کے ساتھ بہت سی ناانصافیاں برتی گئیں انہیں تعلیم حاصل کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ اگر کوئی غلطی سے بھی ویدوں کا پاٹھ سن لیتا تھا تو اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا۔ انہیں شہر سے باہر جنگلوں میں رہنے کے لئے بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا۔ دلتوں پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف کئی بڑے دانشوروں نے آواز اٹھائی لیکن کسی نے بھی اس برائی کا جڑ سے خاتمہ نہیں کر سکا۔

دلت ادب کا مقصد غیر انسانی سلوک اور عدم مساوات کے خلاف بغاوت کا نتیجہ ہے۔ اس کی ابتدا جدوجہد اور آندولن سے ہوتی ہے۔ دلت ادب دراصل ڈاکٹر امبیڈکر کے نظریات اور کوششوں کا مرہون منت ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر دلت کے لئے ایک مسیحا بن کر ابھرے۔ انہوں نے ایک منظّم تحریک چلائی۔ دلتوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے لئے بھی امیڈکر نے بہت سی کوششیں کی۔ دلت ادب کے متعلق ڈاکٹر اعظم انصاری اپنی کتاب ''دلت ادب نظریہ ور جحان'' میں لکھتے ہیں:

> ''دلت ادب جیوتی با پھولے اور ڈاکٹر امیڈکر کے فلسفے پر مبنی ہے۔ یہ مذہبی روایت پرستی، برہمنوادی اور طبقاتی نظام معاشرت، غیر انسانی سلوک اور چھوا چھوت کو جڑ سے ختم کرنا چاہتا ہے۔ دلتوں کے لئے سماجی برابری کے لئے ادیبوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ دلت ادب کا رشتہ زمانۂ قدیم سے جوڑتے ہیں اور کچھ لوگ 1960ء کے بعد سے، لیکن جہاں تک دلت ادب کا سوال ہے تو صحیح معنوں میں یہ 1960ء کے بعد کا ادب ہے۔ جو لوگ اس کا رشتہ زمانہ قدیم سے جوڑتے ہیں اس کے بارے میں بھی جاننا ضروری ہے کہ وہ کس بنیاد پر ایسا کہہ رہے ہیں''۔[4]

قدیم زمانے میں برہمنوں نے مذہبی کتابوں کا حوالہ دے کر دلتوں کو یہ بتایا کہ وہ تعلیم سے دور

رہیں۔ مذہبی دانشوروں میں سب سے پہلے گوتم بدھ نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ پہلے زمانے میں ایک کتاب دلتوں کی حمایت میں لکھی گئی تھی جس کا نام ''وجرسوچی'' ہے راجہ رام موہن رائے نے اس کتاب کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب ذات پات کے نظام کے خلاف احتجاج کرنے کیلئے ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوئی۔اس زمانے کے شعراء نے بھی دلت ادب پر توجہ دی۔کبیر داس کے یہاں بھی دلت ادب کا تصور ملتا ہے۔کبیر داس، ریداس کے بعد جن لوگوں نے دلتوں کے حقوق کے لئے آواز اٹھائی ان میں مہاتما جیوتی با پھولے اور نارائن گرو(پریار) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ان لوگوں نے دلتوں کو یہ احساس دلایا کہ وہ ایک تعلیم یافتہ قوم بن کر دکھائیں۔مہاتما جیوتی با پھولے کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر دلتوں کے رہنمائے اعظم بن کر سامنے آئے،انہوں نے دلتوں کو سیاسی سماجی مذہبی اور اقتصادی حقوق دلانے کے لئے کئی تنظیمیں اور تحریکیں چلائی۔اعظم انصاری ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

> ''دلت ادب کو مواد کی فراہمی کے سلسلے میں ''موک نائک'' نام کے اخبار کا بہت اہم روم رہا ہے۔ یہ اخبار ڈاکٹر امیڈکر نے ۳۱رنومبر 1920ء کو نکالا اوراس کے ذریعہ دلتوں پر ہونے والے ظلم و جوراور نا انصافی کو انگریزی سرکاراور انسانیت پسند ہندوستانی عوام تک پہنچانے کا کام کیا''۵؎

کچھ عرصہ بعد ''موک نائک'' اخبار بند ہوگیا پھر 13/اپریل 1927ء کو ڈاکٹر امبیڈکر نے ''بہشکرت بھارت'' نام کا اخبار نکالا۔اس اخبار کے ذریعہ دلتوں کے جذبات واحساسات کو زبان آ گئی۔پھر سمتا سماج والوں ''سمتا'' نام کا رسالہ 29/جون 1928ء کو نکالا یہ بعد میں جنتا نام سے شائع ہونے لگا۔ان اخبارات ورسائل کے ذریعہ ڈاکٹر امبیڈکر کرنے دلتوں کے مسائل ومصائب کو عوام سے متعارف کروایا اور دوسرے دلت ادیبوں کی ہمت افزائی بھی کرتے رہے۔امبیڈکر یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ دلتوں کی سب سے بڑی ضرورت تعلیم ہے۔انہیں کسی طرح تعلیم یافتہ بنایا جائے۔اگر یہ لوگ تعلیم حاصل کریں گے تب ہی ان میں بیداری آئے گی۔امبیڈکر کرنے دلت سماج کے لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے 1946ء میں بمبئی میں ''سدھارتھ'' ڈگری کالج اور اورنگ آباد میں ملند ڈگری کالج قائم کیا۔ڈاکٹر چندر کمار ورٹھے

دلت ادب کے پہلے اجلاس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''1953ء میں اورنگ آباد (مراٹھواڑہ) کے پروفیسر شری سکھ رام ہیو رالے کی صدارت میں ممبی میں دلت ساہتیہ پریشد کا اجلاس ہوا تھا۔ یہ دلت ساہتیہ کاروں کا پہلا اجلاس مانا جاتا ہے۔ اسی اجلاس سے سچے معنوں میں اس آندولن میں حرکت پیدا ہوئی اور دلت ساہتیہ کاروں میں بیداری بڑھنے لگی، جس کے نتیجے میں مختلف جگہوں پر سمیلن، اجلاس، بحث ومباحثہ وغیرہ منعقد ہونے لگے''۔[6]

دلتوں کے خلاف ہونے والے ظلم وستم اور ناانصافی کو کچلنے کے لئے دلت پینتھر تحریک نے اہم رول ادا کیا۔ یہ ایک شدت پسند تنظیم تھی۔ دلت پینتھر نے اپنے حقوق کو حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کرتے رہے۔ اس تحریک میں شعراء ادبا بھی شامل تھے۔ دلت ادب کو پروان چڑھانے میں رسالے اور سمیناروں کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔ اخباروں اور رسالوں کے علاوہ دلت ادب پر ہوئے سمیناروں نے بھی دلت ادب کی تحریک کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کیا۔ دلت ادب کی ابتداء مہاراشٹرا سے ہوئی اور مراٹھی زبان کے دلت ادیبوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کے نظریات سے متاثر ہو کر دلت ادب تخلیق کیا۔ 1960ء کے بعد دلت ادب کے متعلق چرچا شروع ہوئی دلت مسائل ومصائب کو دلت ادب میں جگہ ملتی گئی اس طرح دلت سماج میں بیداری آتی گئی۔ ڈاکٹر اعظم انصاری لکھتے ہیں:

''اردو میں دلت ادب کی ترقی اس طرح سے نہیں ہوئی جیسی مراٹھی، ہندی اور ہندوستان کی دوسری زبانوں میں ہوئی۔ اردو میں لکھنے والے زیادہ تر ادیب غیر دلت سماج سے ہیں۔ آج ہندوستان کی دوسری زبانوں سے جڑے مسائل خود پیش کر رہے ہیں، مگر اردو ادب میں دلت ادیب خال خال دکھائی دے رہے ہیں جو اپنے اور اپنے سماج کے دکھ درد اور مسائل کو خود بیان کر رہے ہیں''۔[7]

اردو میں دلت ادب پر بہت کم لکھا گیا ہے کیونکہ اردو کے شاعر ادیب زیادہ تر غیر دلت ہوا کرتے

ہیں اور وہ دلتوں کے متعلق بہت کم جانتے ہیں۔ اردو ادب میں تو خیر کم لکھا گیا لیکن خود دلتوں نے بھی اپنے دلت ادب پر بہت کم لکھا ہے۔ ان کے مسائل ہر اونچے طبقے کے لوگوں نے زیادہ لکھا ہے اردو کے غیر دلت شاعروں میں علامہ اقبال، فراقؔ، یعقوب راہی، ندا فاضلی، چندر بھان خیال، صادقہ نواب سحر وغیرہ نے دلت ادب پر قلم اٹھایا ہے۔ جینت پرمار نے بھی دلت ادب پر اپنی نظمیں قلم بند کی ہیں محمد حسن اردو میں دلت ادب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''یہ صحیح ہے کہ ابھی تک کم سے کم اردو میں صحیح معنوں میں دلت ادب پیدا نہیں ہوا ہے یعنی ایسا ادب جسے خود دلت سماج سے تعلق رکھنے والوں نے تخلیق کیا ہے لیکن اتنا ضرور ہوا کہ دلت طبقوں سے ہمدردی رکھنے والوں کی طرف سے اس قسم کی ادبی تخلیقات ضرور سامنے آنے لگیں''۔ ۸؎

اردو میں دلت ادب کو جینت پرمار نے تفصیل سے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے جینت پرمار کی نظموں کا تفصیلی جائزہ لینے سے قبل ہم دیکھیں گے کہ دیگر شعراء نے کس طرح دلت ادب کو پیش کیا ہے۔ صادقہ نواب سحر نے اپنی نظموں میں دلت ادب کو اپنے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ دلت سماج کا درد و کرب اور ان کے مسائل و مصائب صادقہ نواب سحر کی اس نظم سے جھلکتے ہیں۔ ان کی نظم ''اگلی پیڑھی'' کے یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

سنا
دلتوں کے ایک پورے گاؤں نے
دھرم پریورتن کرلیا
پوچھا تو کہا
ہمیں نہ سہی
ہماری اگلی پیڑھی کو
اس کا فائدہ ضرور ہوگا
کم سے کم وہ تو

اچھوت اور چھوٹی ذات

نہیں کہلائے گی

جینت پر مار نے اپنی نظموں میں دلتوں کی بھر پور عکاسی کی ہے وہ پہلے دلت شاعر ہیں جنہیں ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں صدیوں سے دلتوں کے ساتھ برتے جانے والے بھید بھاؤ کوان کے اوپر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کی۔اور اپنے کلام میں بڑی عمدگی سے ان مسائل کا جائزہ لیا ہے۔

جینت پر مار کا بچپن انتہائی غریبی میں گذرا ہے انہوں ان غریبی کے دنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔دراصل وہی جذبات واحساسات آگے چل کر جینت پر مار کی شاعری میں ڈھل گئے وہ بچپن میں دیکھتے تھے کہ ماں نیم کی چھاؤں میں میلی کچلی گدڑی لے کر چار پائی پر بیٹھ جاتی ہے اور پھٹے جگہوں پر پیوند لگاتی۔ان غریبی کے دن کو جینت پر مار بھولے نہیں تھے اور اسی یاد کو تازہ کرتے ہوئے انہوں نے ایک نظم بھی لکھی تھی۔

تیز دھوپ آنگن تک پھیلی

نیم کی چھاؤں میں

پھٹی پرانی گدڑی لے کر

چار پائی پہ بیٹھ ماں

پیوند ایسے سال اس نے

اپنے ساتھ گذارے

سڑیل بدبو کی صحبت میں

بچپن سے میں دیکھ رہا ہوں

اس کے پھٹ جاتے ہی

اور نیا پیوند لگتا ہے

روز نیا سپنا ہنستا ہے

جینت پر مار نے اس نظم میں اپنی مفلسی کی زندگی کا تذکرہ کیا ہے۔جینت پر مار اردو زبان سے نابلند

تھے انھوں نے بہت بعد میں اردو زبان اپنی محنت لگن سے سیکھی اپلس برج کے پیچھے سابرمتی ندی کے کنارے پر ہفتہ وار میلہ میں پرانی کتابیں ملتی تھیں جن میں ''لپی شکشکا'' نامی کتاب جینت پرمار کے ہاتھ لگ گئی تب انھوں نے وہ کتاب خریدی اور اردو رسم الخط سیکھنے لگے۔ پھر ٹوٹے پھوٹے شعر کہنا شروع کیا۔ آخر کار ان کی محنت رنگ لائی اور ان کی لکھی نظمیں رسائل میں شائع ہونے لگیں تب وہ سمجھنے لگے کہ انھوں نے جو بھی لکھا ہے وہ سہی ہے۔ ان کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں ''اور'' پنسل اور دوسری نظمیں'' مانند'' انتر ال'' اور ''نظم یعنی'' شائع ہو کر مقبولیت پا چکے ہیں۔ جینت پرمار کا شعری سفر 1990ء کے آس پاس شروع ہوتا ہے۔

مجموعہ ''اور'' 1999ء میں گجرات اردو ساہیتہ اکادمی کی جزوی مالی تعاون سے ماڈرن پبلی کیشنز دہلی سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ کا انتساب انھوں نے اپنے والدین کے نام کیا ہے۔ اس مجموعہ میں نظموں کی تعداد زیادہ ہے۔ غزلیں بہت کم ہیں۔ جینت پرمار یوں تو نظم کے ہی شاعر ہیں لیکن انھوں نے غزلیں بھی اچھی کہی ہیں۔ شاعری کی ابتداء انھوں نے غزل سے کی تھی لیکن ان کا رجحان آگے چل کر نظموں کی طرف ہوتا گیا۔ اور انھوں نے آزاد نظمیں لکھی، کہیں کہیں نثری نظمیں بھی ملتی ہیں۔ آزاد نظم کی تعریف یہ ہے کہ اس میں بحر ہوتی ہے اور وزن بھی ہوتا ہے لیکن ہر مصرعہ چھوٹا بڑا ہوتا رہتا ہے جبکہ نثری نظم میں بحر نہیں ہوتی صرف آہنگ ہوتا ہے۔ جینت پرمار کے پہلے مجموعہ ''اور'' کے پیش لفظ میں ممتاز شاعر ادیب بلراج کومل لکھتے ہیں:

> ''اور'' کی اشاعت کے بعد ان کی شاعری کے تعلق سے دائرہ اظہار میں آنے والی ناقدین اور قارئین کی آرا سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کلام کو صرف پسند ہی نہیں کیا بلکہ اس کے نمایاں پہلوؤں کا واضح طور پر اعتراف بھی کیا گیا جینت پرمار کا تخلیقی سفر 1999ء میں ''اور'' کی اشاعت کے بعد ان کے فطری انہماک اور دلآویزی کے ساتھ جاری رہا'' 9

جینت پرمار ایک دلت ہونے کے باوجود بھی انہیں اذاں کی آواز بہت اچھی لگتی تھی اس بات کا ذکر انھوں نے ایک انٹرویو میں کیا ہے۔ اسی سبب انھوں نے اپنی ایک نظم ''نماز'' کے موضوع سے قلمبند کی ہے یہ

بالکل ہی چھوٹی سی نظم ہے۔اس نظم میں انہوں نے کہا ہے کہ انکی انگلیاں کورے کاغذ کی مسجد میں پانچ وقت نماز پڑھتی ہیں۔یعنی کہ وہ اپنے آپ کو اُصول وضوابط کا پابند بتاتے ہیں۔دوسری نظم ’’صراحی نظم کی ٹوٹی‘‘ کے موضوع پر ہے۔یہ بڑی اہم نظم ہے۔یہ ایک علامتی نظم ہے اس نظم میں صراحی ایک استعارہ ہے۔شاعری اور صراحی میں نزاکت اور خوبصورتی، چمک، رونق اور شفافیت کی مناسبت ہے۔

جینت پرمار نے صراحی کو شاعری کا استعارہ بنا کر پیش کیا ہے۔جس طرح صراحی کے پانی سے پیاس بجھتی ہے اور چہرہ گلنار ہوتا ہے سرور اور خوشی کی کیفیت طاری ہوتی ہے آدمی بے خود ہو جاتا ہے اسی طرح نظم کا قاری بھی اس کے معنی کو پی کر ایک لازوال مسرت حاصل کرتا ہے۔اس نظم کا تجزیہ کرتے ہوئے ابہام رشید لکھتے ہیں:

’’پچھلی کچھ نسلوں کے شاعروں نے اس صراحی کو گڑھنے کے بعد اسے خوبصورت اور دل فریب بنانے کے بعد ہمیں سونپا تھا کہ ہم اسے مزید دل کش، من موہنی، زیادہ چمکدار زیادہ رنگین اور نفیس بنائیں، لیکن ہائے افسوس ہمارے غیر تربیت یافتہ ذہن اس ضمن میں کچھ نہ کر سکے حتی کہ اس صراحی کو بحفاظت بھی نہ رکھا سکے اور آخرش جس کا خدشہ تھا وہی ہوا ۔صراحی ٹوٹ گئی اس حادثۂ عظیم سے پورا ایوان شاعری لرزہ براندام ہے اس کی دھمک نے شاعروں اور قاریوں کو مفلوج بنا دیا ہے۔‘‘ ۱۰

جینت پرمار نے اس نظم میں شاعروں پر طنز کیا ہے وہ آج کل جس طرح کی شاعری کر رہے ہیں اس نظم کی صراحی ٹوٹنے کا خدشہ ہے۔شاعر کا اصل مقصد یہ ہے کہ شاعر کے معیار کو برقرار رکھا جائے اور نظموں میں نئے نئے خیالات کو پیش کیا جانا چاہیے دراصل ہمیں شاعری کا معیار بدلنا چاہیے۔’’صراحی نظم کی ٹوٹی‘‘ سے چند لائن پیش کئے جاتے ہیں۔

صراحی نظم کی ٹوٹی
چمکتی فرش پہ لیکن
صراحی کی صدائیں

میرے دل میں تیر کی مانند چھبتی کیوں نہیں ہیں!
جڑوں کے ساتھ میں باہر نکل آیا
صراحی خون میں لت پت
دھما کہ سارے کمرے میں ہے بکھرا!

شاعر نے مزید کہا ہے کہ آج کل کی شاعری میں ویسی علامتوں کا استعمال نہیں ہو رہا ہے اور نہ ہی استعاروں کا استعمال آج کی شاعری میں ملتا ہے صرف وہی پرانے ردیف قافیوں کو جوڑ کر شاعری لکھی جا رہی ہے۔ان سب باتوں کو لے کر شاعر اداس ہو گیا ہے اور یہی فکر شاعر کو اندر ہی اندر کھائی جا رہی ہے۔ایک اور جگہ ابہام رشید رقمطراز ہیں:

''نظم کی زبان نہایت ہی سادہ مگر پر اثر ہے۔شاعر کسمپرسی کے عالم میں اپنی ذات کے ساتھ محو گفتگو ہے۔ پورا مکالمہ یک طرفہ ہے۔اسی وجہ سے کربناک بھی ہے اور اذیت ناک بھی۔شاعر نے سوچے سمجھے انداز میں بات شروع کی ہے۔صراحی کا ٹوٹنا ایک منظر ہے اور کھنڈر میں لڑتے کبوتروں اور فاختاؤں کی اڑان، ان کے خون برساتے زخمی پروں کا بیان دوسرا منظر''[11]

جبینت پرمار نے اس نظم میں پیکر تراشی کی ہے۔شعراء کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ شاعری کیسی ہونی چاہیے۔اور موجودہ عہد کی بھی ترجمانی کی ہے موجودہ دور میں ہونے والے ظلم اور بے بسی کو بھی نہایت ہی چابک دستی سے پیش کیا ہے۔بہر کیف ''صراحی نظم کی ٹوٹی'' کے مطالعے سے نہ صرف شاعر کے جذبات و احساسات جاگ جاتے ہیں بلکہ قاری کے بھی احساسات بیدار ہونے لگتے ہیں۔

جبینت پرمار کی زبان یوں تو گجراتی ہے لیکن انہیں اردو زبان زیادہ پسند ہے انہوں نے گجراتی میں بھی نظمیں لکھی ہیں۔وہ ایک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ مصور بھی ہیں۔ان کی شاعری میں مصوری کی جھلک جابجا نظر آتی ہے۔رسالہ'' آج کل'' کے ایڈیٹر محترم خورشید اکرم اداریہ میں رقم طراز ہیں:

''جبینت پرمار کی نظموں میں شاعر اور پینٹر کا وجدان اور تخلیقی شعور ہم

آمیز ہوتا نظر آتا ہے۔ یہ ان کا ایک اختصاص ہے۔ دوسری خصوصیت
ان کی دلت نظمیں ہیں اردو ادب کے دامن کو دلت نظموں سے بھرنے
والے وہ واحد شاعر ہیں یوں تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جینت پرمار اردو نظم کی
شاندار روایت میں کچھ اضافہ کیا ہے''۱۲؎

ایڈیٹر خورشید اکرم نے جینت پرمار کے متعلق بڑی عمدہ رائے پیش کی ہے۔ واقعی جینت پرمار اردو نظم کی روایت میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ اردو دلت ادب کی اتنی عمدگی سے جینت پرمار سے قبل کسی نے بھی نہیں پیش کیا تھا۔ دلتوں کے مسائل برسوں سے موضوع بحث رہے چاہے وہ پرانہ زمانہ ہو یا موجودہ دور، زمانے والوں نے ذات پات کے فرق کو ہر دور میں امتیاز برتا ہے۔ مجموعہ ''اور'' میں دلت نظموں کا مخصوص ذخیرہ موجود ہے ان کی نظموں میں ''منو'' ، ''میری کویتا تیز نکیلا خنجر ہے'' ، ''نظم نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا'' ، ''اُپرا'' ، ''پتھر اور پوسٹر'' ، ''کالا سورج'' ، ''گدڑی'' اہمیت کے حامل ہیں۔ جینت پرمار کی دلت نظم نگاری کے متعلق بال گنگا دھر لکھتے ہیں:

''جینت پرمار اردو کے پہلے دلت نظم نگار ہیں یہ ان کی عظمت کی بہت
بڑی دلیل ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ ان پڑھ ماں باپ سے تعلیم وراثت
میں نہیں ملی جس کی وجہ سے انہیں مزید جدوجہد کرنا پڑا اور بڑی مشقت
کے بعد اردو سیکھی اور شاعری کرنی شروع کی قابل غور ہے کہ جینت پر
مار اگر عام موضوع پہ شاعری کرتے تو حیرت کی بات نہ ہوتی کیونکہ
شاعری کا پس منظر قدیم وسیع ہے کہ کوئی بھی شاعرانہ مزاج رکھنے والا
چند شعر کہہ ہی لیتا ہے لیکن انہوں نے اردو شاعری کے عام موضوع کے
ساتھ دلت مسائل اور اس کی قدر و قیمت کا جو احاطہ کیا ہے وہ قابل
تعریف ہے''۱۳؎

یہ بڑی قابل تعریف بات ہے کہ جینت پرمار نے اپنی مادری زبان نہ ہونے کے باوجود بھی اردو زبان کو اپنایا نہ صرف زبان سیکھی بلکہ اردو زبان میں نظمیں اور غزلیں کہی یقیناً انکی نظمیں دلت ادب کا عمدہ

سرمایہ ہیں۔جینت پرمار کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہر نظم کے ساتھ پہلے صفحہ پر اس نظم کے متعلق تصویر کھینچ دیتے ہیں کیوں کہ وہ ایک اچھے مصور بھی ہیں ان کا آرٹ ان کے شعور میں مضمر ہے۔جینت پرمار اپنی شاعری کے ذریعہ نہ صرف ہمارے دل و دماغ میں تصویر کھینچتے ہیں بلکہ مصوری انکی شاعری کے لئے عمدہ عمل ہے۔شاعری اور مصوری دونوں کی آمیزیش سے وہ اپنی بات کہتے ہیں۔

نظم ''ایک ابسرڈ شام'' اس نظم میں جینت پرمار نے کسی اداس شام کا تذکرہ کیا ہے۔منظر نگاری اس نظم کا خاصہ ہے۔شام کا وقت ہے سورج غروب ہورہا ہے شاعر سمندر کے کنارے کھڑا ہے اور سورج غروب ہورہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورج سمندر کے اندر چلا جارہا ہے۔اس نظم میں علامتیں بھی ہیں ''سرخ رومال' یہ علامت ہے آسمان کی سرخی کی۔آہستہ آہستہ شام رات میں بدل جاتی ہے اور ستارے نکلنے لگتے ہیں جیسے ہی رات ہوتی ہے شاعر دیا سلائی سے چراغ روشن کرتا ہے شاعر نے اس نظم کا خوبصورت منظر کھینچا ہے۔

سمندر

سورج کی لہروں میں

خود کو ڈوبتے دیکھ رہا ہے

یا

سمندر

ڈوب رہا ہے

نظم ''میرے تن کی دھوپ کو بادل کردے'' اس نظم میں شاعر کے جذبات واحساسات اندر ہی اندر پگھل رہے ہیں انہیں باہر لانے کے متعلق کہہ رہا ہے جس طرح دھوپ کی تیزی سے پریشان ہوکر لوگ بارش کی دعا مانگتے ہیں اسی طرح شاعر بھی خدا سے التجا کررہا ہے کہ تو چاہے تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔تیرے اشارے پر سب کچھ ہے۔میرے تن کی دھوپ کو بادل کردے۔

کورے ورق پر

سیاہی جیسے کالے بادل

سبز ہرے پتوں سے جھانکتا موسم

خوشبو کے سائے میں اُڑتی
رنگ برنگی تتلی
پھولوں کے پیالوں میں شبنم
آسمان سے باتیں کرتی چڑیا
موجوں کی مٹھی میں مچھلی
کھڑکی سے کمرے میں گھستا
تیز ہوا کا دریا
کھلتی دھوپ سے روشن منظر

صدیوں سے برہمنوں نے دلتوں کو کمزور اور حقیر سمجھتے آئے ہیں۔ برہمنوں کا ایک نظریہ ہے' منو اسمرتی' اس نظریہ کے مطابق برہمن منہ سے پیدا ہوا ہے۔ کشتریہ باہوں سے، ویشہ زانوں سے اور شودر اس کے پیر سے پیدا ہوئے۔ آج ہندوستانی سوسائٹی میں جو غیر برابری ہے اس کا منبع وید کا یہی منتر ہے سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر برہمن منہ سے پیدا ہوا ہے تو آج وہ منہ سے پیدا کیوں نہیں ہوتا؟ دراصل اسی نظریہ کی سخت مخالفت دلت کرتے ہیں خاص طور پر جینت پرمار نے برہمووادی کے اسی نظریہ پر طنز کرتے ہوئے اپنی نظم ''منو'' تخلیق کی ہے نظم کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

ایک نہ ایک دن
گھرے کے آگے
نیم کی شاخ پہ
ننگا کر کے
لٹکا دوں گا تجھ کو منو!
تیری رگوں کو چیر پھاڑ کر دیکھوں گا
تو نے پیا ہے کتنا لہو
میرے بزرگوں کا!

ہندو مذہب میں ''منوسمرتی'' کو خاص اہمیت حاصل ہے اس میں منو نے جہاں ویدی عہد کے چاروں نظام کو قائم رکھا ہے وہیں شودروں اور پسماندہ طبقے کے لئے بہت سے غیر انسانی اصول بھی مقرر کئے ہیں چنانچہ دلت طبقہ میں منو اور اس کی سمرتی کے خلاف سخت غم وغصے کا اظہار ملتا ہے۔جینت پرمار نے بھی اپنی اس نظم ''منو'' میں وہی غصہ کا اظہار کیا ہے۔صدیوں سے جینت پرمار کے بزرگوں کو منو نے جو ظلم وستم دئے ہیں اس نظریہ پر قائم رہتے ہوئے برہمنوادی نے دلتوں پر جس طرح سے ظلم ڈھائے ،شاعر چاہتا ہے کہ اس کا بدلہ وہ منو سے لے اور اسے نیم کی شاخ پر ننگا لٹکانا چاہتا ہے اور ایک نہ ایک دن اس کی کھال ادھیڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دوں گا جس طرح تو نے میرے اجداد کو مارا ہے میں تجھے بھی ویسا ہی ماروں گا۔اس طرح کے غم وغصے کا اظہار شاعر نے اس نظم میں کیا ہے۔ان کی اس بے باکی کے متعلق بال گنگادھر لکھتے ہیں:

''جینت پرمار ہندو مذہب کی سچائی کو بیان کرنے میں جواں مردی سے کام لیتے ہیں۔انہیں زمانے کا خوف نہیں ان کے احساس وتجربہ سے نکلا ہر لفظ شعلہ نوا اور درد کا امڑتا سیلاب ہے۔ان کی یہ بے باکی اگر نرم زبان میں بیان ہوتی تو اس کی اثر آفرینی مرجاتی اس لئے انہوں نے بے باکی سے ہندو مذہب کی ان حکمت عملی کا پردہ فاش کیا ہے جو دلتوں کی پست حالی کی ذمہ دار ہیں''۔ [۱۴]

برہمنواد اور دلتوں کی لڑائی بہت پرانی ہے۔ہر دور میں دلت سماج اس کے خلاف باغیانہ صدا بلند کی لیکن برہمنواد اپنی حرکت سے باز نہیں آیا۔آج بھی یہ جنگ جاری ہے۔ایک بات یہاں غور طلب ہے کہ منوادی نظام کہتا ہے کہ ''مہمان بھگوان ہوتا ہے'' اور یہی برہمن لوگ جب ان کے گھر کوئی دلت مہمان کی صورت میں آئے تو اس کی مہمان نوازی تو دور اسے گھر میں آنے کی اجازت تک نہیں دیتے۔چھوا چھوت ایک Psycological لفظیات ہے برہمنوں نے اس طرز عمل کو نافذ کرنے کے ساتھ ہی اسے نیست ونابود کرنے کے طریقے بھی بتائے۔جینت پرمار نے برہمنوادی نظام کے خلاف پرزور احتجاج اپنی شاعری میں کیا ہے۔اس کے علاوہ دیگر موضوعات بھی جینت پرمار کی شاعری میں ملتے ہیں۔بقول بال گنگادھر:

''جینت پرمار کی شاعری دلتوں کو صرف تشفی نہیں دیتی بلکہ دوش بدوش

ہوکر لڑنے کے لئے آمادہ بھی کرتی ہے۔ وہ اس بات کے قطعی منتظر نہیں
کہ آزادی ملے گی۔ اس لئے وہ اس لمحے کو بھی ضائع کرنا نہیں چاہتے۔
ان کی درد و کرب میں لپٹی نظمیں اگر منو وادیوں کا راز فاش کرتی ہیں تو
دوسری طرف دلتوں کو آگاہ بھی کرتی ہیں یہ ان کا کمال فن ہے کہ درد سے
پر لہجے میں بیداری اور بغاوت کا شعور پیدا کرتے ہیں۔'' ۱۵؎

جینت پرمار نے دلتوں پر ہونے والے ظلم و جبر اور استحصال کے خلاف جس شدت سے احتجاج کیا ہے اتنی شدت سے آج تک کسی اردو زبان کے شاعر نے نہیں کیا وہ اردو کے اکلوتے دلت شاعر ہیں جنہوں نے دلت ادب پر اتنی زیادہ نظمیں کہی ہیں۔ دلت موضوعات پر لکھی گئی ان کی اہم نظموں میں ''دلت کوئی کی وصیت''، ''منو''، ''میری کویتا تیز نکیلا خنجر ہے''، ''اُپرا''، ''منو تیری قسمت ہے کالی'' وغیرہ نظموں میں دلت ادب پر گہری روشنی ڈالی گئی ہے۔ دلت ادب نظریہ ور جحان کتاب میں اعظم انصاری رقم طراز ہیں:

''جینت پرمار کی جن منظومات میں دلت شاعری کے اساسی مسائل اور افکار و نظریات معرض بیان میں آئے ہیں ان میں دلتوں کے لئے ''دلت کوئی کی وصیت'، نرک کنڈ کی باس'، ہزاروں ہاتھ'، جوتے'، منو'، میری کویتا تیز نکیلا خنجر ہے'، اپرا'، سامعین'، سات آسماں سے دور'، پتھر اور پوسٹر'، آکروش'، مندر'، فتحیاب'، ترشول کے ہاتھ میں'، میرے بھائی جو میرے بعد زندگی بیچیں گے'، کیفیت'، سپنا دیکھنے والے ہاتھ'، منو تیری قسمت ہے کالی'، جناور'، میری جنگ روٹی کی نہیں'، ذات (۱) ذات (۲) گیندا (۱) ڈپریشن (۱) ڈیپریشن (۲) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان دلت نظموں میں متعدد سماجی، سیاسی، معاشی اور نفسیاتی موضوعات و معاملات کے زاویے روشن ہوتے ہیں'' ۱۶؎

مجموعہ ''اور'' میں شامل نظم ''امجد علی خاں کا سرود وادن'' نظم کے عنوان سے ظاہر ہو رہا ہے کہ امجد علی خاں ایک معروف موسیقار ہیں انکی موسیقی کے متعلق شاعر نے نظم کہی ہے۔ دراصل یہ نظم شاعر نے انکی موت

پر کہی ہے۔استاد امجد علی خاں بھارت کے ممتاز سرود نواز فنکار ہیں۔انہیں ثقافت اور موسیقی کی ترویج کے لئے اپنی بے پناہ خدمات کے بدلے میں ریاست آسام کے نجی شعبے کی یونیورسٹی کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے نوازا جا چکا ہے۔ 2001ء میں انہیں پدم بھوشن جیسا بھارت کا دوسرا اعلیٰ ترین اعزاز سے بھی نوازا گیا ہے۔جینت پرمار کی لکھی اس نظم کا آخری بند ملاحظہ کیجئے۔

دیواروں پہ اندردھنش
رکی ہے ساری کائنات میری کھڑکی میں
انگلیوں سے بہتا ہے
اجلی کرنوں کا دریا
کوئی مجھ کو کھینچ رہا ہے
سُر کے اتسو میں

جینت پرمار نے اسنظم کا آغاز بارش کی منظر نگاری سے کیا ہے اور امجد علی خاں کے لئے ہنستا ہوا سرخ گلاب کا استعارہ استعمال کیا ہے۔اور بادل کا آکاش بھی کہا ہے۔ایک بڑا موسیقار دنیا سے رخصت ہو گیا۔ میں جب پلٹ کر پیچھے دیکھتا ہوں تو مجھے مایوسی ہوتی ہے کہ اچانک ایک سورج غروب ہو گیا اسطرح شاعر نے استاد امجد علی خاں کی موت پر اپنے دلی جذبات واحساسات کو اپنی اس نظم ''امجد علی خاں کا سرود وادن'' میں پیش کیا ہے۔

چھوا چھوت کا درد دلت صدیوں سے سہتے آرہے ہیں برہمنوں نے یہ درد دلتوں پر عائد کیا ہے۔ برہمن دلتوں سے نفرت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ گوشت خور ہیں اور بدھ مذہب کے ماننے والے ہیں۔یہیں سے چھوا چھوت کا جنم ہوتا ہے۔منو نے اسے اپنی کتاب ''منواسمرتی'' میں مذہبی وقانونی جامہ پہنایا اور شودروں کو غیر مذہب وغلام بنانے کا قانون لکھا گیا۔سوچنے کی بات ہے کہ دلت شودر طبقے میں نہیں آتے انہیں اتی شودر کہا گیا ہے۔یہ شودروں سے بھی نچلے سمجھے جاتے ہیں۔اب یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ اگر شودروں کے ساتھ ایسا برتاؤ ہوا جو نہایت حیوانیت کا تھا تو بھلا اتی شودروں کی کیا اوقات تھی بال گنگا دھر اپنی کتاب جینت پرمار کا دلت تصور میں لکھتے ہیں:

''آج دلت سماج ترقی کی راہ طے کر رہا ہے پھر بھی اسے عزت وشہرت کا وہ مقام نہیں ملا جس کی اسے ضرورت ہے اور جیسا کہ ہندوستان کے آئین میں رقم کیا گیا ہے عزت شہرت پانے کی انقلابی مہم آج دلت سماج میں زوروں پر ہے جس کا مخصوص اثر سوسائٹی کے دیگر طبقوں اور مرحلوں کے ساتھ ادب پر غالب ہے۔ادبی حلقے میں چھوا چھوت سے آزادی وحقوق کو حاصل کرنے کی معرکہ آرائی رونما ہورہی ہے یہ ادب کی شعوری کوشش ہے جو عمل و اصولی زندگی کے رگ و پے میں ایک مقام متعین کرنا چاہتا ہے اسی کارگزاری کی خواہاں جینت پرمار کی شاعری ہے۔''۱۷

جینت پرمار خود بھی دلت ہیں اسی سبب انہوں نے دلتوں کی ترجمانی اپنی شاعری میں اچھے ڈھنگ سے کی ہے۔وہ بہتر جانتے ہیں کہ برہمنوں نے ان کے اجداد کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔اگر کوئی اچھوت وید سنیں تو اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا، اگر وید پڑھتا ہے تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی، اچھوتوں کو اچھے کپڑے پہننے کی بھی اجازت نہیں تھی انہیں کوئی عزت سے پیش نہیں آتا تھا۔ یہ تمام قوانین اچھوتوں کو غلام بنانے کے لئے ہندوستانیوں نے بنائے تھے۔کبیر کہتے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں پلنے والے بچے کی کوئی ذات نہیں ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی ہے۔راقم الحروف بھی اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں پلنے والا بچہ چاہے کسی بھی ذات سے تعلق رکھتا ہو اس کی کوئی ذات نہیں ہونی چاہیے۔اور اگر ایسا مان بھی لیا جائے تو اس کے پیدا ہونے کا طریقہ سبھی ذاتوں کا ایک جیسا کیوں ہے۔ یہ سوال یہاں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔بال گنگادھر باغی اپنی کتاب ''جینت پرمار کا دلت تصور'' میں رقمطراز ہیں:

''جینت پرمار کی نظم اسی آزادی کی خواہش مند ہے جو انسان کا حق دے اور اسے اشرف یعنی کائنات کی سب سے اعلیٰ مخلوق سمجھے جیسا کہ قدرت نے اسے بنایا۔ان کی نظمیں کسی ادنیٰ فلسفے کا مرقع عظیم نہیں جس

میں اعلیٰ طبقے کا تصور اور اس کی روحانیت کو معاشرے کا اصل جز تسلیم کیا جائے۔ان کی نظم نگاری جمہوریت کی حسین وجمیل معشوقہ ہے۔ یہ دلت شاعر آزادیٔ ہند کے بعد کا شاعر ہے پھر بھی اس کی نظموں میں بغاوت کا ایسا رنگ کیوں؟ وہ چتر ورن نظام کا اتنا مخالف کیوں ہے؟ کیا اسے چتر ورن نظام کبھی راس آئے گا؟ یہ سوال ایسا عام سوال ہے جو ایسے غیر دلت شاعر و ادیب یا وہ لوگ جنہوں نے چھوا چھوت، غیر برابری، ظلم و جبر، عصمت دری و ناانصافی کو نہیں جھیلا ان کی سمجھ سے ماورا ہے۔ جینت پر مار دلت سماج کا وہ شاعر ہے جو ان سے علیحدہ نہیں اسی لئے دلت مسائل اس کے لیے Social Phenomena نہیں۔'' ۱۸؎

جینت پر مار کا طریقہ اظہار نیا اور منفرد ہے۔ جینت پر مار ماضی میں گذری ہوئی تلخ حقیقتوں کو اپنی نظموں میں پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ انہیں اس فن میں کمال حاصل ہے۔ان کا تعلق دلت سماج سے ہو نے کے باوجود ایک کشادہ ذہن وشائستہ طبعیت کے مالک ہیں۔ان کا اندازِ تکلم سیدھا اور رواں ہے۔ان کے قلم سے نکلا ہوا ہر لفظ دلتوں کی منہ بولتی داستاں ہے۔آج مہذب وتعلیم یافتہ زندگی کی دوڑ میں دلت سماج ترقی پسندی کی راہ میں ہے مگر اس کی راہ میں کئی رکاوٹیں بھی حائل ہو رہی ہیں ایسے میں جینت پر مار کی نظمیں مشعل راہ ثابت ہوسکتی ہیں۔ اجئے مالوی اپنے مضمون ''دلت نظمیہ تخلیقیت کے آتش فشاں کا پھول'' میں لکھتے ہیں:

''جینت پر مار کی دلت نظمیہ شاعری کا اسلوب بیان اچھوتا اور نرالا ہے۔انہوں نے عام روش سے ہٹ کر دلتوں کے مسائل، دکھ، درد، رنج والم، بھوک وافلاس، بے بسی، مجبوری، لاچاری اور قدیم دور سے ان کے اوپر ہوئے ظلم وستم کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔انہوں نے بڑی

بے باکی اور چابک دستی سے Absurd الفاظ کو اس طرح استعمال کر تے ہیں کہ وہ الفاظ ان کی نظمیہ شاعری کا حصہ بن گئے ہیں اور جس کی بنا پر ان کی دلت شعری تخلیقیت زندگی پرور اور جمالیت افروز ہوگئی ہے'' ۱۹

دلتوں کے مسائل کا موضوع یقیناً پرانا ہے لیکن آج بھی دلتوں کے لئے ایسے موضوعات پر احتجاج ضروری ہے۔ آج بھی دلتوں پر ظلم وستم جاری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس میں کچھ کمی ضرور آ گئی ہے۔ جینت پر مار کی یہ دلت نظمیہ شاعری یقیناً دیگر مذاہب کے لوگوں کو ضرور جھجوڑ کر رکھ دے گی۔ آج دلت ادب کے ذریعہ بھر پور کوشش کی جارہی ہے دلتوں کو انصاف ملے۔ اردو ادب میں دلت ادب لکھا جا رہا ہے اور دلتوں کے حق کے لئے اردو کے شعراء ادبا بھی اپنے اپنے ڈھنگ سے کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح صدیوں سے چلے آرہے یہ بے جا رسم ورواج کا خاتما ہو جائے۔ دلت ادب کے متعلق ممتاز نقاد پروفیسر محمد حسن لکھتے ہیں:۔

دلت ادب آج کے ہندوستانی سماج میں انصاف کی آواز ہے جب تک یہ آواز پورے معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں پیدا نہیں کرتی اس وقت تک ہمارے لئے حقیقی آزادی اور سچی جمہوریت بے معنی رہیں گے'' ۲۰

دلتوں کے ظلم وستم کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ یہ ہندوستان میں پانچ سو سے بھی زیادہ برس پرانی ہے۔ یہ ان لوگوں کی کہانی ہے جو سماج میں ہمیشہ پسماندہ رہے ہیں۔ ہندو دھرم نے ان پر کئی طرح کی پابندیاں لگا دی۔ انہیں اعلیٰ تعلیم سے بھی محروم کیا گیا۔ اس طرح دلتوں کی درد بھری داستاں برسوں سے ہمارے ہندوستانی سماج کا حصہ رہی ہیں۔ جینت پر مار کی نظم ''میری کویتا تیز نکیلا خنجر ہے'' اس نظم پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ جینت پر مار نے کس طرح طنز کیا ہے سماج پر، انکے کہنے کا مقصد ہے کہ میں جب اپنی نظموں میں حقیقتوں کو بیان کرتا ہوں تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پولیس بھی جمع ہو جاتی ہے یعنی جس طرح حق بات کڑوی لگتی ہے اسی طرح میری باتیں بھی سماج کو گوارا نہیں، گویا ان کی نظم کا اک اک لفظ نکیلا خنجر مانند ہوتا ہے نظم کے

چند سطر ملاحظہ کیجئے۔

انہیں خوف ہے
میری کویتا تیز نکیلا خنجر ہے
ایک نہ اک دن
رات کے سینے میں اترے گا!
اس دن اپنی بیاض کا ایک ایک ورق
ہوا کے ہاتھ میں رکھ دوں گا!

جینت پرمار کا دلت تصور امبیڈکر سے ملتا جھلتا ہے۔ ان کی شاعرانہ فکر امبیڈکر کے نظریات کا خوبصورت ثمرہ ہے۔ان کی شاعری کا اگر بہ غور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس میں جمہوری تصورات نظر آئیں گے۔جینت پرمار کی شاعری کے متعلق ایک اور جگہ بال گنگا دھر لکھتے ہیں:

''ان کی شاعری سارے سماج کو روشن خیال بنانا چاہتی ہے جس کا پس منظر جمہوریت اور منہاج و مزاج انسانیت ہے۔جینت پرمار کی نظموں میں یہ اوصاف کثرت سے تلاش کئے جاسکتے ہیں وہ ایسے مذہب کو نہیں مانتے جو انسانیت یا مساوات کا حامی نہ ہو۔ وہ ہندو مذہب کو خارج کر تے ہیں جو انسان جیسی اشرف المخلوقات کو جانور سے بدتر سمجھتا ہے''۔[21]

ہندو دھرم کے بناتے ہوئے اس اندھے قانون پر جینت پرمار نے اپنی نظموں میں گہرا طنز کیا ہے۔ قابل غور بات تو یہ ہے کہ ہندو دھرم دلتوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے یہ انکی بہت بڑی غلطی ہے۔آزادی کے بعد ہمارے ملک میں بہت سی تبدیلیاں آئیں لیکن دلتوں کو آج بھی کمتر سمجھتا جاتا ہے۔جس کے سبب کئی ریاستوں میں آئے دن ذاتی مسائل کو لے کر فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ذات پات کے فرق کو مٹانا چاہیے

انسانیت ہی دراصل سب سے بڑا مذہب ہے۔ سماج میں ہم سب ایک ہیں اس نظریہ کو جب تک ہم نہیں اپنائیں گے یہ لڑائی ختم نہیں ہوگی۔

جینت پرمار شاعر ہونے کے علاوہ بہترین مصور بھی ہیں انہوں نے معروف مصور وان گاگ پر بھی ایک نظم لکھی ہے۔ وان گاگ ایک مایاناز پینٹر اور مصور گذرے ہیں وہ 30/مارچ 1853ء کو نیدرلینڈ میں پیدا ہوئے۔ اور 29/جولائی 1890ء کو 37 سال کی کم عمری میں ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ وان گاگ بیسویں صدی کے ایک اہم پینٹر گذرے ہیں۔ انکی پینٹنگ اور ڈرائنگ آج بھی شہرت رکھتی ہے۔ جینت پرمار نے وان گاگ (۱) اور وان گاگ (۲) دو نظمیں لکھی ہیں۔ ان نظموں میں شاعر نے وان گاگ کے فن کی تعریف کی ہے کہ کس طرح وان گاگ کو پینٹنگ کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ وان گاگ کی دنیا میں برش بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ وہ برش سے ہی اپنی پینٹنگ کو خوبصورت بناتے تھے آج بھی فرانس میں انکی پینٹنگ کے نمونے موجود ہیں اس نظم سے چند سطریں پیش کیے جاتے ہیں۔

رنگوں نے کب قید کیا ہے تم کو
پرچھائیں کو نیلا رنگ لگ اکے
سارے آسمان کو ریزہ ریزہ کر دیتے ہو
سبز گھاس کو پیلی عبارت میں لکھتے ہو
پیر میں آگ لگا رکھتے ہو
پیالوں اور بوتل میں صرف ہوا

وان گاگ اتنی اچھی پینٹنگ کرنے کے باوجود بھی انہیں کوئی انعام نہیں ملا تھا۔ وان گاگ کسی دماغی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنا کان تک کاٹ لیا تھا اور صرف 37 سال کی جواں عمری میں ہی اپنے آپ کو گولی مار کر خودکشی کر لی تھی۔ جینت پرمار نے انکی یاد میں جملہ تین نظمیں لکھی ہیں انکی ایک اور نظم ''وان گاگ کے تاج'' نام سے مجموعہ ''نظم یعنی'' میں شامل ہے۔ جینت پرمار اپنی ان نظموں میں بتایا ہے کہ

کس طرح وان گاگ نے اپنی محنت لگن سے پینٹنگ تیار کی اور ناکامی سے پریشان ہوکر خودکشی کرلی۔

دلت شاعر جینت پرمار کے یہاں ایک نظم ''اللہ'' کے عنوان سے ملتی ہے۔ یہ بڑی قابل غور بات ہے کہ جینت پرمار ایک غیر مسلم دلت ہونے کے باوجود بھی ''اللہ'' کے موضوع پر نظم کہی ہے۔نظم کے مطالعے سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ شاعر اسلامی تعلیمات سے بھی خوب واقفیت رکھتا ہے۔شاعر اس نظم میں نیلے نیلے آسمان، زمین، ہری ہری گھاس، سبز باغات، رنگ برنگے پھول، چاند، سورج اور ستاروں کا جھومر یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کے لئے بنائی ہیں شاعر اللہ تعالیٰ سے ان نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان سب نعمتوں کو جب میں غور سے دیکھتا ہوں تو مجھے ان ساری نعمتوں میں لفظ ''اللہ'' نمایاں نظر آتا ہے۔

تو نے سجایا
اس دھرتی کو
نیلے نیلے آسمان کی اوڑھنی سے
عظیم پربت کے سر پہ
چاندی جیسی برف کا تاج
اور ڈھلانوں پر
ہری گھاس کی تو نے
بچھائی ہے قالین

جینت پرمار کی دیگر نظموں میں نظم ''اپرا'' نام سے بھی ایک نظم ملتی ہے ''اپرا'' یہ نظم انہوں نے مراٹھی کے دلت ادیب لکشمن مانے کی ''اپرا'' ایک خودنوشت کو پڑھنے کے بعد اس کتاب سے متاثر ہوکر لکھی تھی۔ ''اپرا'' کو اردو میں ''خانہ بدوش'' کہتے ہیں۔ خانہ بدوش یعنی جسے بنجارے بھی کہتے ہیں وہ لوگ کہیں بھی مستقل ٹھکانہ نہیں بناتے، آج ایک جگہ ٹھہرتے ہیں تو کل اپنا سامان گدھوں پر لادے دوسرے مقام کے لئے نکل جاتے ہیں۔ اپنا سب سامان گدھوں پر لادے ہوئے نگر نگر ڈگر ڈگر بھٹکتے پھرتے ہیں۔اس نظم میں جینت

پر مار لکشمن مانے کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ لکشمن مانے مراٹھی ادیب ہیں تو یہ لفظ ''اُپرا'' بھی مراٹھی زبان کا ہی لفظ ہوگا۔ لکشمن مانے اپنے باپ کی پیٹھ کے زخم دیکھ کر رات رات بھر چیختا اور چلاتا رہتا ہے۔ بہر کیف یہ نظم خانہ بدوش لوگوں کی زندگی کی ترجمانی کرتی ہے۔ نظم کا یہ بند ملاحظہ ہو۔

گدھوں کی پیٹھ پر
برتن چرپائی اور چاند
خواب خواہش خوف کی گٹھری
امیدوں کا بوریا بستر لادے ہوئے
پیٹ کی آگ بجھانے کو
ایک گانو سے دوسرے گانو کو
بھٹک رہے ہیں بنجارے
جن کے نصیب میں
آسمان ہی گھر کی چھت
اور زمیں کا ہے بستر

نظم ''اُپرا'' کے بعد ایک چھوٹی سی نظم ''سامعین'' کے عنوان سے ہے۔ اس نظم میں شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر سب سامعین میر کلام سننا چھوڑ دیں تب بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اپنا کلام چڑیوں کو اور سبز ٹہنیوں کو سناؤں گا اور یہ فطری مناظر میرا کلام سننے سے ہرگز بھی انکار نہیں کریں گے۔ اس نظم کے بعد ''سات آسمانوں سے دور'' نام سے نظم شامل ہے یہ نظم نثری نظم ہے شاعر یہ کہتا ہے کہ یہ زمین والے میرا بوجھ اٹھانے سے کتراتے ہیں یعنی شاعر اس دکھوں بھری زندگی سے بیزارگی کا اظہار کرتا ہے۔ اس نظم سے شاعر نے فرنچ شاعر آرتھر راں بو 1891-1854 سرریل شاعر گذرا ہے اسکا حوالہ دے کر یہ کہہ رہا ہے جب وہ شاعر اچانک دنیا سے دور چلا گیا تھا میں بھی اسی طرح سات آسمانوں سے دور چلا جاؤں گا اور کسی کو بھی نظر نہ آؤں گا۔

80ء کے بعد جینت پرمار نے اپنی نظمیہ شاعری کے ذریعہ ملک بھر میں اپنی ایک الگ شناخت بنائی۔ جہاں وہ ایک اچھے مصور ہیں وہیں جدید نظم کے شاعر بھی ہیں۔ صفحہ قرطاس پر انہوں نے اپنی تصاویر کے ساتھ ساتھ اپنی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ان کی نظموں میں مختلف رشتوں کا تقدس بھی ملتا ہے۔ کہیں کہیں موجودہ سیاست پر وہ طنز کرتے نظر آتے ہیں۔ عام فہم زبان اور روزمرہ کو انہوں نے اپنی نظموں میں استعمال کیا ہے ممتاز نقاد بلراج کومل لکھتے ہیں:

> ''سامنے کا لفظ سامنے کا بولتا ہوا رنگ، فارسی نثراد الفاظ مرکب بھاری بھرکم الفاظ اور اضافوں سے گریز جینت پرمار کے اسلوب کی مخصوص پہچان ہیں۔ بہت کم الفاظ میں ماورائے الفاظ و معنی خلق کرنے کا فن جینت پرمار کی مخصوص قوت کے پہلو ہیں وہ چوں کہ مصور ہیں اور اپنی ذات میں بیک وقت شاعر اور مصور کی حدوں کو ایک دوسرے سے جوڑتے رہتے ہیں اس لیے ان کی نظمیں شاعری اور مصوری دونوں فنون لطیفہ کی زمینی اور ماوراتی دل آویزاں لیتے ہوئے ہیں۔'' ۲۲

جینت پرمار اپنی شاعری میں نہ تو فارسی آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں اور نا ہی اردو کے دقیق الفاظ، بلکہ ان کے یہاں تو اردو کے آسان اور زیادہ تر ہندی کے الفاظ ملتے ہیں۔ کہیں کہیں انگریزی الفاظ بھی ملتے ہیں، ان کی قابلیت کی داد دینی چاہیے کہ وہ ایک دلت ہونے کے باوجود بھی، اردو زبان سے نابلد ہونے کے باوجود بھی محض اپنے شوق کی خاطر اردو زبان کو سیکھا اور شاعری بھی کرنے لگے۔ جینت پرمار نے اپنی ایک نظم شاعر کے عنوان سے بھی لکھی ہے۔ اس چھوٹی سی نظم میں شاعر کہہ رہا ہے کہ ایک شاعر مصرعوں کو جوڑ جوڑ کر اپنی نظم تیار کر رہا ہے دیگر نظموں کی طرح اس نظم میں بھی جینت پرمار نے منظر نگاری سے کام لیا ہے جس طرح شاعر سوچ و فکر میں گم رہتے ہیں رات کی تاریکی میں شاعر لوگ آسمان کی طرف نظر ڈالتے ہوئے سوچ میں گم ہوتے ہیں اور اپنے درد و احساس کو صرف نظموں میں بیان کرتے ہیں دراصل اس چھوٹی سی نظم میں بھی شاعر

وہی کہنا چاہتا ہے ۔

مصرعوں کے پیوند لگے
کاغذ کو سیتے
نظموں کے نکڑ پہ کھڑا
تاروں کی تسبیح لئے ہاتھوں میں
اک بوڑھا شاعر ہے
اب بھی اس امید میں کہ
روح کے اندھیارے سے
صرف بچا سکتے ہیں
لفظ

جینت پرمار نے اپنی نظموں میں جہاں مختلف مشہور و معروف شخصیات کا ذکر کیا ہے وہیں مختلف مقامات کو بھی اپنی نظم کا موضوع بنایا ہے۔ اسی طرح ان کے مجموعہ ''اور'' میں شامل تین نظمیں ''کوسانی'' کے نام سے شامل ہیں کوسانی 1۔ کوسانی 2۔ کوسانی 3۔ کوسانی دراصل ایک چھوٹا سا مقام ہے۔ یہ ایک خوبصورت گاؤں ہے جو اترا کھنڈ میں آتا ہے۔ یہ باگیشور ضلع کا ایک قصبہ ہے ہل اسٹیشن بھی ہے۔ یہاں گاندھی جی کا آشرم بھی ہے۔ 1929ء میں گاندھی جی نے یہاں دو ہفتہ قیام کئے تھے۔ بقول گاندھی جی ''کوسانی بھارت کا سوزی لینڈ ہے''، ''آنوشکتی آشرم'' کے نام سے گاندھی جی کی مورتی بھی وہاں موجود ہے۔

ان نظموں میں شاعر یہاں کے خوبصورت پہاڑ، گھنے جنگلات، ہریالی، لمبے لمبے خوبصورت درخت ان سب فطری مناظر کی تعریف کرتے ہوئے نظمیں کہی ہیں۔ وہاں کے حیرت انگیز برفیلی پہاڑ بڑے خوبصورت نظر آتے ہیں۔ شاعر نے وہاں کی منظر کشی اپنی نظموں میں کی ہے۔ کوسانی (۱) نظم سے ایک بند ملاحظہ کیجئے ۔

سفید جھرنے پتوں میں
رستے کی چھاتی پر چلتی سرد ہوائیں
ہرے کے دریا میں نہاتی سبز گھاٹیاں
تیرے پنکھ پھیلا کر اڑتے
دیودار اور چیڑ کے پیڑ
پربت کی کھائی میں منہ چھپا کے کھڑے ہوئے رستے
پتھر کی دراڑوں میں چھپی تیرگی

اسی طرح کوسانی (۴) بھی جینت پرمار نے لکھی ہے اس نظم میں شاعر اس خوبصورت مقام سے جدا ہونے کے احساسات کو پیش کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں آخری بس سے یہاں سے دور چلا جاؤں گا اور یہاں کے پہاڑ اور بادل یہیں رہ جائیں گے، یہاں کی چاندنی، یعنی چاندنی مراد ہے برف سے، اور نندا دیوی اور ترشول مندر کی گھنٹی یہ سب چیزیں شاعر سے جدا ہونے والی ہیں دراصل انہی احساسات کی ترجمانی شاعر نے اس نظم میں کی ہے۔

''ایم۔ایف حسین'' کا پورا نام مقبول فدا حسین ہے۔ یہ ہندوستان کے مشہور و معروف مصور رہے ہیں۔جینت پرمار نے ایم ایف حسین کے عنوان سے ایک نظم تخلیق کی ہے۔اس نظم میں یم ایف حسین کا حلیہ بیان کیا گیا ہے جیسے انکا لمبے قد کو شاعر نے سرو کے درخت سے تشبیہ دی ہے۔یم ایف حسین کا تعلق شہر ممبئی سے رہا ہے شہر بمبئی کی فٹ پات پر انہوں نے کئی پینٹنگیں بنائے ہیں۔جینت پرمار خود بھی ایک آرٹسٹ ہیں اسی سبب ان کے مراسم ایم۔ایف۔حسین بھی رہے تھے۔اس نظم میں شاعر نے حسین کے شوقِ مصوری کو پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ ایک اور نظم ''حسین کے گھوڑے'' کے عنوان سے شامل ہے۔اس نظم میں ایم۔ایف۔حسین کے گھوڑے بنانے اور گھوڑوں پر کی گئی عمدہ پینٹگیں کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ نظم بالکل چھوٹی سی ہے نظم کے آخر میں شاعر نے جاندار اور بے جان کا فرق بتایا ہے۔تصویر کے گھوڑے

ہنہناتے نہیں صرف ہنہناتی ہوئی ان کی تصویر ہوتی ہے۔ یہ نظم بھی ایک اچھی نظم کہی جا سکتی ہے۔ نظم ''حسین کے گھوڑے'' ملاحظہ کیجئے ۔

کینوس پہ تم نے
بنائے ہیں گھوڑے
سیاہ اور سرخ
مگر تم نہیں جانتے
کینوس پہ کھینچے ہوئے
ٹیڑھی ترچھی لکیروں کے گھوڑے
کبھی ہنہناتے نہیں!!

جینت پرمار نے اپنی شاعری کا خاص موضوع دلت ادب کو بنایا ہے۔ 1965ء کے آس پاس مراٹھی میں دلت ادب منظر عام پر آیا۔ مراٹھی ادیب نیگرو ادب سے متاثر تھے۔ 1978ء کے بعد گجراتی میں دلت تحریک شروع ہوئی جس میں دلت پینتھر کا بڑا دخل تھا۔ گجراتی کے چھوٹے چھوٹے رسالوں نے دلتوں کے خلاف ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کی، اس وقت اس دور میں دیا پوار کی خودنوشت ''بلوط'' جینت پرمار کی نظر سے گذری اور اس کتاب کو پڑھنے سے انہیں ایک نئی تحریک ملی۔ اس وقت جینت پرمار نے دلت شاعری شروع کر دی تھی۔

جینت پرمار نے ''کوولم بیچ کی تصویر'' کے عنوان سے تین نظمیں تخلیق کی ہیں۔ کوولم بیچ دراصل ایک سمندر کا ساحلی کنارہ ہے جو کیرلا میں واقع ہے۔ یہ بہت ہی خوبصورت ساحل ہے یہاں شام کے وقت بہت لوگ موج مستی کرنے کیلئے جمع ہوتے ہیں نظم کوولم بیچ کی تصویر میں شاعر نے اس ساحل کی منظر کشی کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کس طرح سمندر کے پانی کا خوبصورہ جلوہ نظر آتا ہے اور کنارے پر لڑکیاں نیم برہنہ لیٹی ہوئی ہوتی ہیں اور پانی کبھی کبھی ان لڑکیوں کے خوبصورت جسم سے بھی ٹکراتا ہے شاعر کو وہاں کے خوبصورت نظاروں نے مدہوش کر دیا ہے ایک اور نظم ''کوولم بیچ پر ایک لڑکی کے عنوان'' سے بھی شاعر جینت پرمار نے نظم

لکھی ہے۔اس نظم میں شاعر نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ آوارہ قسم کی لڑکیاں جب اپنے عاشق سے بوس وکنار ہوکر کوولم بیچ کے ساحل پر نہانے آتے ہیں اور نہاتے وقت وہ یہ سوچ رہی ہوتی ہیں کہ ان کے یہاں نہانے سے ان کے جسم کے اعضائے مخصوصہ پر جو عاشق نے بوسے لئے ہیں وہ سب دھل جائیں گ ے لیکن وہ بوسے ظاہری طور پر دھل تو جاتے ہیں لیکن جو پاپ اس لڑکی نے کیا ہے وہ یقیناً کسی بھی پانی سے دھل نہیں سکتے۔

نظم ’’کوولم بیچ پر ایک لڑکی‘‘ ملاحظہ کیجئے۔

نہا رہی ہے
کوولم بیچ پر اک لڑکی
سوچ رہی ہے
پانی سے دھل جائیں گے
اس کے بدن کے سارے چمبن
حیرت سے وہ تکتی ہے
پلکوں پر ہونٹوں پر
ستن کے پھولوں پر
نابھی پر، رانوں پر
اور چمک اٹھے ہیں چمبن
چاند ستاروں کی مانند
چکا چوندھ جل کی آنکھیں
شرم سے جھک جاتی ہیں

شاعری قدیم ترین ذریعہ اظہار ہے شاعری ہماری روح کو دستاویز ہے کسی سائنس دان نے کہا تھا شاعری ہمیں وہ دے سکتی ہے جو دنیا کی کوئی سائنس نہیں دے سکتی شاعروں کے بے باک اظہار بیان سے حکومت تک خوفزدہ ہوجاتی ہے تنویر اعجاز کے انٹرویو میں جینت پرمار کہتے ہیں:

''شاعری میرے لئے فن سے زیادہ زندگی جینے کی خواہش اور زندگی کی
رفتار کا وہ برش ہے جو ہمارے سکھ دکھ کے اظہار کا ذریعہ ہے جس میں ہم
اپنے آج کا عکس شدت کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔'' ۲۳

انسانی و ذاتی تجربات کا تصور ان کی زندگی کی سب سے بڑی شاعری ہے۔ وہ ہوا زبانی نہیں کرتے حقیقت کو تجربات کا جامہ پہناتے ہیں جینت پر مار ایک روشن خیال شاعر ہیں انہوں نے سماجی برائیوں کے خلاف آواز بلند کی خاص طور پر دلتوں کی پسماندگی پر انہوں نے پرزور احتجاج بلند کیا انکی شاعری میں قدرتی حسن بھی جا بجا ملتا ہے۔ ہمارے ملک کے خوبصورت مقامات کی انہوں نے سیر کی

اور نظمیں بھی لکھی ہیں جیسے شملہ میں ایک شام'' کے نام سے ایک نظم ملتی ہے۔ اس نظم میں شملہ کے برفیلے پہاڑوں کا ذکر شاعر نے خوبصورتی سے کیا ہے۔ کھڑکی سے جب ہم ان برفیلی پہاڑوں کا نظارہ کرتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ابر کا ٹکڑا ہمارے پاس آنے والے ہو، وہاں کی سرد فضا میں شراب پینے کا مزا کچھ اور ہے۔ اس نظم کے علاوہ ایک اور نظم ''شملہ میں برف باری'' کے عنوان سے بھی ہے۔

دور تک
کھیت پہاڑ
پہاڑ کے تن ڈھانپ رہی ہے
برف کی چادر
دیودار کے
لمبے لمبے پیڑ کھڑے ہیں
اوورکوٹ پہن کر
پیڑوں کے ہاتھوں میں بوتل کہرے کی
سفید بادل بے مقصد
ادھر ادھر اڑتے ہیں

جینت پر مار کو سیر و سیاحت کا بہت شوق رہا ہے۔ اس بات کا ذکر انہوں نے ایک انٹرویو میں بھی کیا

ہے۔ان کی کئی نظموں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نظمیں دوران سفر کہی گئی ہیں ''کوولم بیچ کی تصویر'' ،''کوولم بیچ پر ایک لڑکی'' ،''شملہ میں اک شام'' ،''شملہ میں برف باری'' ،''مرینا بیچ'' ،''اوٹی میں اک رات'' ،''بمبئی'' وغیرہ نظمیں سیر وسیاحت کی تخلیق معلوم ہوتی ہیں۔جینت پرمار کی نظم مرینا بیچ بھی ایک چھوٹی سی نظم ہے۔ یہ دراصل چینئی میں واقع ایک خوبصورت بیچ ہے اس سمند کے ساحل پر ریت کا خوبصورت چادر ہے شام کے وقت اس بیچ کا نظارہ کرنے بہت سے لوگ آتے ہیں بڑا ہی خوبصورت منظر ہوتا ہے۔شام ڈھلتے وقت کا منظر شاعر نے اس نظم میں کھینچا ہے۔سارا سمندر نیلا نیلا نظر آتا ہے آسمان میں رنگ برنگے بلون اڑتے نظر آتے ہیں۔اس طرح شاعر نے اس نظم میں منظر کشی سے کام لیا ہے۔ممتاز نقاد شمس الرحمٰن فاروقی جینت پرمار کی شاعری کے متعلق رقم طراز ہیں:

''ان کا تخلیقی حسن فطرت کا شیدائی ہے۔ پہاڑوں پر کمند پھینکتا ہے اور سمندروں پر رنگ بکھیرتا ہے۔ وہ آنگن میں کھیلتا اور بازاروں میں آوارہ گھومتا ہے۔ وہ آدمی کے دکھ درد میں شریک ، اس خوشیوں کا ساجھے دار اور اس کے بہیمانہ جرائم کا شاہد ہے۔اسی لئے جینت پرمار کی شاعری پر کوئی لیبل نہیں نہ تو وہ ترقی پسندی، نہ جدید، نہ مابعد جدید، نہ دلت ، گو ان تمام میلانات کی مٹی کا سوندھا پن اس بیچ میں سما گیا ہے جس سے ان کی شاعری کا ہرا بھرا درخت پھوٹتا ہے۔''[۲۴]

فاروقی صاحب نے جینت پرمار کی شاعری کے متعلق بالکل سچی رائے پیش کی ہے جینت پرمار کی شاعری میں برفیلے پہاڑ، سمندر کی موجیں' ہریالی، اسطرح کے فطری حسن کے علاوہ عظیم فنکاروں کے متعلق بھی نظمیں ملتی ہیں جیسے وان گاگ اور یم یف حسین ماہر آرٹسٹ کے علاوہ ہری پرساد چورسیا اور امجد علی خاں جیسے ماہر بانسری وادن کا سرور بھی سنائی دیتا ہے۔

جینت پرمار جدید نظم کے معتبر شاعر ہیں ان کے یہاں موضوعات کا تنوع ملتا ہے۔کئی موضوعات نئے معلوم ہوتے ہیں۔انکی ایک نظم ''موت'' کے عنوان شامل ہے اس نظم میں آج کے انسان کی بے چینی و بے قراری اور آج کے دور کا کرب، شک وشبہات میں پڑی دنیا، اضطراب کی کیفیت کو

پیش کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ شہری زندگی کا کرب بھی اس نظم میں ملتا ہے۔آج انسان کی موت کس قدر سستی ہوگئی ہے آج جگہ جگہ پر قتل ہورہا ہے۔اس طرح شاعر نے نظم میں یہ بتایا ہے کہ آج زندگی موت سے بدتر ہوگئی ہے۔وارث علوی جیسے باوقار نقاد نے جینت پرمار کے متعلق کہا تھا:

''ان کی نظموں میں درد کی زیریں لہر کا احساس ہوتا ہے کہیں کہیں درد کی جگہ برہمی نے لی ہے۔ ہر نظم زمانے کی عدالت میں ایک احساس فرد کی گواہی کے طور پر سامنے آتی ہے۔جینت پرمار کے پاس کہنے کیلئے ہمیشہ کوئی بات ہوتی ہے۔یہ نظمیں ہمیں تصویروں اور شیشوں کی طرح دکھائی دیتی ہیں خیال اور جذبے کو اس خوبی کے ساتھ پیکروں میں ڈھال دینا سچے تخلیقی اور فن کارانہ ادراک کے بغیر ممکن نہیں۔''[۲۵]

جینت پرمار کا ذہن ہر وقت نئی نئی سوچ میں گم رہتا ہے اسی سبب وہ نئے نئے موضوعات پر نظمیں کہتے ہیں جس طرح حالی نے اپنی شاعری میں فطری حسن کو پیش کیا ہے جینت پرمار نے اپنی بعض نظموں میں فطری حسن کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اپنی آزاد نظموں میں انہوں نے قدرتی حسن کی منظر کشی کی ہے نظم ''اوٹی میں اک رات'' اس نظم کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کا قیام اوٹی میں بھی رہا ہوگا یہ اک مشہور ہل اسٹیشن ہے یہاں کی خوبصورت جھاڑی اور برفیلے پہاڑ ہر کسی مسرور کر دیتے ہیں۔صبح صبح کا سورج نکلتا ہوا خوبصورت منظر اور نیل گری کے پیڑوں کا بھی شاعر نے ذکر کیا ہے۔اس طرح جینت پرمار نے فطری حسن کی عکاسی جابجا اپنی نظموں میں کی ہے۔''بمبئی'' نام سے بھی ایک نظم لکھی گئی ہے یہ نظم علامتی نظم ہے اس نظم میں شاعر نے ''سفید پوش کتے'' علامت بنائی ہے ایسے لوگوں کی جو دن بھر گنڈا گردی کرتے ہیں اور شام کو فاحشہ عورت کے کوٹھے پر جاتے ہیں۔شاعر کا اشارہ لیڈروں کی طرف بھی ہوسکتا ہے کیونکہ اکثر لیڈر حضرات سفید لباس پہنتے ہیں۔یہ سب دراصل بڑے شہروں میں ہوتا ہی رہتا ہے شاعر نے بمبئی کی آسمان کو چھوتی ہوئی بلندیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔علاوہ ازیں ''حسین بلیاں'' سے مراد وہ آوارہ اور فاحشہ لڑکیاں جو اپنے عاشقوں کے ساتھ جوہو بیچ پر آتی ہیں اور ناریل کے پانی کا مزہ لیتے ہیں۔پرمار نے اپنی نظموں میں بعض جگہ دشنام طرازی سے بھی کام لیا ہے۔''سور'' علامت بنائی ہے ریپ کرنے والوں کی جو اکیلی نہتی لڑکی

کی تلاش میں ہوتے ہیں اور موقع کا فائدہ اٹھاتے ہیں اسطرح بمبئی شہر کے ماحول کی بھرپور عکاسی کی ہے۔

جینت پرمار کی شاعری کا محور و مرکز دلتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم کی عکاسی ہے۔ایک جانور گنگا ندی کا پانی پی سکتا ہے لیکن دلت نہیں، جبکہ آج بھی سورنوں (ہندو مذہب کا اعلیٰ طبقہ) کی عورتوں کے دوران حمل دلت عورتیں جاتی ہیں اور اس کی گندگی صاف کرتی ہیں اس وقت اونچی ذات والوں کو چھوت نہیں لگتا ہے لیکن اونچی ذات کا بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو اسی عورت کو اچھوت سمجھتا ہے۔اسی نوعیت کی ایک نظم ''اچھوت'' کے عنوان سے شاعر نے لکھی ہے۔اس نظم میں شاعر نے اپنے دلت ہونے پر طنز کیا ہے نہ صرف اپنے آپ پر طنز کیا ہے بلکہ سارے دلت سماج پر طنز کیا ہے کہ ایک بڑی ذات والی لڑکی جب دلت سے پیار کر تی ہے اور اس کے جسم کو چھوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ تم مجھے مت چھونا کیونکہ دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں جو مجھے پوتر کر سکے، میں پیدا ہی اپوتر ہوا ہوں اور عمر بھر اپوتر ہی رہوں گا اور ایک دن اسی حالت میں مر جاؤں گا اس طرح شاعر نے اپنے اچھوت ہونے کا دردمندانہ اظہار اس نظم کے وسیلے سے کیا ہے۔

تم مجھے چھوتی ہو جانم!
تن پہ گنگا جل چھڑک کر
خود پوتر ہوگئی
لیکن نہیں دنیا میں ایسی چیز کوئی
جو پوتر کر سکے مجھ کو!
میں تو پیدا ہی ہوا ہوں اپوتر
عمر بھر اپوتر ہی رہوں گا
اور مر جاؤں گا آخر اپوتر

نظمیہ شاعری میں تصویر کشی جینت پرمار کی شاعری کا اصل جوہر ہے۔وہ اپنے فن سے نظمیہ شعری تخلیقیت میں جمالیاتی نقش گری کرتے ہیں جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک تصویر چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔پرمار نے زندگی کے حادثات، تجربات و مشاہدات کو اپنی شاعری میں خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔وہ بیک وقت شاعر اور مصور بھی ہیں۔اسی سبب ان کے یہاں دو فنکاروں کا ملا

جھلا اثر ملتا ہے۔ان کی شاعری کے متعلق نغمہ صدیقی اورنگ آباد''اردو کا عاشق ذاد جینت پرمار'' کے عنوان سے لکھتی ہیں:

''ان کی نظموں کا موضوع عام ریگستانی کلچر میں بسا ہوا انسان اور اس کے مختلف روپ میں ہم آہنگ ہوتے ان گنت رنگ دھنک بن کے نظر آتے ہیں۔ان کی باریک نظر قدرت کے چھوٹے چھوٹے نظارے میں قیدر ہیں۔ جو ایک سچے اور اچھے شاعر کی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے اطراف کے فضا میں جو دیکھے محسوس کرے وہی قلم کی زبان بن جائے۔'' ۲۶

جینت پرمار کی شاعری کسی علاقائی سطح تک محدود نہیں بلکہ ان کی شاعری ہندوستانی تہذیب کی علم بردار ہے۔ان کی نظر میں وسعت اور گہرائی ہے۔ان کی نظموں کے موضوعات سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ان کی سوچ میں کس قدر وسعت اور گہرائی پائی جاتی ہے۔شاعر کس قدر حساس ہوتا ہے اس بات کا اندازہ جینت پرمار کی نظموں کے مطالعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

جینت پرمار کا دوسرا مجموعہ ''پینسل اور دوسری نظمیں'' کے نام سے 2006ء میں گجرات اردو ساہتیہ اکاڈمی کی مالی تعاون سے شائع ہوا۔اس مجموعہ کا انتساب انہوں نے ممتاز نقاد وادیب شمس الرحمٰن فاروقی کے نام کیا ہے اور اس کتاب کا پیش لفظ بھی ممتاز نقاد گوپی چند نارنگ نے ''ایزل پر رکھی شبد نظمیں'' کے عنوان سے لکھا ہے۔بعض جگہ جینت پرمار کی شاعری مصوری بن جاتی ہے اور مصوری شاعری میں بدل جاتی ہے اس ضمن میں گوپی چند نارنگ کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''شاعری میں بھی زبان گو ابہام سے خالی نہیں کیونکہ معنی قائم ہی تفریقیت سے ہوتے ہیں یعنی معنی جتنے حاضر ہیں اتنے غیاب میں بھی ہیں،تاہم زبان کی پہلی سطح لغوی اور روایتی ہے جہاں روجاً معنی قائم ہیں،اس لیے بمقابلہ آرٹ اور مصوری زبان میں تعبیر کا عمل مختلف بھی ہے اور ملفوظی وثقافتی پیراڈیم کے اندر بھی۔لیکن جس شاعری میں امیج سازی کو بطور ایک حاوی وسیلے کے برتا گیا ہو

وہ شاعری آرٹ کا بدل قرار پائے گی اور ایسا آرٹ شاعری کا بدل قرار پائے گا۔ یعنی نظم تصویر بناتی ہے۔ اور تصویر میں شاعری کا عمل نظر آتا ہے۔ جینت پر مار کی تخصیص یہ کہ وہ اردو کے ایسے اکلوتے شاعر ہیں جن کے شعری عمل میں آرٹ کا تخلیقی عمل رواں دواں ہے۔'' ۲۷؎

نارنگ صاحب نے ان کے مختلف نظموں پر روشنی ڈالی ہے جیسے 'نظم کہاں رکھی ہے میں' سرریل خواب 'شہر' مارچ دوئم' فیاض خاں کا مزار' نرکنڈ کی باس' کاغذ' صبح کی ہواؤ' وغیرہ نظموں پر گہرائی سے نظر ڈالتے ہوئے اپنی گراں قدر رائے پیش کی ہے۔ جینت پر مار کی نظموں کے مختلف دائرے ہیں انہوں نے کچھ نظمیں فنکاروں، شاعروں، مصوروں کے نام منسوب کئے ہیں جو فنکار دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کے مطابق اپنی نظموں میں یا نظموں کے ذریعہ انہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

امیر خسرو' غالب' ولی گجراتی' مارینا تسویتا ئیوا' میراجی' صلاح الدین پرویز' کمار پاشی' ندا فاضلی' عزیز پریہار' شمیم حنفی اور محمد علوی جیسے فنکاروں پر ان کے یہاں نظمیں ملتی ہیں۔ جینت پر مار کی نظموں کے متعلق معروف شاعر وادیب بلراج کومل رقمطراز ہیں:

'' جینت پر مار کی کچھ نظمیں ان مشاہدات کی دین ہیں جو انہیں بطور سیلانی یا یاتری اپنی یاتراؤں کے طفیل حاصل ہوئے۔ یہ نظمیں محض کیمرے کی تصویریں نہیں ہیں۔ بلکہ مقامات سفر کے بنیادی معنوی محرکات کے رنگوں کی تصویریں ہیں۔ جینت پر مار کچھ رنگوں کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔ ان میں سرخ، سنہری، کالے رنگ کے علاوہ مٹی، سمندر، آسمان کے رنگ بھی شامل ہیں۔ پینسل کبھی ایک مخصوص رنگ کا آلہ کار ہے یہ سب رنگ جینت کی مختلف جمالیاتی کیفیات کے آئینہ دار ہیں''۔ ۲۸؎

جینت پر مار ایک مصور ہیں اسی سبب وہ اپنی نظموں میں جا بجا رنگوں کا ذکر کرتے ہیں۔ مظاہر فطرت شاعری کا خاصہ رہا ہے۔ بڑے بڑے شعراء نے فطری حسن کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ جینت پر مار کی

نظموں میں فطری حسن جا بجا ملتا ہے۔منظر کشی ان کی نظموں کی خاصیت ہے۔وہ ایک فلسفی تو نہیں بلکہ انکی نظموں کے مطالعہ سے ایسا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے فلسفۂ حیات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے دوسرے مجموعے 'پنسل اور دوسری نظمیں' میں دوسری ہی نظم عظیم شاعر مرزا غالب پر لکھی گئی ہے۔شاعر کہتا ہے کہ غالب کی شاعری کو میں جب بھی پڑھتا ہوں تو غالب کے لفظ لفظ سے ساری کائنات کی حقیقت ابھر آتی ہے۔نظم غالب کے علاوہ انہوں نے ایک اور نظم ''میں نظموں میں بار بار جنم لیتا ہوں'' (ندا فاضلی) یہ انہوں نے جدید لب ولہجہ کے معروف شاعر و گیت کار ندا فاضلی کے نام لکھی ہے۔ندا فاضلی نے ہمیشہ اپنی شاعری میں سماج کی تلخ حقیقت کو اجاگر کیا ہے۔اسی سبب جبینت پر مار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ندا فاضلی کا نام شاعری میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔اس مجموعے میں پنسل نام سے نظم ملتی ہے۔ بلکہ پنسل سیریز کی تین نظمیں شامل ہیں۔پنسل نقش بناتی ہے جو آرٹ کے ہاتھ میں تخلیق کا سر چشمہ ہے شاعر کہہ رہا ہے کہ اس نظم میں ایک لڑکی بلیو جینس پہن کر بیٹھی ہے اور پنسل چھل رہی ہے۔پنسل چھلنے کے بعد وہ پنسل سے کچھ لکھتی ہے تو شبدھ کو لڑکی کے سپنے کہہ رہا ہے۔ـ

بینچ پہ بیٹھی
بلیو جینس والی لڑکی
اور اس میں سے
پھوٹتا ہے اک کالا پھول
پنسل لکھتی ہے
کالے کالے اکھشر
جیسے کالی تتلیاں
پنسل لکھتی ہے
سفید اکھشر
آسماں کے کینوس پر
جیسے سورج چاند ستارے!!

پنسل لکھتی ہے
پنکھ سنہری
کائنات کی باہوں پر
جیسے لڑکی کے سپنے!!

جیسے کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا گیا تھا کہ جینت پر مار ایک مصور بھی ہیں اسی سبب انہوں نے ڈرائنگ، پینٹنگ اور آرٹ گیالری کے عنوان سے نظمیں تخلیق کی ہے۔کوئی بھی بڑا آرٹسٹ اپنی گھر میں ایک آرٹ گیلری بناتا ہے یا اپنے کسی روم میں اپنی محنت سے بنائی ہوئی تصاویر سجاتا ہے۔وہ آرٹ گیلری کہلاتی ہے۔شاعر اس نظم میں اپنی آرٹ گیلری کا ذکر کیا ہے۔ان کی آرٹ گیلری میں وان گاگ کا سوریہ مکھی سوامی ناتھن کی چوڑیاں، پیڑوں پر ڈالی کی تھکی ہوئی گھڑیاں، نیم برہنہ عورتیں، نئے نئے مناظر آرٹ گیلری میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔خواہش مند حضرات ان تصویروں کو گھنٹوں دیکھا کرتے ہیں اور فنکار کی داد دیتے ہیں نظم کے آخر میں شاعر کہتا ہے کہ لوگ مجھے بھی حیرت سے دیکھ رہے ہیں جیسے میں بھی کوئی پینٹنگ ہوں۔

کاغذ کے عنوان سے جینت پر مار کے یہاں تین نظمیں ملتی ہیں۔کاغذ ا۔کاغذ ۲۔اور ''قلم خوش کاغذ'' نظم کاغذ ا۔میں شاعر کاغذ کی ایجاد سے قبل انسان کن کن چیزوں پر لکھا کرتا تھا اس کا ذکر کیا گیا ہے۔جیسے کاغذ کی ایجاد سے پہلے انسان پتوں پر، بھوج پتر پر، پیڑ کے پتے پر، پتھر پر، جانوروں کے چمڑے پر، تانبے وغیرہ پر لکھا کرتا تھا۔نظم کے آخر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ ظلم کی کالی رچائیں شاعر کے بدن پر لکھی گئی ہیں۔جینت پر مار کی ایک نظم ''میں نے اسے کئی بار ایزل پر دیکھا'' (وان گاگ کیلئے) جینت پر مار کی طرح وان گاگ بھی آرٹسٹ تھے۔ایزن یعنی ایک طرح کا اسٹانڈ ہوتا ہے جس پر آرٹسٹ اپنا فریم لگا کر تصویر کھینچتا ہے۔شاعر کہہ رہا ہے کہ اس نے ایزل پر وان گاگ کو کئی بار پینٹنگ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔جینت پر مار وان گاگ کی پینٹنگ سے بہت متاثر رہے ہیں۔اسی سبب انہوں نے وان گاگ کی یاد میں تین چار نظمیں لکھی ہیں۔ایک اور نظم سوریا مکھی کے نام سے لکھی ہے دراصل یہ نظم بھی وان گاگ کے متعلق ہی ہے۔نظم سوریہ مکھی کے چند لائن پیش کئے جاتے ہیں۔

پیارے!

بہت ہی پیارے

وان گاگ !!

ہم سے جدا ہو کر یوں ہی

تم تو ساتویں آسمان پر

جا بیٹھے ہو

جینت پرمار کی دیگر نظموں میں' میں نے پاز کو دیکھا ہے' موت ہے یعنی' موت کا ایک دن' موت ایک احساس' بلاک بورڈ' میرا جی کی تصویر' وغیرہ نظمیں اپنی مثال آپ ہیں۔ بلراج کومل ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اردو زبان میں احتجاج کا اظہار نہ ہونے کے برابر ہے۔ دلت شاعری' دلت ادب کے ڈانڈے بہر حال ناگزیر طور پر احتجاج کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ احتجاج پرامن بھی ہوسکتا ہے اور پرتشدد بھی۔ پرامن احتجاج گاندھی جی کے ساتھ منسوب ہے۔ دور حاضر میں پرتشدد احتجاج بھی احتجاج کے عمل کا حصہ بن چکا ہے جینت کی نظم ''افریقہ'' احتجاج کی اسی جہت کا اظہار ہے''۔۲۹

اگر ہم جینت پرمار کی نظم ''نرک کنڈ کی باس'' کی بات کریں تو یہ نظم خالص دلتوں سے تعلق رکھتی ہے ۔اس نظم میں کہیں بھی تصنع نہیں دکھائی دیتا ہے۔ یہ نظم حقیقت پسندی کی عمدہ مثال ہے۔ قاری اس نظم کو پڑھنے کے بعد دلتوں کی تباہی و بربادی کو کچھ سمجھ سکتا ہے۔ اس نظم میں شاعر کی سوانح حیات بھی شامل ہے۔ نظم کے کچھ لائن ملاحظہ کیجئے۔

جانوروں کے چمڑے کو

نمک اور پانی میں بھگو کر

اپنے مریل پاؤں سے کر دیتی تھی صاف

بدلے میں وہ

گوشت کے ٹکڑے لے آتی تھی میرے لئے !!

دلتوں کی کس قدر راذیت اس نظم سے محسوس ہوتی ہے چمڑے کی سڑن اور مریل پاؤں سے صاف کرنا سن کر کتنا عجیب لگتا ہے اور اس کے بدلے میں ایک دلت ماں اپنے بچے کو کھلانے کے لئے گوشت لے جاتی تھی۔ دلتوں کی ذلت کی زندگی پر یہ نظم ایک سوال چھوڑ جاتی ہے۔ بال گنگا دھر لکھتے ہیں:

''دردو کرب سے پر یہ نظم دلت سماج کی بے رحم سچائی ہے اس کا سادہ انداز بیاں دل کو دہلا دینے والا ہے۔ ان کی نظموں کو اگر دلت بن کر پڑھا جائے تو بغاوت کے لئے دل ودماغ آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن جس برہمنوادی نظام نے دلتوں کو اس مقام تک لا چھوڑا ہے انہیں اس کا افسوس تک نہیں ہے''۔ ۳۰

یوں تو جینت پرمار کی شاعری میں کئی موضوعات ملتے ہیں۔ لیکن برہمن وادی نظام کے خلاف آواز بلند کرنا انکا اہم مقصد رہا ہے۔ انکی شاعری دل ودماغ میں ایک تصویر کھینچتی ہے۔ انکی تصویروں میں زندہ دلی پائی جاتی ہے۔ ان کے سارے مجموعوں میں عمدہ مصوری کے نمونے ملتے ہیں اس طرح وہ اردو کے پہلے دلت شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مصور شاعر بھی ہیں۔ شاعری اور مصوری دونوں کی آمیزش سے وہ اپنی بات کہنے میں ماہر ہیں۔ ایک اور جگہ بال گنگا دھر باغی لکھتے ہیں:

''جینت پرمار کی نظر میں دلت شعور وہ ہے جو اپنی تاریخ کو نظر ثانی کرتی ہے اور نکے ساتھ ہوئے اور ہو رہے چھوا چھوت' غیر برابری' عصمت دری' اور غلام بنانے کی تمام کوششوں کی مخالفت کرتی ہے ساتھ ہی اپنے حقوق کے لئے جنگ وآزادئ حیات کا خواہاں بھی ہے۔ مثلاً مذہبی' سیاسی' سماجی وغیرہ کی آزادی ہو' یعنی ہمیں ہمارا حق ملنا چاہیے اور ہم اپنی زندگی اپنے حساب سے کریں گے''۔ ۳۱

یقیناً جینت پرمار نے اپنے حق کے لئے آواز اٹھائی، جینت پرمار سے قبل اردو نظم میں دلت ادب اس قدر واضح نہیں ہوا تھا جس طرح پرمار نے کیا ہے۔ انہوں نے اپنی آپ بیتی کو جگ بیتی بنا کر پیش کیا ہے ۔ ان کی شاعری کا محور ومرکز دلت مسائل رہے ہیں۔ انہوں نے اردو زبان کے علاوہ گجراتی زبان میں بھی

اپنے مسائل کو اٹھایا ہے۔تمام ناقدین کا کہنا بھی یہی ہے کہ جینت پر مار سے قبل کسی نے بھی اردو شاعری میں دلت مسائل کو پیش نہیں کیا۔ان کی نظم ''منو تیری قسمت ہے کالی'' میں انہوں نے دلتوں پر کی جانے والی ذلت کی بھرپور عکاسی کی ہے۔منو کے نظام کائنات کے لوگوں کو جینت پر مار نے کھلا چیالج دیا ہے۔ جو قدیم روایت وتہذیب اور آج کے بدلتے ہوئے منظرنامے کی حقیقی تصویر کشی کو پیش کرتا ہے نظم کے چند لائن ملاحظہ کیجئے۔

منو کبھی گردن پہ کلہڑی
پیٹھ پہ جھاڑو لٹکا کر نکلا ہے کہیں؟
کانوں نے چکھا ہے کبھی کیا
ذائقہ جلتے سیسہ کا!
تیری ماں کو سرِ عام ننگا کر کے
چابک سے اس کی رانوں کو
لہولہان کیا ہے کسی نے؟

اعلیٰ ذات کے لوگوں نے ماضی میں دلتوں کے ساتھ جو ظلم وستم ڈھائے ہیں اگر وہی ظلم وستم ان اعلیٰ طبقے کے لوگوں پہ کیا جاتا تب ان کا کیا حال ہوتا دراصل یہی بات جینت پر مار نے اپنی نظم ''منو تیری قسمت ہے کالی'' میں بتانا چاہتے ہیں۔شاعر مزید کہتا ہے کہ اعلیٰ ذات کے لوگ پھولوں کے بستر پہ سوتے ہیں لیکن دلتوں کے نصیب میں تو سمشان گھاٹ کا سناٹا لکھا ہے۔اعلیٰ ذات کے لوگ دودھ اور گنگا جل سے نہاتے ہیں لیکن میرے لئے چلّو بھر پانی ،جینت پر مار کی یہ نظم دلتوں کی سچی تصویر پیش کرتی ہے۔

دلت کی اصلاح نہ صرف کچلے ہوئے طبقوں کی صحیح ترجمانی کرتی ہے بلکہ ہر اس جدوجہد کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جو دراصل کچلے ہوئے عوام اپنے حقوق کیلئے کر رہے ہیں آزدی کے بعد اس طبقے میں یہ احساس بڑھتا چلا گیا انہیں ترقی کے مواقع دینے کے بجائے نظر انداز کرنے کا سلسلہ اور بھی دراز ہوتا جارہا ہے۔کچھ تحریکیں انہیں سہولتیں مہیا کرانے کے لئے کوششیں بھی کر رہی تھیں اور کچھ حد تک ان کوششوں میں کامیابی بھی ملی لیکن دلتوں کو نوکریاں دینے انہیں نوکریوں میں ریزوریشن دینے سے مسلۂ پوری طرح حل نہیں

ہوگا انہیں سماج میں مساوات کا درجہ دیا جانا چاہیے۔ یہ درجہ انہیں نہ بھی دیں تو کم از کم انہیں کم ذات تو نہ سمجھنا چاہیے انہیں بھی دیگر قوموں کی طرح سماج میں وقار ملنا چاہیے۔ برسوں سے کی جارہی اس جدوجہد کو جینت پرمار نے اپنی شاعری کے ذریعہ جلا بخشی ہے۔ جینت پرمار کی نظمیں انسان کو انسان کا حق دلانے کی بات کرتی ہیں ان کی نظمیں فلسفے کا مرقع تو نہیں جس میں اعلیٰ طبقے کا تصور اور اسکی روحانیت کو معاشرے کا اصل جز تسلیم کیا جائے۔ نظم ''منو'' میں جینت پرمار نے باغیانہ رخ اختیار کیا ہے۔ ماضی میں جو دلتوں کا استحصال کیا گیا اس کا اظہار پرمار نے بڑے ہی غصہ سے کیا ہے۔ نظم ''منو'' ایک بہترین نظم کہی جا سکتی ہے۔ بال گنگا دھر اپنی کتاب جینت پرمار کا دلت تصور میں لکھتے ہیں:

> ''اس سے بڑا درد وغم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک انسان کو انسان بننے کے لیے انسانیت کے ہر راستے میں قفل لگا دیا جائے۔ جینت پرمار نے اس لیے اس نظم میں باغیانہ طرز سے کام لیا ہے ''منو'' کو نیم کی شاخ پر گھر کے ہی سامنے لٹکانے کی بات کرتے ہیں۔ غور طلب ہے کہ گھر کے سامنے ''منو'' کو ننگا کرنے کا تصور شاعر نے کیوں تخلیق کیا اس کے گھر کے سامنے ننگا لٹکانے کی بات کیوں کرتا ہے دراصل ''منو'' صرف آدمیوں کا استحصال نہیں کیا بلکہ عورتوں کو بھی اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ سماج میں عزت اور اعلیٰ قدر کی نظر سے دیکھی جائیں''۔ ۳۲؎

نظم ''منو'' کا تذکرہ راقم الحروف نے پچھلے صفحات پر بھی کیا ہے دوبارہ اس لئے کیا گیا کہ یہ نظم پرمار کی ایک شاہکار نظم ہے اور اس نظم میں شاعر نے جس غم وغصہ کا اظہار ''منوسمرتی'' نظام پر کیا ہے وہ یقیناً قابل ستائش ہے۔ جینت پرمار دلت سماج میں تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ دلت سماج اور برہمن سماج ایک معاشرے کی دوصورتیں ہیں۔ دلت سماج صدیوں سے گھٹن کی زندگی منووادیوں کے برسراقتدار میں جھیلا ہے۔ دلتوں کی چتر ورن کے خلاف اٹھتی ہوئی ہر صدا کو برہمنوں نے شکست دینے کی کوشش کی جس میں انہیں کافی حد تک کامیابی بھی ملی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی دلت شاعر یا ادیب اپنی تحریروں میں برہمنوں کے خلاف آواز اٹھاتا تو برہمن اسے نیست ونابود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ 1873ء میں جیوتی با پھولے نے ''غلام گیری'' نام کی

کتاب لکھی۔اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ہزاروں سال سے ذات پات چھوا چھوت کے نام پر دلتوں کے استحصال، ناانصافی اور غیر برابری کے سلوک کو دور کیا جا سکے۔جیوتی با پھولے نے اس کتاب میں برہمن وادی نظام معاشرت اور ان کی تاریخ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے دلتوں کے لئے انسانی حقوق کی مانگ کی ہے۔دلتوں کے حق میں یہ کتاب سودمند ثابت ہوئی۔

جینت پرمار کی اہم نظموں میں ''نظم نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا'' بھی ایک اچھی نظم ہے۔اس نظم کا دوسرا بند مفصل طریقے سے اشاراتی وحقیقت پسندانہ طرز میں پیش کیا گیا ہے۔مثلاً قلم کا اندھیارا پلکوں پر لیپ دیا ' یہ مصرعہ اس بات سے روشناس کرانا چاہتا ہے کہ ایک دلت جب اپنے غم کو بیان کرتا ہے تو اس کی نہ صرف آنکھیں روتی ہیں بلکہ قلم سے بھی درد وغم کا اشک رواں ہوتا ہے۔زندگی کے اسی تلخ تجربے میں شاعر نے اپنے بال سفید کیے شاعر نے اس نظم میں تشبیہ سے کام لیا ہے کہتا ہے کہ اس کے بال چاندی کی مانند سفید ہو گئے ہیں چونکہ دلتوں کی زندگی کا ہر دور درد کی زمیں پہ گذرا ہے اسی لئے وہ جب لکھتا ہے تو ہر مصرعہ اس کا افسانۂ حیات ہوتا ہے۔جینت پرمار کی شاعری کے متعلق شمیم حنفی لکھتے ہیں:

> ''مجھے اس کی شاعری پسند ہے وہ جس سماج کا فرد ہے اور جس ماحول میں پلا بڑھا ہے اس کا عکس اس کی شاعری میں جگہ جگہ نظر آتا ہے اردو شاعری میں یہ ایک خوش گوارا اضافہ ہے''۔۳۳

جینت پرمار کی شاعری ادبی حلقہ میں یقیناً ایک خوش گوارا اضافہ ہے۔شاعر نے صرف اپنے نہ صرف اپنے لئے آواز اٹھائی ہے بلکہ اپنے سماج کے ان تمام لوگوں کی بربادی کو قلمبند کرتا ہے جو غم والم کے طوفان سے بغاوت کرتے رہے۔دلتوں کی ذلت کا سلسلہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔پرمار نے اس ذلت کے خاتمہ کا بیڑا اٹھایا ہے۔دیکھنا ہے وہ اس میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں ''نظم نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا'' کے آخری بند میں درد کی غم گین شام کو جو دلتوں کی تباہی کی شام ہے، کہتے ہیں دلت اپنی ذلت کی زندگی و دکھ کے دریا کو پار کر رہا ہے۔آخر کار میں علم کو حاصل کرتا رہا اور اسی علمیت نے مجھے نبرد آزما ہونا سکھایا۔اس نظم کے متعلق بال گنگا دھر اپنی کتاب ''جینت پرمار کا دلت تصور'' میں رقمطراز ہیں:

> ''یہ نظم اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ دیوانہ شاعر اپنے احساس و تجر

بات وہ درد وغم کی ہر شام کے سفر کو نظموں کے ذریعہ ہی طے کیا ہے لیکن وہ
سفر ہی تک محدود نہیں بلکہ وہ بتانا چاہتا ہے کہ اپنی آزادی کے لئے ہم
نے بغاوت نظموں سے کی یعنی تعلیم و تربیت نے میرے اندر و عالمانہ و
باغیانہ عنصر پیدا کیا جس کی بنا پر میں حق و بالا کے میدان جنگ میں
ہوں۔ اسی طرح دلت سماج اپنی لڑائی کو اپنی سمت عطا کر رہا ہے کیوں
کہ اگر وہ علم کو حربے کے طور پر استعمال نہیں کرے گا تو مساوات کی
جنگ جیتنا غیر ممکن ہو جائے گا''۔۳۴؎

جینت پرمار نے اس نظم میں اختتام تک خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ مجموعہ ''اور'' میں شامل نظم ''پہاڑ'' بھی ایک عمدہ نظم ہے۔ یہ نظم جینت پرمار کی شاعرانہ بصیرت کا ثبوت پیش کرتی ہے یہ نظم اپنی معتدی بلاغت سے مزید معنی آفرینی آہنگ عطا کرتی ہے۔ پہاڑ اس نظم کا محبوب موضوع ہے جو ایک جگہ امیدوں کا درخشاں سیارہ ہے تو دوسری طرف زروں کو قتل کرنے والی فصیل ہے، جو آگے بڑھنے کی ہر تمنا کو قربان کرتی ہے۔ شاعر نے ایک نام کے دو معنی مراد لیے ہیں اس نظم کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ قدرتی مناظر علامتوں کی شکل میں استعمال ہوئے ہیں نظم کا پہلا بند ملاحظہ کیجئے؎

صبح کے نیلے آنگن میں
کہرے کے پیڑ
کہرے کے پیڑوں میں ڈوبی
چاروں دشائیں اور یکا یک
بکھر گیا کہرے کا جنگل
پور پور میں حیراں کن
سامنے ہے کوئی پہاڑ
آ و تمہاری آنکھوں میں
لکھ دوں ان کے نام!

جینت پر مار کی اس نظم میں صبح امید کے معنوں میں لی گئی ہے اس نظم میں امید کئی آرزوں کو پیدا کرنے والی ہے لیکن کچھ مسائل کہرے کے درخت کی مانند ہیں اور اس کہرے کے درخت میں چاروں دشائیں غرق ہوگئی ہیں۔نظم کے سارے بند اپنی جگہ معنویت اور تہہ داری لیے ہوئے ہیں۔جینت پر مار کو اپنی بات کہنے میں کمال حاصل ہے۔آسمان اردو شاعری میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن جینت پر مار کے یہاں آسمان کا مطلب ذہن رسا کی وہ بلندی ہے جس میں نہ صرف اعلیٰ فلسفہ کا ذخیرہ ہے بلکہ زندگی کی وہ تمام روحانی وہ تجرباتی احساس ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔لیکن آسمان اس نظم میں آزادی کی اس امید کا نام ہے جو خواب بن کر رات بھر آنکھوں سے رواں رہتا ہے۔

دلت سماج ویدوں کے زمانے سے ہی خانہ بدوشی کی زندگی جینے کے لیے مجبور کیا گیا ہے۔اس دور سے لیکر آج تک اس سماج کی زندگی میں شب و روز کئی واقعات و حادثات پیش آئے ہیں۔دلت سماج آج بھی مکمل مہذب ہونے سے دور ہے لیکن دلت سماج میں سدھار لانے، اس میں تبدیلیاں لانے کی تیاریاں مزید چل رہی ہیں۔جینت پر مار کی نظم ''اپرا'' میں خانہ بدوشی کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے جو مراٹھی ادب کے ادیب لکشمن گائکواڑ کی تخلیق ''اُپرا'' سے منسوب ہے۔یہ کتاب انکی خودنوشت تھی۔ اس نظم میں خانہ بدوش زندگی کی عکاسی بڑے باریک بینی سے کی گئی ہے۔شاعر نے حق گوئی کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔خانہ بدوش ایک جگہ رہنے والی ذاتیاں نہیں ہیں یہ جینے کھانے اور رہنے کی تلاش میں در بدر ہوتی رہتی ہیں۔

دلت شعرا کا لہجہ بے شک انتہائی تلخ ہے لیکن یہ وہ نشتر ہے جو تکلیف دہ زخموں سے فاسد مادے نکال دیتا ہے اور درد کم کر کے قلبی سکون مہیا کرتا ہے۔یقیناً دلت شعراء کی نظمیں صداقت کا آئینہ ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ نظمیں سجی سنوری نہ ہونے کے باوجود بھی ہمیں اچھی لگتی ہیں، ان کا رنگ دوسروں سے الگ ہے۔دکھ تڑپ اور کرب ان نظموں میں نمایاں ہوتا ہے۔جینت پر مار دلت ادب کے ایک نمایاں شاعر ہیں۔انکی نظم ''ڈاکٹر امبیڈکر کے لئے'' کے متعلق ڈاکٹر یوسف خان لکھتے ہیں:

> ''جینت پر مار کی نظم ''ڈاکٹر امبیڈکر کے لئے'' دلت مذہبی وسیاسی رہنما کو خراج عقیدت میں پیش کی گئی ہے وہ آزاد نظم ہے جس میں دلت قوم کی پستی وغریبی کے ذکر کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر امبیڈکر کے کارناموں کی

جانب اشارہ کرتے ہوئے افسوس ظاہر کیا گیا ہے کہ دلت قوم آج بھی

زوال پذیر ہے''۔۳۵؎

دلت ادب میں اشاروں کنایوں میں کہنے کے بجائے شعراء نے راست طور پر حقائق سامنے رکھے ہیں یہ سچ ہے کہ فنی اعتبار سے ان نظموں میں نقائص ہیں۔ کرخت لہجہ' سخت الفاظ اور شدید غم وغصے کے اظہار نے شاعری کے حسن کو متاثر ضرور کیا ہے لیکن دلت ادب کی شاعری میں جو صداقت اور دکھ کی گہرائی ہے وہ انسانیت' ہمدردی اور انصاف پسندی کے رجحانات کی یاددہانی ضرور کرتی ہے۔

جینت پرمار کا تیسرا شعری مجموعہ ''مانند'' کے نام سے 2007ء میں ادارہ ''سخن کدہ'' کے زیراہتمام شائع ہوا۔ اس مجموعہ کے لئے بھی گجرات ساہتیہ اردو اکادمی کا مالی تعاون شامل رہا ہے۔ اس مجموعہ کا انتساب ممتاز نقاد گوپی چند نارنگ کے نام ہے۔ اس مجموعہ کا سرورق پر اپنی مصوری کا جادو دکھایا ہے۔ مختلف قسم کی تصاویر سرورق پر نظر آتی ہیں۔ جینت پرمار اپنی نظموں میں اردو شاعری کی مروجہ بحروں اور اوزان سے ہٹ کر کہیں کہیں صرف آہنگ کے سہارے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ مجموعہ ''مانند'' کے بیاک کور پیج پر امجد اسلام امجد لکھتے ہیں:

''جینت پرمار کی نظموں کی دو خوبیوں نے مجھے بہت متاثر کیا ہے ایک تو ان کے موضوعات ہیں اور دوسرے ذخیرۂ الفاظ یعنی Vocabulary وہ ایک اچھے اور تخلیقی شاعر کی طرح کسی بھی موضوع اور صورت حال سے نظم نکالنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کی مطابقت سے الفاظ چننے میں وہ ایک لحظے کو بھی نہیں جھجکتے یہی وجہ ہے کہ ان کی نظمیں قارئین کو اپنے مشاہدے اور تجربے کا حصہ محسوس ہوتی ہیں''۔۳۶؎

مجموعہ ''مانند'' میں دوسری نظم عظیم شاعری مرزا غالب پر لکھی گئی نظم ''نذرغالب'' کے نام سے شامل ہے۔ اس کے علاوہ ''خشک ہونٹوں پر وہ حرف معتبر آیا تو کیا'' جیسلمیر'' ماں کی موت پر تین نظمیں'' فجر کا پہلا ستارہ ضرور آئے گا'' میرا دل ہے میری مسجد'' ذات'' گیند'' خدا کی چہرے جیسی صبح'' خدا میرے سامنے کھڑا ہے'' جناور'' میری جنگ روٹی کی نہیں'' منو تیری قسمت ہے کالی'' نانی کی تصویر'' ستارے چمکتے ہیں کچھ دور تک

’’جنم دن‘‘ میرے بھائی جو میرے بعد زندہ بچیں گے‘‘ اس دن میں نے آخری سورج دیکھا تھا‘‘ فراقِ شب کا سیاہ کونا‘‘ وغیرہ نظمیں اہمیت کی حامل ہیں۔

مجموعہ مانند میں شامل پہلی نظم ’’فہرست‘‘ میں شاعر جینت پرمار نے دو بڑے شاعروں کا ذکر کیا ہے۔ ایک اردو کے عظیم شاعر مرزا غالب دوسرے اسپنش زبان کے شاعر پابلو نرواداجن کی بیس پیار بھری نظمیں شہرت رکھتی ہیں۔ شاعر کہہ رہا ہے کہ میرے لئے جو چیزیں ہیں ان میں کاغذ، قلم، چاقو کے علاوہ دو قیمتی چیزیں اور بھی ہیں وہ دو قیمتی چیزیں دراصل مرزا غالب اور پابلو نرودا کی ہیں۔ شاعر کے نظم کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ دونوں شعراء کا کلام آج بھی مہک رہا ہے آج بھی ان شعراء کے قدرداں موجود ہیں۔ آج بھی دل ان کی نظمیں گنگناتا اور لکھنا چاہتا ہے۔ آج بھی ان کی نظمیں پھولوں کی مانند معصوم ہوتی ہیں۔ دوسری نظم ’’نذر غالب‘‘ یعنی مرزا غالب کے نام ہے اس چھوٹی سی نظم کا آخری شعر ملاحظہ ہو۔

جب بھی پڑھتا ہوں تازہ لگتے ہیں
رنگ کیا کیا میاں اسد میں تھے

’’نظم سے‘‘ اس عنوان سے تین نظمیں شامل ہیں۔ شاعر نظم سے (۱) میں نظم سے مخاطب ہوکر کہتا ہے تو نے مجھے مرنے نہ دیا میرے کمزور بازوؤں پر سورج تھا میرا سایہ بھی جب میرے ساتھ نہیں تھا جب مجھ میں جینے کی خواہش سرد پڑی تھی تو نے مجھے مرنے نہ دیا تھا تو نے مجھے زندہ لاش ہونے سے بچایا تھا۔ میرے ماضی کی گہری کھائی سے میرا ہاتھ پکڑ کر تو نے نکالا تھا ہر ردیف قافیوں کی باہنوں میں مجھے اٹھا کر اپنے گھر لے آئی تھی تو مجھے سونے نہ دیا تھا۔ نظم کے مطالعے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شاعر کو زندہ رہنے کی قوت اور زندہ رہنے کی خواہش محض اسکی شاعری ہی ہے۔ شاعر اپنی تخلیقات کی وجہ سے اس بے رحم دنیا میں زندہ رہنا چاہتا ہے ورنہ وہ اس دنیا سے عاجز آچکا ہے۔ ’’نظم سے‘‘ میں شاعر اپنی محبوبہ سے مخاطب ہے۔ شاعر کے بقول اگر محبوبہ پیار سے گلے لگالیتی ہے تو موت بھی ہمارے قریب نہیں آسکتی۔ شاعر دیوانگی میں محبوبہ کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

شبِ جنوں میں
انتظار کرتا ہوں

تیرے آنے کا جب
زندگی مجھ کو
کچے دھاگے کی رسی پر
بغیر چھتری کے چلتی
لڑکی کی مانند لگتی ہے!

نظم ''صبح اب بھی ہوتی ہے'' اس نظم میں شاعر نے فسادات کا ذکر کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ فسادات کے موقع پر انسان ایک رات بھی چین سے سو نہیں سکتا اور سوتا بھی ہے صبح تک اس کے زندہ رہنے کی کوئی گیارنٹی نہیں، شاعر حیرت و تعجب کا اظہار کر رہا ہے کہ آج چھوٹے بچے کے ہاتھ میں کھلونے کے بجائے بندوق ہے۔ یہ ننھے منے ہاتھ ابھی گیند اور کتابوں سے بھی آشنا نہیں ہوئے ان کے ہاتھوں میں بندوق تھما دیا گیا۔ شاعر اس نظم میں ملک عراق کا ذکر بھی کرتا ہے شاید شاعر عراق میں ہوئی جنگ کے متعلق یہ نظم کہی ہو۔ نظم ''صبح اب بھی ہوتی ہے'' سے چند لائن ملاحظہ کیجئے۔

صبح اب بھی ہوتی ہے
رات کا حسیں ناٹک
روز کھیلا جاتا ہے
پھول جیسے بچوں کے
ہاتھ میں ہیں بندوقیں
ہاتھ ننھے منے سے
آشنا نہ ہو پائے
گیند اور کتابوں سے

مارینا تسوئیوا Marina Tswetaeva ایک روسی شاعرہ تھی جو 1892ء کو ماسکو میں پیدا ہوئیں اور 1941ء کو انتقال کر گئیں۔ ان کا شمار روس کے چند اہم شاعروں میں ہوتا ہے۔ انقلاب روس پر انکی بہت سی نظمیں اہمیت کی حامل ہیں۔ اس سے پہلے کے مجموعوں میں بھی مارینا تسوئیوا پر جینت پرمار کی نظمیں ملتی

ہیں۔اس نظم سے چند لائن پیش کئے جاتے ہیں۔

نیند میں کبھی آکر
میرے دل سے کہتی ہے
اشک کو بچا رکھنا
کل وہ کام آئیں گے
لفظ پر جمی ساری
گرد پونچھ لیتا ہوں
چاند پر اگی کالی
گھاس نوچ لیتا ہوں

ماریناکے علاوہ الیکسنڈر بلوک پر بھی جینت پرمار نے ایک نظم ''نظم'' کے عنوان سے رقم کی ہے۔ Aleksandar Blok 28نومبر 1880ء کو سینٹ پیٹرس برگ (روس) میں پیدا ہوا۔ اور 7/اگست 1921ءکوانتقال کر گیا یہ روس کا عظیم شاعر اور گیت کار تھا۔اور یہ ایک کرانتی ویر کی حیثیت سے بھی جانا جاتا تھا ۔اس کے کارنامے بڑے مشہور ہوئے ہیں۔اسی سبب جینت پرمار نے اس پر نظم کہہ کر خراج عقیدت پیش کی ہے۔پرمار نے اس نظم میں الیکسنڈر کے بلند حوصلوں کی داد دیتا ہے اور کس طرح وہ اپنے کارناموں پیش کیا تھا اس کا اظہار شعری پیرایہ میں کیا ہے۔نظم کے آخری لائن پیش کئے جاتے ہیں۔

اندھیری راتوں کو چیر کر
امیدوں کے جگنو سے جیب بھر کر
نکل پڑے تھے
عظیم کرانتی کی شاہ راہوں پہ تم اکیلے!

شاعروں،ادیبوں اور بڑے بڑے آرٹسٹوں پر جینت پرمار کے یہاں بے شمار نظمیں ملتی ہیں۔اس طرح کی نظمیں کہہ کر انہوں نے ان عظیم فنکاروں کو عمدہ خراج عقیدت پیش کیا ہے۔جینت پرمار کی نظموں میں علامتیں اور استعارے بھی کہیں کہیں ملتے ہیں وہ عام فہم زبان میں ہی اپنی بات کہہ جاتے ہیں مجموعہ مانند

کے بیک کور پیج پر غلام حسین ساجد لکھتے ہیں:

''وہ زندگی کو ایک سچے مصور اور خالص شاعر کی معصومیت کے ساتھ دیکھتا اور موضوع بناتا ہے اور خیال کی ندرت اور جذبے کے الھڑ پن کو ضعف پہنچائے بغیر اسے دوسروں کے ساتھ بانٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی شاعری تصنع، بناوٹ صناعی، کاریگری اور فکری تناؤ سے پاک ہے اور کائنات میں زندگی کے آغاز سے جڑے تجربے کا تسلسل محسوس ہوتی ہے۔ اسے اپنی معصومیت کے پاس کرنے اور سنبھالنے کا ہنر خوب آتا ہے''۔۳۷

شیزوفرونیا Schizophrenia کے عنوان سے جینت پرمار نے ایک نظم لکھی ہے یہ دراصل ایک قسم کی بیماری ہوتی ہے جس میں انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوتی ہے۔ جب کوئی انسان اس بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کا حال بالکل پاگلوں کی طرح ہوتا ہے۔ کچھ اسی طرح کی کیفیت کو شاعر نے اس نظم میں پیش کیا ہے۔ نظم کے چند لائن ملاحظہ کیجئے۔

ایک اک لمحہ یوں لگتا ہے
دل کی ٹیڑھی میڑھی گلی میں
دبے پاؤں آتا ہے کوئی
اور مجھ سے باتیں کرتا ہے
کانوں کے تاریک کنویں میں
گونجتی رہتی ہیں آوازیں جنگل کی
کوئی نہیں ہے چہرا اس کا!

''جیسلمیر'' کے عنوان سے جینت پرمار نے جملہ (6) نظمیں کہی ہیں شاید وہ اس خوبصورت مقام سے بہت متاثر ہوئے ہونگے۔ ''جیسلمیر'' دراصل ایک تاریخی شہر ہے جہاں بہت ہی خوبصورت قلعہ ہے جس کے اطراف ریت ہی ریت ہے شام کے وقت یہاں کا نظارہ بڑا ہی پیارا دکھائی دیتا ہے۔ مصور کا دل چاہتا

ہے وہاں کوئی خوبصورت تصویر بنائے ،اس خوبصورت قلعہ کے سائے میں اونٹ بیٹھا ہوا ہے اس طرح کی منظر کشی شاعر جینت پرمار نے اپنی ان نظموں میں کی ہے۔شاعر کہہ رہا ہے کہ قلعہ کے سائے میں اونٹ بیٹھا ہوا جگالی کرر ہا ہے۔نظم ''جیسلمیر 1'' ملاحظہ کیجئے۔

دور دور تک
ریت سمندر
ریت کے پیلے ہاتھوں میں
پیتل کے سورج کا تمغہ
اونٹ کی اونچی گردن جیسے ٹیلے پر
لڑکی کے گالوں پہ
ہلدی ملتی پیلی پیلی شام!

جینت پرمار کی نظم ''میرا دل ہے میری مسجد'' یہ نظم تصوف کی نظم ہے اس نظم میں شاعر نے اپنے دل کو خدا کا گھر کہا ہے۔شاعر نے عشق حقیقی کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے شاعر کہتا ہے کہ وہ جب بھی بھیڑ بھاڑ میں ہوتا ہے یا پھر تنہائی میں ،اس کا دل خدا کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتا اور دل ہی دل میں نماز پڑھ لیتا ہے شاعر کے تصور میں مسجد کی نورانی تصویر ابھرتی ہے اور دل ہی دل میں شاعر خدا سے جا ملتا ہے اور روحانیت حاصل کر لیتا ہے۔ بہرکیف پرمار کی یہ نظم تصوف کی عمدہ ترجمان ہے۔اس کے علاوہ ایک اور نظم ''خدا کے چہرے جیسی صبح'' بھی اسی طرز کی معلوم ہوتی ہے۔شاعر مسجد کے سامنے کھڑا ہوا ہے اور مسجد میں داخل ہونے سے پہلے خدا کے چہرے جیسی صبح شاعر کو دکھائی پڑتی ہے۔ پھول تتلیاں اور کبوتر بھی اسے نماز پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ایک اور نظم بھی اسی طرز اظہار کی نمائندگی کرتی ہے۔''خدا میرے سامنے کھڑا ہے'' دراصل یہ نظم بھی تصوف کی عمدہ ترجمان معلوم ہوتی ہے۔جینت پرمار ایک دلت شاعر ہونے کے باوجود بھی ان کے یہاں ایسی کئی نظمیں ملتی ہیں جس میں خدا اور مسجد سے تعلق ظاہر ہوتا ہے۔جینت پرمار کا دل صاف ہے اور ان کا دل ہر وقت خدا کی یاد میں مگن رہتا ہے۔

جینت پرمار کے یہاں موضوعات کا تنوع ملتا ہے کہیں وہ ادبی شخصیات پر قلم اٹھاتے ہیں تو کہیں

مصور حضرات کے فن کی سراہنہ کرتے ہیں انکی مختلف نظموں کے مطالعے سے اتنا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ ان کا اسلامی مطالعہ بھی وسیع معلوم ہوتا ہے اسی سبب انہوں نے نماز، خدا، اللہ اور مسجدوں کے متعلق نظمیں لکھنے کی سعادت حاصل کئے ہیں۔ان کا اسلوب سیدھا سادہ اور رواں ہے۔انکے یہاں نہ تو فارسی کے دقیق الفاظ ملتے ہیں اور نہ ہی عربی کے، وہ بالکل ہی عام فہم زبان کا استعمال کرتے ہوئے اپنا مدعا بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے قاری کو افہام وتفہیم کی الجھنوں میں نہیں ڈلا اسی سبب انکی نظمیں راست دل میں اتر جاتی ہیں معروف ادیب غالب عرفان لکھتے ہیں:

> ''جینت پرمار ہمارے عہد کے ان منفرد شاعروں میں سے ہیں جو درونِ ذات کی پیاس کو فکری سطح پر لاکر اپنے فنی شعور سے آراستہ کر رہے ہیں، اپنی ایک الگ شناخت بنا چکے ہیں ان کا شاعرانہ وجود پیش پیش اس ہراول فہرست میں شامل ہے جو آج کی شاعری کا منظر نامہ ہے اور اگر اسی طرح یہ اپنے معیار، مقدار اور رفتار کے ساتھ سفر جاری رکھیں تو عہد آئندہ کے شعری تناظر میں انہیں صفِ اول شعرا میں شامل ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا''۔۳۸؎

جینت پرمار کی شاعری کے متعلق بڑے بڑے ناقدین نے اپنی گراں قدر رائے سے نوازا ہے جن میں شمس الرحمٰن فاروقی، وارث علوی، گوپی چند نارنگ اور بلراج کومل اہمیت کے حامل ہیں۔مجموعہ ''مانند'' میں ''ذات'' عنوان سے دو نظمیں ملتی ہیں۔ان نظموں میں شاعر اپنے دلت ہونے کی احساس کمتری کو پیش کیا ہے ۔نظم ''ذات۔ا) میں شاعر کہتا ہے کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے اور وہ خواب میں جاگیر دار کا لڑکا بنا ہوا ہے۔ سارے گاؤں پر رعب جماتا پھر رہا ہے گاؤں کے سارے لوگ اس سے ڈر رہے ہیں لیکن یہ سب محض خواب کی باتیں ہیں۔اچانک نیند سے آنکھ کھل جاتی ہے تو سب کچھ بدلا بدلا سا لگتا ہے وہی ذات پات کا جھگڑا، شاعر خواب سے حقیقت کی دنیا میں آتا ہے تو اپنے کم ذات ہونے کے احساس سے پریشان ہو جاتا ہے۔اسی طرح نظم ''ذات 2'' میں شاعر کے دلت ہونے پر کس طرح اسکول والوں نے اسے اسکول سے نکالا تھا اور اس کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا گیا۔شاعر اپنے ماضی کے متعلق سوچ رہا ہے کہ کس طرح اعلیٰ ذات

والوں نے دلتوں نے جو سلوک کیا تھا اسی کو شاعر نے ''ذات 2''میں پیش کیا ہے۔

جینت پرمار کے ہر مجموعہ میں چالیس فیصد نظمیں ایسی ہیں جو دلتوں کے درو غم کو بیان کرتی ہیں مجموعہ مانند میں بھی اسطرح کی کئی نظمیں شامل ہیں۔ اسی طرز کی ایک نظم ''کیفیت'' بھی ہے اس نظم میں شاعر یہ کہہ رہا ہے کہ اگر میں مرجاؤں گا تو تب میری سوانح حیات میں تیرگی، دھتکار اور در بدر کی ٹھوکریں لکھ دینا، اس کے علاوہ میری پیٹھ پر چابک کے نیلے نشان بھی ہیں اسے بھی میری سوانح میں شامل کر لینا۔ دلتوں کو سماج میں کس قدر کمتر سمجھا جاتا ہے دراصل وہی کیفیت کو جینت پرمار نے اپنی نظم کیفیت میں پیش کیا ہے نظم کا آخری بند ملاحظہ کیجئے۔

ہمیشہ کی مانند
خود کو سمجھنے کی کوشش نہ کی
میں فقط گندی نالی کا کیڑا ہی تھا
جسے پاؤں نیچے ہی کچلا گیا
ہے صدیوں پرانی
یہ لفظوں کی قاشیں
میری یاتنائیں
سمائیں گی کیسے
کسی نظم میں!!

جینت پرمار کا چوتھا شعری مجموعہ ''انتر ال'' کے نام سے 2011ء میں کرناٹک اردو اکاڈمی کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ اس کتاب کا سرورق اور پینٹنگ خود شاعر نے کی ہے۔ کتاب کا انتساب اردو کے نام کیا ہے۔ مجموعہ ''انتر ال'' 80 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ میں انکی مخصوص نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ غالب کی ٹیڑھی زمین' غبار جان سے ستارہ نکلنا چاہتا ہے' دوات' روم ٹیک مونا سٹیری' گوپی چند نارنگ' کچلے ہوئے ہاتھوں میں خوشبو ہے ابھی باقی'، میرے شعر پڑھ کر سوتے تھے' پھر ساری کائنات کا جنم ہوا' اس سے پہلے کہ مٹی مجھے اوڑھ لے' نظم کو میری ضرورت ہے' یہ سچ ہے شاید نظم سے کچھ نہ ہوگا' میری بستی میں شام' لڑکی

کے سرخ لبوں کی چھاپ' وغیرہ نظمیں قابل ذکر ہیں۔اس مجموعہ کے آغاز میں عرض ناشر میں پروفیسر ایس یم رحمت لکھتے ہیں:

''پنسل اور دوسری نظمیں'' شعری مجموعہ کے لئے مرکزی ساہتیہ اکاڈمی انعام یافتہ جناب جینت پر مارکا شعری مجموعہ ''انترال'' اسی سلسلے کی کڑی ہے۔شاعری اور مصوری پر محیط اس شعری مجموعہ کو آپ کے ہاتھوں میں رکھتے ہوئے ہمیں بے حد خوشی کا احساس ہو رہا ہے''۔۳۹

''خلیل ابن احمد بصری'' پر دو نظمیں شامل ہیں خلیل ابن احمد بصری علم عروض کے موجد ہیں انہوں نے فن شاعری کی بحریں ایجاد کی تھیں ''دوات'' کے عنوان سے تین نظمیں لکھی ہیں۔'دوات 1' میں شاعر کہتا ہے کہ جب وہ قلم کو دوات میں ڈبوتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ اندھیرے کنویں کے پانی میں کنکر پھینکا ہو کالے جھاگ میں لفظ چمکتے ہوئے جگنو کی طرح لگ رہے ہیں کنویں کے پانی میں روشنی گویا تیرنے لگتی ہے۔دوات 2 میں بھی شاعر کچھ اس طرح کے خیال کو پیش کرتا ہے۔نظم دوات 3 معروف شاعر گلزار کے نام کی ہے۔شاعر گلزار کس طرح اپنی نظمیں لکھتے ہیں رات رات بھر جاگتے ہوئے،سوچ میں گم ہو کر وہ نظمیں کہتے ہیں۔اس کے علا وہ ''مہابلی پورم کی پینٹنگ'' کے عنوان سے بھی ایک نظم ملتی ہے یہ ٹمل ناڈو میں ایک گاؤں ہے وہاں کا مندر بہت مشہور ہے اور وہاں کی پینٹنگ دیدہ زیب ہے۔خوبصورت ہاتھی بنایا گیا ہے۔اس کے علاوہ کئی منادر کی پینٹنگ کی گئی ہے جو قابل دید ہے۔ہزاروں سال پرانا مندر دو پہیوں پر کھڑا ہوا ہے وشنو اپنے شیش ناگ پر لیٹے ہوئے ہیں کالی چڑیا فرش پر بکھرے سورج کے دانے چگ رہی ہے،اچھلتی کودتی موجیں مندر کے زینوں کو پوتر کرتی ہیں اسطرح شاعر نے خوبصورت منظر کشی کی ہے۔

''روم ٹیک موناسٹری'' کے عنوان سے ایک نظم ملتی ہے۔یہ دراصل ایک خوبصورت تاریخی عمارت ہے جو سکم کے قریب واقع ہے اسے دھرم چکرا بھی کہتے ہیں۔یہ گیانگ ٹاک میں واقع ہے یہ ایک بہت ہی خوبصورت مقام ہے۔یہاں لوگ سیر وسیاحت کیلئے آتے رہتے ہیں۔اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ پہاڑ کی اونچی چوٹی پر واقع ہے۔سنگ مرمر کی اس کی سیڑھیاں ہیں نظم کے چند لائن ملاحظہ کیجئے

پہاڑ کی اونچی چوٹی پر

روم ٹیک موناسٹری کے
سنگِ مرمر کے زینے پر
کان دھروں تو
سنائی دیتی ہیں مجھ کو
سرد ہوائیں
دھیمے سر میں گاتی ہوئی

''منیر نیازی کی یاد میں'' اس عنوان سے بھی جینت پرمار نے ایک نظم قلمبند کی ہے۔ منیر نیازی ایک بہت اچھے جدید شاعر تھے جو پاکستان کے رہنے والے تھے وہ صحافی بھی تھے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے بھی ان کا تعلق تھا۔ 1960ء کے بعد ابھرنے والی شعراء میں ان کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ نظم کا یہ بند ملاحظہ کیجئے

جگنو چمک رہا ہے
رنگوں کی پتیوں میں
نظموں کی بستیوں میں
اس کائنات شب میں
اک لفظ کی طلب میں
جگنو چمک رہا ہے
ماہ منیر گویا
دل کا سفیر گویا

نظم ''اس سے پہلے کہ مٹی مجھے اوڑھ لے'' میں شاعر کہتا ہے کہ میں تمہارے لئے رات کے اندھیرے کی جڑوں تک جاؤں گا کسی باغ کی بنچ پر حسن و عشق کے گیت دہراؤں گا میں تمہارے لئے اپنی ناکامیوں کو سجاؤں گا شاعر مزید کہتا ہے کہ میں تمہارے لئے خشک صحراؤں میں میٹھے انگور کی بیل رکھ جاؤں گا۔ اس سے پہلے کہ مٹی مجھے اوڑھ لے میں تمہارے موت کی آہنی دیوار روشنی کی کرن بن کر آؤں گا۔

نظم ''کائنات کے دروازے کھل جاتے ہیں'' جینت پرمار نے ممتاز شاعر شہریار کے لئے لکھی ہے۔

شہر یار ایک عمدہ غزل گو شاعر گذرے ہیں جدید شعراء میں وہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں انہیں ادب کا سب سے بڑا اعزاز گیان پیٹھ ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے۔ جینت پرمار کہتے ہیں شہر یار کی نظمیں برگ دل کو چھو لیتی ہیں اور ان نظموں سے کائنات کے دروازے کھل جاتے ہیں اسطرح شہر یار کو ایک بہترین خراج پیش کیا ہے نظم ملاحظہ کیجئے۔

تیری نظمیں
برگ دل کو چھو لیتی ہیں
کائنات کے دروازے کھل جاتے ہیں
پکارتی ہے آسمان کی ساتویں منزل
لفظ کی ننھی صراحی میں پھر
خود کو پگھلتے دیکھتا ہوں
اور تخیل کا لمحہ لمحہ
میرے احساسات کا
اُتسو بن جاتا ہے!

''میری بستی میں شام'' یہ ایک خوبصورت نظم ہے شاعر نے شام کا منظر پیش کیا ہے۔ ''شام'' اردو شاعری میں کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ شام کہیں عشق ونشاط کا نام ہے تو کہیں درد وغم کی ترجمان، بہت کم شعراء نے شام میں ڈھلی بربادی کا تذکرہ کیا ہے۔ زیادہ تر شعراء نے شام کی رنگینیاں ہی کو پیش کی ہیں جینت پرمار کی یہ نظم ہندوستانی سماج کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور وہ بھی دلت سماج کی، اس نظم میں سچائی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ دلتوں کی شام کیسی ہوتی ہے۔ دلت بستیوں میں کس طرح سے لوگ شام بسر کرتے ہیں دراصل اسی شام کا منظر شاعر نے کھینچا ہے۔ اس نظم سے متعلق بال گنگا دھر لکھتے ہیں:

> ''شام رنگینیوں میں آراستہ ہوتی ہے جس کی آرائش وزیبائش دلکش و لاجواب ہوتی ہے برخلاف اس کے کہ میری بستی کی شام روزمرہ کی طرح بدبو میں لپٹی، روکھے سوکھے کھانے و کچھ تڑپتی آہوں سے شروع

ہوتی ہے جو شام غم کی سیاہی میں غرق ہو جاتی ہے۔ نالے ہوں یا نکڑ،
دلت بستیوں میں بھوکے، ننگے بچے یا لوگ دیکھے جا سکتے ہیں اتنا ہی نہیں
دلت بستیوں سے اکثر بربادزندگی کی صدائیں بھی بلند ہوتی ہے جب
کسی کی عصمت دری ہوتی ہے۔''تنگ گلی کے موڑ پر'' دلتوں کی ماں،
اور بیٹیوں کی کالی چیخیں شام کے وقت نکلتی ہیں۔شام کا یہ خوفناک سماں
بربادی کی شام ہوتی ہے جو ہر روز کسی نہ کسی صورت میں دستک دیتی
ہے''۔۴۰

بال گنگا دھر نے بڑے ہی خوبصورت انداز میں جینت پر مار کی اس نظم میں تجزیہ کیا ہے۔ یقیناً جینت پر مار نے دلت سماج میں ہونے والی شام کی سچائیوں کو بڑے بے باک انداز میں پیش کیا ہے۔کس طرح غریب دلت شام کے ہنگاموں سے نالاں ہوتے ہیں۔کس طرح غریب دلت کی بیٹیاں عصمت کو بچانے کی فکر میں کوشاں رہتی ہیں۔جینت پر مار نے دلتوں کے سب سے بڑے المیہ کو اس نظم میں پیش کیا ہے یقیناً یہ نظم قابل ستائش اور کامیاب نظم ہے۔اس نظم سے چند لائن ملاحظہ کیجئے ؎

شام ڈھلی ہے
بستی کے کونے کونے میں
گلے میں میوے کی دو بوند اترتے ہی
پوسٹر کی ایشور یہ ناچنے لگتی ہے
شبانہ کی پلکوں کے رنگ سی
شام اترتی ہے پیالی میں

جینت پر مار کے کل سات شعری مجموعے شائع ہو کر مقبولیت پا چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ''اور''1999ء میں دوسرا''پنسل اور دوسری نظمیں''2006ء تیسرا مجموعہ''مانند''2010 چوتھا''انتر ال''2011ء پانچواں مجموعہ''نظم یعنی''2013ء چھٹا مجموعہ''جیا کومتی کے سپنے''2016ء اور ساتواں شعر مجموعہ''نقطہ اور دسری نظمیں''۲۰۱۹ء،شائع ہو چکے ہیں۔مجموعہ''نظم یعنی''2013ء سخن کدہ احمد گجرات سے شائع ہوا اس کتاب کا

انتساب ممتاز شاعر و گیت کار گلزار کے نام کیا ہے۔ اس مجموعہ میں مصوری کا بہت زیادہ عمل و دخل ہے۔ ہر صفحہ پر موضوع کی مناسبت سے ایک اسکیچ کھینچا گیا ہے۔ اور ہر نظم کا ریاض لطیف نے انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ یہ مجموعہ کل 107 صفحات پر شامل ہے اس میں انکی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ ''ہوئی مدت کے غالب' آلو کھانے والو' ٹیگور' کبیر' سرشار بلند شہری' لا الہ الا اللہ' پتنگ' غزل لکھوں گا ایک ایسی' گھر کی یاد' دلت کو پیتا' گھر واپس کب لوٹ آؤ گے' وان گاگ کے تاج' تاروں بھری رات' چڑیا' کپاس کا نوحہ' گلدان وغیرہ نظمیں قابل ذکر ہیں۔ مجموعہ نظم یعنی میں پینٹنگ کی خوبصورت تصویریں ملتی ہیں۔ مجموعے کے پیش لفظ میں شاعر جینت پر مار لکھتے ہیں:

''پینٹنگ صرف آنکھوں کے لئے نہیں ہوتی، اسے سانا بھی جا سکتا ہے، کینوس پر وہ جگہیں (spaces) انجانے میں ہی بن جاتی ہیں جہاں لفظ اپنے دونوں معنی میں آ کار لیتے ہیں۔ انسان کے احساسات کو دو خانوں میں بانٹا جا سکتا بھلے ہی وہ اس کے تخلیقی عمل کا مختلف ذریعہ اظہار ہوا ایک ہی امیج (Image) احساسات کے افلاک کو وسیع کر دیتا ہے۔ ٹیگور اس کی سب سے اچھی مثال ہے۔ ایک فن دوسرے فن کے جنم کی وجہ بنتا ہے''۔[۱۲]

جینت پر مار کے شعری سفر میں شاعری اور مصوری ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مجموعہ ''نظم یعنی'' میں ہر صفحہ پر انکی عمدہ مصوری کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ مجموعہ کی پہلی نظم ''ہوئی مدت کے غالب'' میں جینت پر مار نے غالب کے دلی کی گلیوں میں رہنے اور دلی کی گلیوں میں اڑتے کبوتروں کے دلکش منظر کو پیش کیا ہے۔ غالب کی تصویر بھی اس نظم کے ساتھ کھینچی گئی ہے۔ نظم کے چند لائن ملاحظہ کیجئے۔

دستِ رحل پہ کھلا پڑا ہے
قدیم دیوانِ غالب کا اک نسخہ
ورق ورق نے خزاں ملی ہے اپنے بدن پر
ستر نمبر کے صفحے کی غزل گنگنایا کرتی ہیں سرد ہوائیں

ہوئی مدت کہ غالب۔۔۔۔۔۔

دراصل یہ غالب کی غزل کے مصرعہ سے لیا گیا جملہ ہے ''ہوئی مدت کہ غالب'' اس کے علاوہ بھی تین چار نظمیں مرزا غالبؔ پر کہی ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور کا شمار عظیم بنگالی شاعر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ان کا لکھا ہوا ترانہ کو قومی گیت کی حیثیت حاصل ہے رابندر ناتھ ٹیگور پر بھی ایک نظم جینت پر مارنے لکھی ہے۔ اس نظم میں ٹیگور کی نظموں اور گیتوں کی سراہنا کی ہے۔ نظم کے آخری تین لائن پیش کئے جاتے ہیں۔

پہروں سنتا رہتا ہوں
تیری کویتا اور گیتوں میں
ایشور کا سنگیت!

''کویتا یعنی'' اس عنوان سے جینت پر مارنے ایک نظم کہی ہے۔ اس شعری مجموعہ کا نام بھی یہی ہے۔ اس نظم میں شاعر نے نظم کیسی ہونی چاہیے بتایا ہے۔ جب ہم نظم کہنے لگتے ہیں ہمارا سایہ تک رقص کرنے لگتا ہے۔ لفظوں کے انترال میں شگوفے کھلنے لگتے ہیں۔ گھنٹوں کسی کا انتظار بھی کرنا نظم ہی سکھاتی ہے۔ نظم کے سہارے ہی اچھلتے گودتے رہتے ہیں۔ نظم ''چڑیا'' میں شاعر نے بتایا ہے کہ معصوم چڑیا کس طرح پھدک پھدک کر میرے گھر میں داخل ہوتی ہے اور تنکا تنکا یکجا کر کے لے آتی ہے۔ میں جب دوپہر کے وقت نیند میں ہوتا ہوں تب چڑیا اپنے ساتھ ذرا سا کھیت اور ذرا سا جنگل بھی لے کر آتی ہے۔ یہی چڑیا میرے لئے نظم کہنے کی تحریک بنتی ہے۔ نظم چڑیا کے چند لائن ملاحظہ کیجئے۔

پھدک پھدک کر اک چڑیا
میرے چھوٹے سے کمرے میں آتی ہے
ماں کی چھپی پیچھے تنکا تنکا یکجا کرتی ہے
اور دوپہر کی نیند کے پھل کو کترتی رہتی ہے
چڑیا اپنے ساتھ ذرا سا کھیت ذرا سا جنگل لے کر آتی ہے

جینت پر مار کے شعری مجموعہ ''نظم یعنی'' میں کچھ خاص موضوعات پر نظمیں نہیں ہیں چھوٹی چھوٹی نظمیں ہیں معنی و مفہوم میں کچھ خاص گہرائی تو نہیں لیکن قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ ان نظموں میں بات

پوری طرح واضح کی گئی ہے۔آسان اور عام فہم نظمیں ہیں نظم ''پتنگ'' میں شاعر کا دل بھی پتنگ بن کر آسمان میں اڑنا چاہتا ہے۔نظم ''اچھی نظمیں'' میں شاعر نے کہا ہے کہ کچھ نظمیں ایسی ہوتی ہیں جن کا نقش مٹتے دیر نہیں اور کچھ نظمیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو دیرپا ہوتی ہیں ان کا تاثر گہرا ہوتا ہے۔نظم ''سرشار بلندشہری'' معروف شاعر سرشار جو بلندشہر کے رہنے والے تھے ان پر کہی ہے۔لمبی داڑی' عینک، سفید کرتے میں ملبوس ہاتھ میں چھڑی تھامے، اس نظم میں جینت پرمار نے سرشار بلندشہری کا حلیہ بیان کیا ہے نظم کے آخر میں ان کا ایک شعر بھی درج کیا ہے۔

پھل تو دھوپ میں پکتے ہیں
سائے میں کیوں بیٹھے ہو ؟

جینت پرمار کا قلم مسلسل رواں رہا ہے۔ان کا چھٹا شعری مجموعہ ''جیا کو متی کے سپنے'' 2016ء میں سخن کدہ آبا سے شائع ہوا۔یہ مجموعہ جملہ 109 صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا سرورق جینت پرمار نے خود بنایا ہے۔اس مجموعہ کی پینٹنگ جینت پرمار پرمار اور ان کی بیٹی ودشا نے کی ہیں اس کتاب کا انتساب ان کی شریک حیات (مینا) بیٹا (سنکیت) اور بیٹی (ودشا) کے نام کیا ہے۔مجموعہ کے آغاز میں ''ادھورا مصرع'' کے عنوان سے نظم شامل ہے اس نظم میں شاعر اسپینش آرٹسٹ پابلو پکاسو Pablo Picasso ایک اور آرٹسٹ کلودمونے کے علاوہ پال والیری فرنچ شاعر کا ذکر کیا ہے۔''ادھوری نظم کا کاغذ'' اس نظم میں شاعر کہتا ہے کہ پارک میں اک دن بیاض سے ایک ادھوری نظم کا کاغذ کو گیند بنا کر پھینک دیا تھا۔اس وقت لبِ جنوں پر پھول کھلے ہوئے تھے ٹوٹی پھوٹی نظم ہوا کا زینہ چڑھ کر میری طرف تکتی رہتی تھی، اس طرح شاعر نے نظم میں اپنی ادھوری نظم کا کاغذ گم ہونے کا ذکر کیا ہے۔شعری مجموعہ ''جیا کو متی کے سپنے'' پر تبصرہ کرتے ہوئے احمد سہیل لکھتے ہیں:

''جینت پرمار اردو کی نئی حسیت کے ان شعرا کے قافلے میں شامل ہیں۔جنہوں نے اردو نظم کو غزلیات کی فرسودہ لفظیات، حسیات اور فکریات سے باہر نکال کر اردو نظم کو نیا معنیاتی اور نئے لفظیاتی اظہار کے علاوہ ایک مخصوص فنکارانہ اور مصورانہ شبیہ کاری سے اردو شاعری کو

روشناس کروایا''۔۴۲؎

جینت پرمار کے تمام شعری مجموعوں میں مصوری کی جھلکیاں ملتی ہیں۔''جیا کومتی کے سپنے'' اس مجموعے میں بھی ان کا فن مصوری نمایاں ہے۔مرزا غالب کے متعلق ہر مجموعہ میں نظمیں شامل ہیں۔اس مجموعہ میں بھی کچھ نظمیں مرزا غالب پر لکھی گئی ہیں۔خطوط غالب کے عنوان سے ایک طویل نظم اس مجموعے میں شامل ہے اس نظم میں شاعر کہتا ہے کہ غالب کے خطوط کا مجموعہ جب میرے میز کے خانے میں رکھتا ہوں تو تفتہؔ، علائیؔ، ثاقبؔ، مجروحؔ یہ سب شعراء شاعر کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور مخاطب ہو کر کہتے ہیں دلی شہر اب ویسا نہیں ہے جو غالب کے زمانے میں تھا اس دور کے ہنگامے اب کہاں، جامع مسجد کا وہ مجمع، وہ جمنا ندی کا نظارہ ،اس خط میں تاریخ اگست 1862ء کی مہر ہے شاید یہ خط اس وقت لکھا گیا ہو،قلم جان گلی کا ذکر بھی کیا جو مرزا غالب کے گھر کے قریب واقع تھی آخر میں شاعر کہتا ہے کہ جو خط تو نے لکھے ہیں وہ سارے خط بھی میں پڑھ لیتا ہوں ان خطوط سے ریختہ اور غزل کے پھول مہکتے ہیں۔(خطوط غالب۲)نظم بھی اس مجموعہ میں شامل ہے۔اس نظم میں شاعر کہتا ہے کہ غالب صاحب اپنی محبوبہ کی یاد میں بہت سے خط لکھ کر گلدان میں رکھتے تھے لیکن وہ خطوط محبوب تک پہنچ نہ سکے اور محبت ادھوری ہی رہی۔نظم 'خطوط غالب۲' ملاحظہ کیجئے۔

پیتل کے گلدان میں میں نے
تیرے سارے خط جو چھپا کے رکھے ہیں
لفظ لفظ ماچس کی تیلی
وصال و ہجر کی پیلی شبنم
برف پہ ننگے پاؤں چلتا عشق جنوں
تری آتما خط میں عریاں ہو جاتی ہے
جب تک نظم نہ پوری کر لوں
سارے خط گلدان میں یوں ہی رہنے دے!

''منٹو کی تصویر'' اس عنوان سے بھی ایک نظم شامل ہے منٹو ایک ماہر افسانہ نگار اور خاکہ نگار تھے اس نظم میں جینت پرمار نے منٹو کا حلیہ بڑے اچھے انداز میں قلمبند کیا ہے۔اس کے علاوہ ''ٹیگور کی پینٹنگز'' اس عنوان

کی دو نظمیں شامل ہیں۔''جیا کومتی کے سپنے'' یہ شعری مجموعے کا نام ہےاوراس عنوان سے نظم بھی شامل ہے یہ دراصل ابرٹو جیا کومیتی ایک آرٹسٹ گذرا ہے یہ Swiss Sccupltar pantar تھے بیسویں صدی کے ایک مشہور پینٹر رہے ہیں۔ یہ سوزی لینڈ کے رہنے والے تھے شاید جینت پر مار انکی پینٹنگ سے بہت متاثر رہے ہونگے ، اسی سبب انہوں نے اپنے چھٹویں شعری کتاب کا نام''جیا کومیتی کے سپنے'' رکھا ہے۔ نظم کا آخری بند پیش کیا جاتا ہے۔

جیا کومیتی
صفر کے کپ میں پانی بھرتا رہتا ہے
تجھے نیند میں بھی پتھر کے خواب آتے ہیں!
اور پتھر کو تیری انگلیوں کے خواب ستاتے ہیں!

بہر کیف جینت پر مار کی شاعری میں دلت ادب کو مرکزیت حاصل ہے انکی شاعری کا محور و مرکز اصل میں دلت ادب ہی رہا ہے۔ دیگر موضوعات جو سماج سے جڑے ہوئے ہیں انکو بھی جینت پر مار نے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے دلت ادب کی تعریف کے متعلق ڈاکٹر اعظم انصاری کی کتاب ''دلت ادب نظریہ ورجحان'' کے پیش لفظ میں ڈاکٹر مبارک علی پاکستان لکھتے ہیں:

> ''دلت ادب کی تعریف کی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ دلت ادب دلت کا اور دلت کے لئے ہے۔اس ادب میں صرف اچھوت ذات کا مسئلہ ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ اونچی ذات کے اس ادب سے انکار کرتا ہے جو ان کے حق میں لکھا گیا ہے۔ ہریجن کو ترک کر کے دلت کو اس لئے اختیار کیا کہ اس میں ذات پات کے خلاف بغاوت کا جذبہ موجود ہے اور یہ ایک سیکولر اصطلاح ہے۔'' ۴۳

دلت ادب وہ ہے جس میں دلت مسائل کو پیش کیا گیا ہے دلت ادب صرف دلت شعراء نے ہی نہیں لکھا بلکہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے شعراء نے بھی لکھا ہے۔ خاص طور پر مسلم شعراء نے بھی دلت ادب کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ دلت ادب پر اتنی باقاعدگی سے کسی نے بھی قلم نہیں اٹھایا جتنا کہ جینت پر مار

نے اٹھایا ہے۔جینت پر مار کو دلت شاعری پیش کرنے میں کمال حاصل ہے وہ خود بھی ایک دلت ہیں اور انہوں نے اپنی زندگی میں بہت سی مصیبتوں کو جھیلا ہے۔بچپن سے لیکر جوانی تک جن جن مصائب کا ان کو سامنا ہوا۔ان تمام کو انہوں نے اپنی نظموں میں شامل کیا اور پورے درد و کرب کے ساتھ پیش کیا۔یہ اور بات ہے کہ ان کے یہاں فنی غلطیاں بھی کہیں کہیں رہ گئی ہیں لیکن انہوں نے اپنے مدعا پر زیادہ زور دیا ہے۔انکی بعض نظموں شعر خارج از بحر بھی معلوم ہوتے ہیں۔کئی ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جو معمولی موضوعات پر مبنی ہیں اور کئی نظمیں ایسی بھی ہیں جو غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔مختصر یہ کہ انکی نظموں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے دلتوں پر کئے جارہے صدیوں کے ظلم وستم کو اپنے شعری اظہار میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ان کے یہاں غزلوں کی تعداد بہت کم ہیں۔اگلے صفحات پر ہم جینت پر مار کی غزلوں کا جائزہ لیں گے۔انہوں نے کچھ دوہے بھی کہے ہیں۔ان کے دوہوں کا سرسری جائزہ لیں گے۔

جینت پر مار کے دوہے

دوہا ایک قدیم صنف شاعری ہے اس صنف کی پرورش اور پرداخت میں حضرت امیر خسرؔ، کبیر داس اور عبدالرحیم خان خاناں نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ان کی شاعری کا مقصد غنائیت، حظ ونشاط یا فنی برتری نہیں رہا بلکہ عوام الناس کو اپنے اس اخلاقی درس سے متاثر کرنا اور ان میں اصلاح پیدا کرنا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان دوہوں میں کوئی نہ کوئی اخلاقی درس نمایاں ہے۔جینت پر مار نے بھی دوہے کہے ہیں انکے چھٹویں شعری مجموعے ''جیا کو بیتی کے سپنے'' کے آخر میں انہوں نے (8) دوہے شامل کئے ہیں پہلا دوہا ملاحظہ ہو۔

آنکھوں کے آکاش میں پڑھے تھے چاروں وید
لاکھ چھپائے نا چھپے ، ان راتوں کا بھید

مندرجہ بالا دوہے میں شاعر کہہ رہا ہے کہ ہماری آنکھوں نے چاروں ویدوں میں پڑھا تھا کہ، بھید یعنی راز، راز لاکھ چھپانے بھی نہیں چھپ سکتا، بالکل ہی آسان سا دوہا ہے۔دوسرے دوہے میں شاعر کہہ رہا ہے کہ تو شبدوں کو مت تول، خاموشی کا گیت سن اور چاند کی کھڑکی کھول، اسطرح شاعر یہ کہہ رہا ہے کہ میرے جو

گیت ہیں وہ اگر تجھے سمجھ میں نہیں آرہے ہیں تو تو خاموشی سے سن جب تو ان پر غور کرے گا تو تجھے ضرور پتہ چلے گا۔ تیسرے دوہے میں شاعر محبوب سے جدائی کے لمحات کا ذکر کر رہا ہے چوتھے دوہے میں شاعر کہہ رہا ہے کہ سردی کے موسم میں بدن پر شال اوڑھنا اچھا لگتا ہے اور محبوب کے ہمراہ اس برس موسم سرما بہت اچھا لگا۔ اس طرح ہر دوہے میں کچھ نہ کچھ الگ الگ کیفیت کو شاعر نے پیش کیا ہے۔ دوہوں میں انکی زبان بالکل الگ معلوم ہوتی ہے۔ ہندی الفاظ کا زیادہ استعمال کیا ہے ویسے بھی دوہا ہندی والوں کی ہی صنف ہے۔ بہر کیف جینت پرمار کی نظمیں جتنی اچھی ہیں دوہے بھی کچھ کم نہیں، یہ بھی دراصل چھوٹی چھوٹی نظمیں کہی جا سکتی ہیں۔ آخر میں انکے دو دوہے پیش کیے جاتے ہیں۔

میں ہوں اور یہ دور تک دھوپ کا رستہ ساتھ
کاندھے پہ سایہ کوئی رکھ دیتا ہے ہاتھ
ترے سوا س شہر میں، لگے ہے صحرا روپ
لکھنا کیسی ہے وہاں، تری گلی کی دھوپ

جینت پرمار کی منتخب نظمیں

(1) صراحی نظم کی ٹوٹی

صراحی نظم کی ٹوٹی
صراحی کی صدائیں
میرے دل میں تیر کی مانند چھبتی کیوں نہیں ہیں!
جڑوں کے ساتھ میں باہر نکل آیا
صراحی خون میں لت پت
دھماکہ سارے کمرے میں ہے بکھرا!

ردیفیں بوڑھی بوڑھی سی
بیاضیں لے کے ہاتھوں میں
ٹھک کر گھومتی ہیں شہر بھر میں
ترنم کیل چھبتی ہے
میرے کانوں میں صبح و شام
پھدکتی ہے ورق پر بحر کی تتلی
کہیں پہ کچے دھاگے ماتراؤں کے
کہیں پہ فاختائیں شعر کی
اُڑتی ہیں ساتوں آسمانوں پر
علامت کے کھنڈر خالی
کہیں پر استعاروں کی کوئی کھڑکی نہیں کھلتی
کبوتر لفظ کے احساس کے خوابوں کے خواہش کے
ردھم کے لے کے، استھٹیک کے ازم کے
مگران کے ہیں پر گولی سے زخمی

چھری، چاقو، ہتھوڑی، کیل، کاغذ اور قلم کتہّ
ہے سب کچھ پھر بھی کیوں بنتی نہیں ہے نظم
ستارے میرے دل کے تار شب بھر چھیڑتے رہتے ہیں
لیکن نظم کیوں بنتی نہیں ہے!
صراحی نظم کی ٹوٹی!۔۔۔۔

(2) میری کویتا تیز نکیلا خنجر ہے

کسی گلی میں
نکڑ پر
یا پھر کسی محلے میں
جب بھی کویتا پاٹھ ہوتا ہے
مرے لفظ کی گندھ سے
مجھ سے پہلے ہی
پولیس پہنچ جاتی ہے
گویا وہاں پر
ٹیررسٹ آنے والے ہوں!
ساری گلی اور سارا محلّہ
پولیس سے بھر جاتا ہے
میری کویتا
پولیس میں درج ہوتی ہے
انہیں خوف ہے
میری کویتا تیز نکیلا خنجر ہے
ایک نہ اک دن
رات کے سینے میں اترے گا
اسی دن اپنی بیاض کا ایک ایک ورق
ہوا کے ہاتھ میں رکھ دوں گا!!

(3) اُپرا

گدھوں کی پیٹھ پر
برتن چرپائی اور چاند
خواب خواہش، خوف کی گٹھری
امیدوں کا بوریا بستر
پیٹ کی آگ بجھانے کو
ایک گانو سے دوسرے گانو
بھٹک رہے ہیں بنجارے
جن کے نصیب میں
آسمان ہی گھر کی چھت
اور زمین کا ہے بستر
لکشمن مانے سورج کی کھڑکی میں بیٹھا
گنتا رہتا ہے اکثر
اپنے باپ کی پیٹھ کے زخم،
رات رات بھر چیختا ہے چلاتا ہے
ٹاٹ کی جھگی میں
سیاہی کی ہلدی کا لیپ لگاتا ہے
لیکن زخم ابھی تک رستا ہے
گدھوں کی پیٹھ سے
بوجھ نہیں اترا ہے ابھی

(4) اچھوت

تم مجھے چھوتی ہو جانم!
تن پہ گنگا جل چھڑک کر
خود پوتر ہو گئی
لیکن۔۔۔
نہیں دنیا میں ایسی چیز کوئی
جو پوتر کر سکے مجھ کو!
میں تو پیدا ہی ہوا ہوں اپوتر
عمر بھر میں اپوتر ہی رہوں گا
اور مر جاؤں گا آخر اپوتر

(5) حسین کے گھوڑے

کینوس پہ تم نے
بنائے ہیں گھوڑے
سیاہ اور سرخ
مگر تم نہیں جانتے
کینوس پہ کھینچے ہوئے
ٹیڑھی ترچھی لیکروں کے گھوڑے
کبھی ہنہناتے نہیں!!

(6)نرک کنڈ کی باس

نرک کنڈ کی باس
مرے اسکول تلک آتی ہے
دھوپ کی چھتری کے نیچے
ننگے پاؤں اترتی تھی
نرک کنڈ میں!

جانوروں کے چمڑے کو
نمک اور پانی میں بھگو کر
اپنے مریل پاؤں سے کر دیتی تھی صاف
بدلے میں وہ
گوشت کے ٹکڑے لے آتی تھی میرے لیے!

آج بھی جب میں
آفس جانے سے پہلے اپنے جوتے
چیری پالس کرتا ہوں
اس کی چمک میں
ماں کا چہرا دکھتا تھا
نرک کنڈ کی باس
مرے آفس تک آتی ہے!

(7) دلت کوی کی وصیت

دلت کوی اپنے پیچھے
کیا کچھ چھوڑ کے جاتا ہے
لہو سے رستا اک کاغذ
رات کے سر پہ
کالا سورج
قلم کے نب پہ
آگ کا دریا
اپنے پرکھوں کی قندیل
وہ تم پہ یلغار نہیں کرتا ہے کبھی
علامتوں کی
استعاروں کی
شخصیتوں کی
گدھے کی پیٹھ کا بار گراں وہ
خود ہی زخمی سایہ ہے
کوئی وجود نہیں ہے اس کا
ٹوٹا کپ اور اس میں کوئی فرق نہیں!

(8) سرریل خواب

ابھی ابھی ننھے اس کے ستن
نیلی برا کے ریشمی کینوس پر روشن
نابھی کی تاریک گلی میں سبز گھاس پر
چڑھتی خواہش کی چیونٹی

پستان تک جاتے ہوئے
پھسل پڑے گہری کھائی میں !
ہونٹوں کے صوفے پر بیٹھی ہوس تتلیاں
چاند سے لپٹی لہو کی موجیں
پیلا سورج سکھا رہا تھا
ناریل کیا اونچے پیڑوں پر گیلے کپڑے
برگ مژگاں سے اترا
اک سرخ ستارا
غرق ہوا پھر
چوم رہی تھی گرم پنڈلیاں
ریت پہ لپٹی شام
رانوں کی رنگین مچھلیاں
فرار ہونے کو بے تاب !
اڑے اڑے سے میرے خواب !!

(9) میری بستی میں شام

شام ڈھلی ہے
کچے مکانوں
ٹاٹ کی جھکی جھونپڑیوں پر
چھت پر پاؤں پھیلا کر
بیٹھے سایوں پر
گھر کے آگے کوڑے کچرے کے ڈھیروں پر
شام ڈھلی ہے
مہوے اور نوسار کی
سستی دارو کے
کالے مٹکے پر
نالے کے کیچڑ میں کھیلتے
ننگے بھوکے بچوں پر
بدرو کے اس بال کاٹنے کے بکسے پر
گندی گٹر میں جھانکتے نیلے آسمان پر
تار کی باڑ پہ کالی برا کے پربت پر
کوٹ پہ بیٹھی سفید بلی کے رائیں پر
بکرے کی چھوٹی ہڈیوں میں
گوشت ڈھونڈتے کتوں پر
تنگ گلی کے موڑ پہ
پتھر کی دیوی کے ماتھے پر

شام ڈھلی ہے بستی کے کونے میں
گلی میں مہوے کی دو بوند اترتے ہی
پوسٹر کی ایشوریہ ناچنے لگتی ہے
شبانہ کی پلکوں کے رنگ سی
شام اترتی ہے پیالی میں
سب کو آدھا چکھ کر کیرے
اپنے دروں میں گھسنے لگے
ایک روپے کا نرودھ لے کر
پیلا چاند پڑوسی کے دروازے پر
دیتا ہے دستک
اندھکار کی چمگاڈر نے بتی بجھادی
سانپ نے کینچلی اُتار پھینکی کھڑکی سے

شام ڈھلی ہے
بستی کے کونے میں!

(10)اللہ

تو نے سجایا
اس دھرتی کو
نیلے نیلے آسمان کی اوڑھنی سے
عظیم پربت کے سر پہ
چاند جیسی برف کا شام

اور ڈھلانوں پر
ہری گھاس کی تو نے
بچھائی ہے قالین
گہری کھائی
کہرے کی چدر سے ڈھکی
سنکھ، سیپ، موتی سے بھر دی
جیب سمندر کی،
پنچھی کے پر
اور پھول کی پتی پر
رنگ بکھرے
سبز، باغ، نیلے نیلے
آسمان کے دامن میں
بادل ٹانک دیے
رات کی چھت پر لٹکائے
چاند ستاروں کے جھومر
شام بجھی تو
پھول کھلایا سورج کا
تو نے کھینچی
میرے چہرے کی ریکھائیں
اور آنکھوں میں پھول کمل کے
میری سانس پنکھ دیے
انہیں پنکھ پر پڑھتا ہوں

اک نام۔۔۔

اللہ

(11) میری جنگ روٹی کی نہیں

بھوکا برہمن

بھوکا کھشتریہ

بھوکا ویشیہ

لڑتا ہے روتی کے لیے

چاندسی اک روٹی کے لیے

اس کا سپنا روٹی ہے

میرا سپنا روٹی نہیں

اچھوت ہوں میں

میرے سائے سے بھی تم کتراتے ہو

میں ہوں تمہاری بستی باہر

جہاں تم بکتے ہو وہاں پر

ٹاٹ کی میری جھگی ہے

کنویں سے لیکر مندر تک

تم نے بنائی ہیں دیواریں

منو کی اونچی دیواریں!

میرے حصے میں تو ملا ہے

اپنے لوگوں کا اپمان!

میری جنگ ہے اس کے خلاف
جو روٹی سے بڑھ کر ہے
میری جنگ روٹی کی نہیں!

(12) کالا سورج

صبح سویرے
کرن کے سوکھے پتے
آنگن میں جھڑتے ہیں
کاگا شور مچاتا ہے تھوہڑ پر بیٹھے مرغے کی
آخری چیخیں سنتا ہوں
گھر کے اک کونے میں
کھانس رہا ہے نانی کا کمبل
دھوپ نے چھت پر پاؤں دھرا
مکائی کی روٹی اور مرچ
رہ تکتی ہیں باپو کا
بستی کے کچھ لوگ اٹھا کر لے جاتے ہیں
اونچی ذات والوں نے بے رحمی سے ان کو مارا ہے!

(13) منو تری قسمت ہے کالی

منو کبھی گردن پہ کلہڑی
پیٹھ پہ جھاڑ لٹکا کر نکلا ہے کہیں؟

کانوں نے چکھا ہے کبھی کیا
ذائقہ جلتے سیسہ کا!
تیری ماں کو سرِ عام ننگا کر کے
چابک سے اس کی رانوں کو
لہولہان کیا ہے کسی نے؟

منو
تو سوتا ہے پھولوں کے بستر پر
مرے نصیب میں لکھا ہے
سمشان گھاٹ کا سناٹا
تو تو نہاتا ہے مندر میں
دودھ سے اور گنگا جل سے
جب کہ مجھے مرنے کے لیے بھی
چلو بھر پانی نہ ملا!
منو تری قسمت ہے کالی
دکھ کا بھی احساس نہیں ہوتا تجھ کو
تری رگوں میں گرم خون ہے!
یا پانی!!

(14) منو

ایک نہ ایک دن
گھر کے آگے

نیم کی شاخ پہ
ننگا کر کے
لٹکا دوں گا تجھ کو منو!
لٹکا دوں گا تجھ کو منو!
تیری رگوں کو چیر پھاڑ کے دیکھوں گا
تو نے پیا ہے کتنا لہو
میرے گز گوں کا!

ایک نہ اک دن
تیری کھال ادھیڑوں گا
ہمیں تو صرف
براہمن، کھشتر یہ اور ویشیہ کی
سیوا کرنا تو نے لکھا تھا
چمار، بھنگی اور چانڈال کی تو نے لکھی تقدیر
گانو کے باہر رہنا اور
ٹوٹے برتن میں کھانا
یہاں کا بھینسہ بھی پنڈت
گدھا بھی گنگا جل پیتا ہے!
لیکن تجھ کو ہے معلوم
اب میں نے چیل کی مانند اڑنا سیکھ لیا ہے
شیر کی مانند جست لگانا سیکھ لیا ہے
لفظوں کو ہتیار بنانا سیکھ لیا

اک نہ اک دن
تیری کھال ادھیڑ کے تیرے ہاتھ میں رکھ دوں گا!
تو نے میرے باپ کو ننگا کر کے مارا تھا ایسے!!

(15) ہزاروں ہاتھ

میں نے مانگا تھا اک گھر
اور انہوں نے
زمیں میں مجھ کو گاڑ دیا
میں نے مانگا زمیں کا اک چھوٹا سا ٹکڑا
اور انہوں نے میرے سر پر
ہجرت کا پتھر رکھا
میں نے مانگی روٹی تھی
اور انہوں نے
جیبھ پر جلتا کوئلہ رکھا
میں نے مانگی صرف کتاب
اور انہوں نے میرے کانوں میں
گرم گرم سیسا ڈالا
میں نے اٹھایا سر اپنا
اور انہوں نے
میری گردن میں زنجیریں پہنا دیں
ہاتھ میں جھنڈے لے کر جب میں

راہ گزر سے نکلا تھا
ان لوگوں نے ہاتھ کاٹ کر پھینک دیے
لیکن اک دن
مرے خون سے
بنجر دھرتی ہوگی نرم
اور ہزاروں ہاتھ اُگیں گے
میرے ہاتھ
ہزاروں ہاتھ
اور ظلم کی آخری رات

(ب) جینت پرمار کی غزل گوئی

غزل صدیوں سے چلی آ رہی ادب کی ایک مشہور و مقبول صنف ہے ۔غزل ہر دور میں شعراء کی پسندیدہ صنف رہی ہے۔ بقول رشید احمد صدیقی ''غزل اردو شاعری کی آبرو ہے'' میرؔ کو غزل کا شہنشاہ کہا گیا تو مرزا غالبؔ نے بھی غزل کے گیسو سنوارے، دبستان دہلی اور دبستانِ لکھنو دونوں جگہ غزل کی اہمیت برابر رہی ہے۔ بعض نے تو غزل پر الزامات بھی لگائے ،کسی نے غزل کو نیم وحشی صنف کہا تو کسی نے غزل کی گردن کو بے تکلف مروڑنے کی بات کی، تمام الزامات کے باوجود غزل کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ بہ حیثیت ایک صنف شعر کے اس میں ایسی قدرتی لچک پائی جاتی ہے کہ وہ بنیادی سرشست اور اساسی ہیت وترکیب کو قائم رکھتے ہوئے آنے والے دور کے تقاضوں میں نہایت آسانی کے ساتھ ڈھل جاتی ہے۔ اختر انصاری اپنی کتاب ''غزل درس غزل'' میں لکھتے ہیں:

> ''عشقیہ شاعری کی یہ صنف ہمیں ایرانی شاعری سے ورثہ میں ملی ہم نے
> نہ صرف غزل کی ساخت ، ہیت اور خارجی اسلوب ورثے میں پایا ،
> بلکہ مضامین، موضوعات، تخیلات، مفروضات اور علائم کی ایک سجی سجائی
> اور وسیع وبیکراں دنیا بھی ترکے میں حاصل کی۔ گویا شعر وسخن کی وہ صنف
> جو ایران سے ہم تک پہنچی، ظاہری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے مکمل تھی
> اس کی یہ دونوں حیثیتیں ہمارے تصرف میں آئیں'' [۴۴]

ہر دور میں غزل نے اپنی منفرد شناخت قائم کی ہے۔ دور حاضر کے بدلتے تقاضوں کے سبب غزل میں نئے نئے موضوعات شامل ہوتے گئے ۔آج کی غزل عشقیہ غزل سے ہٹ کر لکھی جا رہی ہے۔ آج غزل

کے موضوعات میں تبدیلی آ گئی ہے آج مسائلی شاعری غزل میں پیش کی جا رہی ہے۔غزل کی ہیت قصیدہ سے لی گئی ہے۔غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔قصیدہ عربوں کے ساتھ ایران پہنچا اور یہاں اس نے غزل کو جنم دیا۔ایرانیوں نے جہاں قصیدہ کی تشبیب کو قصیدے سے الگ کر کے قصیدہ کا پیکر تیار کیا وہاں بعض دوسری اصنافِ سخن مثلاً مثنوی، مسمطع دوبیتی' رباعی اور قطعے کو بھی اپنایا اور رواج دیا۔مگر ایرانی شعراء نے غزل پر ہی اپنی بیشتر قوتیں صرف کی یہی غزل ایران سے پھر ہندوستان آئی اور یہاں غزل کے کئی بلند شعراء پیدا ہوئے، میؔر، غالبؔ، آتش، ناسؔخ، مصحفی' مومن' ذوق' داغ دہلوی' علامہ اقبال' جوش ملیح آبادی کے بعد بیسویں صدی میں غزل کے اہم شعراء میں حسرت موہانی' فانی بدایونی' جگر مرادآبادی اور اصغر گونڈوی نے غزل کے کارواں کو آگے بڑھایا۔عام طور پر ناقدین اقبال کو نظم کا شاعر کہتے ہیں لیکن انکی غزل نظم سے کچھ کم نہیں۔اقبال کی غزل اپنے اندر خارجیت کی فضاء رکھتے ہوئے بھی ایک شدید داخلی جذبے کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔

حالی نے ''مقدمہ شعروشاعری''میں غزل کی اصلاح کے لئے جو تجاویز پیش کی ہیں ان کا لب لباب یہ ہے کہ غزل میں جو عشقیہ مضامین باندھے جائیں وہ اپنے الفاظ میں ادا کئے جائیں کہ محبوب کا مرد یا عورت ہونا ظاہر نہ ہو' شراب و کباب کے مضامین میں زندگی کے مشاہدوں اور تجربوں سے وسعت پیدا کرنی چاہیے، طویل مضامین کیلئے غزل مسلسل سے کام لیا جا سکتا ہے۔غزل میں سادگی اور صفائی کا خیال رکھا جائے، اسطرح حالی نے غزل کے موضوعات میں نیا پن لانے پر زور دیا۔

بیسویں صدی میں فراق گھورکپوری نے غزل کو بہت زیادہ فروغ دیا انکی غزلوں میں ہندوستانیت جھلکتی ہے۔انکی غزلوں کا ایک اہم وصف ان کے لہجہ کی نرمی اور حلاوت ہے لہجہ کی یہ نرمی اور حلاوت ان کے جمالیاتی شعور اور ہندوستانیت کی دین ہے۔فانی بدایونی نے بھی اردو غزل کو بہت زیادہ فروغ دیا۔حاؔلی ایک مفکر شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے فنکار بھی تھے حالی نے غزل کی زبان کو اظہار کی نئی توانائی اور رعنائی بخشی، انہوں نے غزل کی روایتی استعاروں کو نئے تلازموں سے آشنا کیا۔

جدید غزل کو پیش کرنے میں مجروح سلطانپوری کا نام اہمیت کا حامل ہے۔جدید غزلیہ شاعری میں انا کا نام مجاز اور فیض کے ہم پلہ غزل گو شعراء میں لیا جاتا ہے۔ابتداء میں مجروح نے بھی عشقیہ شاعری کی روایتی کلاسیکی رنگ میں ڈوبی ہوئی شاعری تشبیہ و استعارے سے سجی ہوئی شاعری کی لیکن رفتہ رفتہ یہ سجاوٹ حرف

حرف ولفظ کی نہیں رہ گئی۔ بلکہ اس میں تہذیب وشائستگی، تہہ داری اور وضع دار کا رنگ ابھرنے لگا وہ رنگ جوان دنوں شرفاء کا تھا اس سے زیادہ مجروح کا اپنا، غزل کے متعلق جگر کا یہ شعر کافی مشہور ہے۔

فکر جمیل خواب پریشاں ہے آج کل
شاعر نہیں ہے وہ جو غزل خواں آج کل

جدید غزل گو شعراء میں ناصر کاظمی کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ 60ء کے بعد جدیدیت کی لہر زور پکڑنے لگی تو ناصر کاظمی نے اپنی جدید غزلوں سے برصغیر میں شہرت حاصل کرنے لگے۔ ناصر کے یہاں عشق انسانی رشتوں کی سچائی دل آفرینی اور جذب وکشش کے ساتھ ساتھ شکستِ دل کے المیے میں ڈھل جاتا ہے ناصر کی غزل کے چند اشعار ملاحظ ہو۔

دل میں ایک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی
یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری آواز آرہی ہے ابھی

80ء کے بعد ابھرنے والے شعراء میں ندا فاضلی، بشیر بدر، راحت اندوری، مظفر حنفی، مظہر امام، جاوید اختر، گلزار دہلوی، بشر نواز، شاذ تمکنت، خلیل الرحمٰن اعظمی، عنبر بہرائچی، حمید الماس، شیدا رومانی، محبّ کوثر، اکرم نقاش، نعمان شوق اور جینت پرمار اہمیت کے حامل ہیں۔ یوں تو جینت پرمار نظم گو شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں لیکن انہوں نے غزلیں بھی لکھی ہیں لیکن ان کی غزلوں کی تعداد نظموں کے مقابلے میں کم ہے بقول بلراج کومل:

''اور'' کی اشاعت کے بعد ان کی شاعری کے تعلق سے دائرہ اظہار میں آنے والی ناقدین اور قارئین کی آرا سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کلام کو صرف پسند ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کے نمایاں پہلوؤں کا واضح طور پر اعتراف بھی کیا گیا۔ جینت پرمار کا تخلیقی سفر 1999ء میں ''اور'' کی اشاعت کے بعد ان کے فطری انہماک اور دلآویزی کے ساتھ جاری رہا۔ ان کا تازہ ترین مجموعہ کلام

''پنسل اور دوسری نظمیں'' (اس میں غزلیں بھی شامل ہیں) ان کے اعلیٰ تخلیقی
حصول کا جیتا جاگتا ثبوت ہے''۔ ۴۵

جینت پرمار کے شعری سفر میں غزل اور نظم ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ان کے شعری مجموعے ''اور'' دوسرا مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں'' دونوں میں غزلیں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بھی مزید پانچ شعری مجموعے ہیں لیکن ان مجموعوں میں غزلوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ جینت پرمار نہ صرف شاعر ہیں بلکہ عمدہ مصور بھی ہیں۔ انکی شاعری مصوری سے الگ نہیں' کئی اشعار میں مصوری کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ان کے شعری مجموعہ پنسل اور دوسری نظمیں کے لئے ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ سے نوازا جاچکا ہے۔ اس ضمن میں وہ نعمان شوق کو دئے گئے انٹرویو میں کہتے ہیں:

''یہ اعزاز ایک بڑی زبان کے حوالے سے میرے حصے میں آیا ہے اس
بات کی مسرت ضرور ہے میری مادری زبان تو گجراتی ہے اگر اردو میں مجھے
اعزاز ملتا ہے اس سے بڑی بات کیا ہوسکتی ہے بلکہ مجھے تو یہ لگتا ہے کہ یہ ایوارڈ
مجھے نہیں ولی گجراتی کو ملا ہے''۔ ۴۶

بحیثیت شاعر و مصور جینت پرمار نے خوب نام کمایا۔ پینٹنگ کا شوق انہیں اسکول کے زمانے سے ہی تھا ان کے گھر کے قریب مسجد تھی اذان کی آواز آتی تھی جس کا لحن ان کی رگوں میں دوڑنے لگتا تھا۔ جینت پرمار نے اپنے کئی دوستوں کی کتابوں کا سرورق بھی بنایا ہے۔ جینت پرمار نے اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا لیکن انہیں اپنی بات کہنے کے لئے غزل کا دامن تنگ معلوم ہوا اس لئے انہوں نے نظم کا سہارا لیا۔ انکی مادری زبان گجراتی رہی ہے اردو زبان انہوں نے اپنی محنت لگن سے سیکھی اور شاعری کرنے لگے۔ انکی غزلوں پر روشنی ڈالیں گے۔ مجموعہ ''اور'' کے صفحہ نمبر 10 پر جو غزل شامل ہے اس کا پہلا شعر ملاحظہ کیجئے

سیپ ، کوڑی ، تتلیاں ، سائے ، شجر روشن ہوئے
معجزہ اس کا کہ شب کے بام و در روشن ہوئے

اس پہلی غزل میں شاعر پہلے شعر میں یہ کہہ رہا ہے کہ محبوب کا یہ کرشمہ ہوا کہ اس کی بدولت سارے بام و در روشن ہونے لگے۔ بہت اچھی لفظیات کو شاعر نے اس شعر میں استعمال کیا ہے۔ اسی غزل کے

دوسرے شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ مٹی ہمارے خون کی پیاسی ہوگئی ہے یعنی کہ ہمارے اپنے ہی ہمارے دشمن بن گئے ہیں ہمارے اپنے ہی ہمارے سروں کو نیزوں پر رکھ کر کاٹ رہے ہیں۔ غزل کا تیسرا شعر بھی خوب ہے۔ اس تیسرے شعر میں شاعر یہ کہہ رہا ہے کہ درخت کی شاخیں زرد پڑھ گئی ہیں اور ہوائیں مرثیہ خوانی کر رہی ہیں خواب کی گلیوں میں کھنڈر روشن ہوئے ہیں یعنی کہ اس شعر میں شاعر غم کی کیفیت کو منظر نگاری میں پیش کرر ہا ہے درخت کے پتے جب زرد پڑھنے لگتے ہیں تو اس کا دم خم ختم ہو جاتا ہے اور درخت کی رونق باقی نہیں رہتی شعر ملاحظہ ہو۔

زرد شاخوں پر ہوائیں مرثیہ پڑھنے لگیں
خواب کی تاریک گلیوں میں کھنڈر روشن ہوئے

چھوتا شعر بھی اپنی جگہ خوب ہے۔ یہ شعر رومانیت لئے ہوئے ہے اس شعر میں شاعر یہ کہہ رہا ہے کہ شام کو جب محبوب کی یاد ستانے لگتی ہے تو شاعر محبوب کی یاد میں کاغذ قلم لے کر سوچ میں گم ہو جاتا ہے اور کوئی غزل محبوب کیلئے لکھ دیتا ہے۔ غزل کا چوتھا شعر حاصلِ غزل ہے ملاحظہ کیجئے۔

شام کو جب اس کی یا دیں ڈھونڈ کر لا ئی ہمیں
میز کاغذ قلم سوچوں کے پر روشن ہوئے

جینت پر مار کی غزلوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا ہرگز نہیں لگتا کہ شاعر کی مادری زبان اردو نہیں کوئی اور ہے۔ انہوں نے اردو بہت بعد میں سیکھی اس کے باوجود بھی بہت اچھی غزلیں کہنے کی سعی کی ہے ان کے یہاں غزلوں میں خوبصورت الفاظوں کا استعمال ہوا ہے۔ مجموعہ ''اور'' کے صفحہ نمبر 20 پر تحریر کردہ خوبصورت لفظیات کی غمازی کرتی ہے۔ غزل کا پہلا شعر پیش کیا جاتا ہے۔

گھر سے نکلا تھا تو سر پہ آسماں تحریر تھا
قسمت گل میں یہی اک سائباں تحریر تھا

اس مطلع کے شعر میں شاعر آسمان کو سر چھپانے کی جگہ کہہ رہا ہے۔ سائباں چھت کو کہتے ہیں۔ غزل کا دوسرا شعر بھی خوب ہے۔ عمر بھر ہم سیپیوں سے لڑتے رہے یعنی سیپی کہتے ہیں جو سمندر کی گہرائی میں ملتی ہے۔ ہمارے درمیاں ایک نفرت کا سمندر تحریر ہو چکا تھا جینت پر مار کی نظم اور غزل دونوں ایک دوسرے سے مختلف

ہیں غزل کا دوسرا شعر پیش ہے۔

عمر بھر لڑتے رہے ہم سیپیوں کے درمیاں
ایک نفرت کا سمندر درمیاں تحریر تھا

صفحہ نمبر ۳۵ پر تحریر کردہ غزل بالکل ہی چھوٹی بحر میں لکھی گئی ہے۔ غزل کے پہلے شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ راکھ اڑی اور خیمہ ویران ہوا، یعنی کہ خیمہ اس کو کہتے جو جنگوں کے موقع پر ڈیرے ڈالے جاتے تھے، اس میں جنگ کرنیوالے جمع ہو جاتے ہیں۔ خیمہ ویران ہوا سے شاعر یہ مراد لے رہا ہے کہ جنگ میں سب کچھ تباہ ہو گیا سب مر گئے شعر کا دوسرا مصرعہ'اس کے بعد سفر آسان ہوا' یعنی کہ مرنے کے بعد جو سفر ہوتا ہے دراصل وہی اصل سفر ہے شاعر اس سفر کو آسان سفر کہہ رہا ہے۔ اس غزل کا دوسرا شعر رومانی معلوم ہوتا ہے شاعر محبوب کے خواب دکھانے والے انداز کو پیش کر رہا ہے۔ محبوب کے خواب میں آنے سے شاعر کا دل حیران ہو رہا ہے وہ اس لئے کہ محبوب بعض وقت خواب میں آنے کا وعدہ کر کے بھی نہیں آتا اور جب آ جاتا ہے تو دل حیران ہوتا ہے۔

خواب دکھا تا اور چراتا ہے
جانے کون ہے دل حیران ہوا

جینت پرمار کے جملہ 7 شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں لیکن سبھی مجموعوں میں غزلوں کی تعداد بہت کم رہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر مجموعے میں صرف دس فیصدی حصہ غزلوں کا ہوگا وہ بھی تمام مجموعوں میں نہیں۔ ان کے یہاں بھاری بھرکم الفاظ کا استعمال کم ہوا ہے۔ انکی غزلوں میں بعض جگہ فارسی الفاظ بھی نظر آتے ہیں لیکن نظموں میں تو بالکل ہی عام فہم انداز اختیار کیا ہے۔ ان کے دوسرے مجموعے پنسل اور دوسری نظمیں کے پیش لفظ میں بلراج کومل رقمطراز ہیں:

> ''جینت پرمار اپنے تازہ ترین مجموعے کلام کا نام اگرچہ ''پنسل اور دوسری نظمیں'' رکھا ہے لیکن وہ غزل میں یکساں بانکپن کے ساتھ طبع آزمائی کرتے ہیں۔ بھاری بھرکم الفاظ اور فارسی تراکیب سے گریز نظموں کی طرح غزلوں کے طریق کا بھی حصہ ہے۔ ان کی غزلیں طریق کار، انتخابِ الفاظ اور بحروں کی ترجیحات کے اعتبار سے ان تخلیقات کے ذیل

میں آتی ہیں۔ جنہیں سہل ممتنع سے منسوب کیا جاتا ہے''۔ ۲۷؎

جینت پر مار کے یہاں یقیناً آسان لفظیات ملتی ہیں۔ لیکن ان کی غزلوں کے بعض اشعار سمجھ سے بالاتر بھی ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں چھوٹی بحر اور بڑی بحروں میں بھی غزلیں ملتی ہیں۔ مجموعہ ''اور'' میں شامل غزل صفحہ ۵۰ پر ایک چھوٹی بحر کی غزل تحریر ہے۔ بہت ہی اچھا خیال شاعر نے مطلع میں پیش کیا ہے۔ شاعر اللہ کا گھر یعنی اللہ کو کہہ رہا ہے اور شہر منور سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مطلع کا شعر ملاحظہ کیجئے۔

شہر منور آئے گا
اللہ کا گھر آئے گا

گھر، کر، کنکر، باہر سمندر اس طرح کے قافیے شاعر نے اس غزل میں استعمال کئے ہیں۔ اور 'آئے گا' بطور ردیف شامل غزل ہے۔ غزل کے بیشتر اشعار خوب ہیں اور اس غزل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جدید غزل ہے۔ غزل کا یہ شعر بھی خوب ہے ملاحظہ کیجئے۔

شام ڈھلے میرا سایہ
بھیس بدل کر آئے گا

شعری مجموعہ ''اور'' کے صفحہ نمبر ۷۱ پر تحریر کردہ عمدہ غزل ہے اس غزل کا قافیہ ستارہ اور استعارہ ہے اور ''دیکھنا'' اس غزل کی ردیف ہے۔ شاعر نے مطلع کے شعر میں دل کا ستعارہ کا استعمال بہت خوب کیا ہے۔ دوسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ ایک دن بھیڑ میں ہمارا سایہ بھی کھو جائے گا تیسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ ہماری راہوں میں بہت سے پھول ہوں گے پھر تم خوشبو کا خطرہ دیکھ لینا غزل کے تمام اشعار خوب ہیں۔ اس غزل کے دو شعر ملاحظہ ہو۔

شام کا ٹوٹا ستارہ دیکھنا
میرے دل کا استعارہ دیکھنا
ایک دن سچ کہیں کھو جائے گا
بھیڑ میں سایہ ہمارا دیکھنا

مجموعہ ''اور'' کے صفحہ نمبر ۸۰ پر جو غزل تحریر کردہ ہے وہ چھوٹی بحر کی غزل ہے جس کا پہلا شعر کچھ یوں ہے۔

لفظ لفظ معنی دے
پھر نئی کہانی دے

دوسرے شعر میں شاعر دل کو کچھ بلائیں مانگ رہا ہے تیسرے شعر میں شاعر اپنی اجاڑ آنکھوں کو شادمانی طلب کررہا ہے۔غزل کا پانچواں شعر بہت ہی عمدہ لگا۔اس شعر میں شاعر خدا سے خواہش کررہا ہے کہ اسے کوئی پھر کوئی اچھا خواب دکھادے۔یہ شعر ملاحظہ کیجئے۔

اے مرے خدا وندہ
خوابِ خوش کا ثانی دے

یہ سچ ہے کہ جینت پرمار نے غزل سے زیادہ نظم پر توجہ دی لیکن اس کے باوجود بھی انکی غزلیں قاری کے دل میں اتر جاتی ہیں۔جو موضوعات انہوں نے نظموں میں استعمال کئے ہیں ویسے موضوعات غزل میں نہیں ملتے لیکن کہیں نہ کہیں انکے دلت نظریات بھی غزل میں مل جاتے ہیں انکا لہجہ احتجاجی ہے انکی شاعری کے متعلق اجے مالوی لکھتے ہیں:

''انہوں نے دلت سماج کے طبقہ کی مظلومات کو دیکھا، پرکھا، جانا، سمجھا، جھیلا اور بھوگا ہے تب جا کر انہوں نے اردو ادب میں ایسی دلت شاعری کو اپنے اندر جنم دیا ہے جو مابعد جدید تخلیقیت پرور شعری ادب میں ایک بے بہا اضافہ ہے۔یہ دلت شاعری ان کے جسم و روح میں اترتی چلی گئی اور ان کی زندگی اور پہچان کا ایک حصہ بن گئی''۔۴۸

جینت پرمار کی غزلوں کی خاصیت یہ ہے کہ انہوں نے ردیف وقوافی کا استعمال بہت ہی سوجھ بوجھ سے کیا ہے انہوں نے آسان اور رواں ردیف وقوافی کو ہی استعمال کیا ہے۔جس کے سبب انکی غزلیں پڑھتے ہوئے قاری دلی تسکین محسوس کرتا ہے۔مختصر یہ کہ جینت پرمار کو غزل اور نظم دونوں میں یکساں عبور حاصل ہے۔ترسیل کے معاملے میں اگر چہ کہ انکی غزلیں نظموں جیسی نہیں ہیں لیکن پھر بھی خوبصورت لفظیات کی وجہ سے قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار رہتی ہے۔ایک دلت ہونے کے باوجود بھی جینت پرمار نے جتنی بھی اردو میں غزلیں کہی ہیں وہ یقیناً قابل قبول اور قابل ستائش ہیں۔

حوالے

۱۔ زبیر رضوی، مضمون ''اردو نظم کے انتخاب''، مطبوعہ سہ ماہی 'فکر و تحقیق' شمارہ ۱، جلد ۱۸، جنوری فروری مارچ، دہلی ۲۰۱۵ ص ۲۴

۲۔ حمید سہروردی، مضمون، ''اردو نظم: سمت و رفتار'' مطبوعہ سہ ماہی 'فکر و تحقیق' شمارہ ۱، جلد ۱۸، جنوری فروری مارچ، دہلی ۲۰۱۵ء، ص ۵۳

۳۔ ایضاً '' '' '' ص ۶۱

۴۔ ڈاکٹر اعظم انصاری، مضمون ''اردو میں دلت ادب'' مشمولہ ''دلت ادب: نظریہ و رجحان'' مرتبہ ڈاکٹر اعظم انصاری، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۵ء، ص ۱۲

۵۔ ایضاً '' '' '' ص ۱۶

۶۔ ڈاکٹر اعظم انصاری، ''دلت ادب نظریہ و رجحان'' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۵ء، ص ۱۸

۷۔ ڈاکٹر اعظم انصاری، مضمون ''اردو میں دلت ادب'' مشمولہ ''دلت ادب: نظریہ و رجحان'' مرتبہ ڈاکٹر اعظم انصاری، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۵ء، ص ۲۳

۸۔ پروفیسر محمد حسن، مضمون ''اردو میں دلت ادب'' مشمولہ۔ اکادمی، ایڈیٹر۔ محمد شاہد اللہ خان، شمارہ 1 ص ۱۰۹

۹۔ جینت پرمار، پیش لفظ، شعری مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں''، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۲۷

۱۰۔ ابہام رشید ،مضمون ''صراحی نظم کی ٹوٹی۔ ایک تجزیہ'' سہ ماہی رسالہ'' استعارہ''شمارہ ۷، جلد ۲۲۔۲۳،جنوری تا جون۔دہلی،۲۰۰۶ء،ص۸۹

۱۱۔ ایضاً '' '' '' ص۹۱-۹۲

۱۲۔ خورشیداکرم(مدیر)،اداریہ،ماہنامہ''آجکل''،شمارہ۹،جلد۶۷،نئی دہلی،اپریل،۲۰۰۹ء،ص۲

۱۳۔۔ بال گنگا دھر،مضمون''دلت حسیت کا شاعر: جینت پرمار رسالہ''شمع حیات'' ذاکرحسین دہلی کالج، دہلی یونی ورسٹی،۲۰۱۷ء،ص۱۶۰

۱۴۔ ایضاً '' '' '' ص۱۷۰۔۱۷۱

۱۵۔ ایضاً '' '' '' ص۱۶۳

۱۶۔ ڈاکٹر اعظم انصاری،مضمون''اردو میں دلت ادب''مشمولہ''دلت ادب:نظریہ ورجحان''مرتبہ ڈاکٹر اعظم انصاری،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،۲۰۱۵ء،ص۶۷

۱۷۔ بال گنگا دھر باغی،''جینت کا دلت تصور''،دہلی،۲۰۱۳ء،ص۶۹-۷۰

۱۸۔ ایضاً '' '' '' ص۹۱

۱۹۔ ڈاکٹر اجے مالوی،''نئی فکریاتی جہات''،سروج شنکر پبلکیشن الہ آباد،اترپردیش،۲۰۱۵ء،ص۴۳

۲۰۔ پروفیسر محمد حسن،مضمون''اردو میں دلت ادب''مشمولہ''دلت ادب:نظریہ ورجحان''مرتبہ ڈاکٹر اعظم انصاری،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،۲۰۱۵ء،ص۳۸

۲۱۔ بال گنگا دھر،مضمون''دلت حسیت کا شاعر: جینت پرمار رسالہ''شمع حیات'' ذاکرحسین دہلی کالج، دہلی یونی ورسٹی،۲۰۱۷ء،ص۱۶۹

۲۲۔ بلراج کومل،مضموں''پنسل اور دوسری نظمیں''مشمولہ''شعروحکمت''جلد۔اول،مرتبین۔شہریار،مغنی تبسم،سائیں کیشوگرافک،کرونالین،چکڑپلی،حیدرآباد،جولائی ۲۰۰۹ء،ص۴۵۲

۲۳۔ سہ ماہی رسالہ''استعارہ''شمارہ7،جلد۲۲۔۲۳،جنوری تا جون۔دہلی،۲۰۰۶ء،ص۸۵

۲۴۔ جینت پرمار کی شاعری کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی کی رائے ،مشمولہ ''شعر وحکمت'' جلد۔ اول،مرتبین۔شہر یار،مغنی تبسم،سائیں کیشو گرافک،کرونالین، چکڑ پلی،حیدرآباد، جولائی ۲۰۰۹ء، ص۴۶۷

۲۵۔ جینت پرمار کی شاعری کے بارے میں وارث علوی کی رائے، مشمولہ''شعر وحکمت'' جلد ۔ اول،مرتبین۔شہر یار،مغنی تبسم،سائیں کیشو گرافک،کرونالین، چکڑ پلی،حیدرآباد، جولائی ۲۰۰۹ء، ص۴۶۷

۲۶۔ نغمہ صدیقی،''اردو کا عاشق زاد: جینت پرمار'' مضمون مطبوعہ رسالہ''زرین شعاعیں'' بنگلور،شمارہ۱۱، نومبر۲۰۱۲ء،ص۴۳

۲۷۔ گوپی چند نارنگ، مضموں''ایزل پر رکھی شبد نظمیں''، مشمولہ''شعر وحکمت'' جلد ۔ اول، مرتبین۔ شہر یار، مغنی تبسم، سائیں کیشو گرافک،کرونالین ،چکڑ پلی، حیدر آباد، جولائی ۲۰۰۹ء ، ص۴۳۱۔۴۳۲

۲۸۔ بلراج کومل، مضموں''پنسل اور دوسری نظمیں''، مشمولہ''شعر وحکمت'' جلد۔اول،مرتبین۔شہر یار،مغنی تبسم،سائیں کیشو گرافک،کرونالین، چکڑ پلی،حیدرآباد، جولائی ۲۰۰۹ء،ص۴۴۸

۲۹۔ ایضاً '' '' '' ص۴۵۲

۳۰۔ بال گنگا دھر،مضمون''دلت حسیت کا شاعر: جینت پرمار'' رسالہ''شمع حیات'' ذاکر حسین دہلی کالج، دہلی یونی ورسٹی،۲۰۱۷ء،ص۱۶۱

۳۱۔ بال گنگا دھر باغی،''جینت کا دلت تصور''، دہلی،۲۰۱۳ء،ص۸۶

۳۲۔ ایضاً '' '' '' ص۹۲۔۹۳

۳۳۔ جینت پرمار کی شاعری کے بارے میں شمیم حنفیکی رائے ، مشمولہ''شعر وحکمت'' جلد ۔ اول،مرتبین۔شہر یار،مغنی تبسم،سائیں کیشو گرافک،کرونالین، چکڑ پلی،حیدرآباد، جولائی ۲۰۰۹ء، ص۴۶۸

۳۴۔ بال گنگا دھر باغی، ''جینت کا دلت تصور''، دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۰۱

۳۵۔ ڈاکٹر یوسف خان، ''دلت شعراء کی اردو نظمیں''، مضمون مطبوعہ رسالہ ''زرین شعاعیں'' بنگلور، جون ۲۰۱۸ء ص ۱۳

۳۶۔ جینت پرمار، شعری مجموعہ ''مانند'' کے بیاک کور پیج

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ پروفیسر ایس۔ ایم۔ رحمت علی رجسٹرار کرناٹک اردو اکاڈمی بنگلور، انترال، ص ۴

۴۰۔ بال گنگا دھر باغی، ''جینت کا دلت تصور''، دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۲۷

۴۱۔ جینت پرمار، شعری مجموعہ ''نظم یعنی'' پیش لفظ

۴۲۔ احمد سہیل کے فیس بک وال سے

۴۳۔ ڈاکٹر مبارک علی پاکستان، دلت ادب نظریہ و رجحان، اعظم انصاری، ص ۴

۴۴۔ اختر انصاری، ''غزل در غزل''، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰

۴۵۔ بلراج کومل، پیش لفظ، شعری مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں''، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۲۷

۴۶۔ نعمان شوق، کا انٹرویو، مطبوعہ ''آج کل'' نئی دہلی، اپریل، ۲۰۰۹ء، ص ۶

۴۷۔ بلراج کومل، پیش لفظ، شعری مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں''، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۳۲

۴۸۔ ڈاکٹر اجے مالوی، ''نئی فکریاتی جہات''، سروج شنکر پبلکیشن الہ آباد، اتر پردیش، ۲۰۱۵ء، ص ۱۲۱

باب پنجم

جینت پرمار بحیثیت مصور

یہ حقیقت ہے کہ انسانوں کو دوسرے جانداروں سے ممتاز کرنے والی خصوصیات میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انسان کی زندگی صرف روٹی، کپڑا اور مکان کے حصول سے مکمل نہیں ہو جاتی بلکہ ان مادی ضروریات کے حصول کے بعد بھی انسان کے دل و دماغ سکون کے متلاشی ہوتے ہیں۔ کائنات میں دستیاب تمام وسائل کو زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر طریقے سے استعمال کرنے کے لیے انسان نے مختلف ایسے فنون کی ایجاد کی ہے جس سے مادی طور پر انسانی زندگی کو خوشحال بنانے میں مدد ملی ہے۔ لیکن فنون لطیفہ نے انسان کو دلی جذبات اور احساسات کے اظہار کا ایک وسیلہ فراہم کیا۔ اور فن مصوری بھی فنون لطیف کا ہی ایک جز ہے۔ مصوری کی تاریخ کافی پرانی ہے جس وقت زبان وجود میں نہیں آئی تھی اس وقت فن مصوری خیالات و جذبات کے اظہار کا ایک واحد وسیلہ تھی۔ مصور اپنے تخیل اور تاثر کو اپنی تصویر کی مدد سے ظاہر کرتا ہے۔

شاعری کے علاوہ جینت پر مار کی ایک اور تخلیقی جہت ہے۔ وہ ہے ان کی مصوری۔ اردو کے صف اول کے شعرا میں یہ پہلے شخص ہیں جو مصوری میں بھی غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں۔ جینت پرمار نہ صرف ایک اچھے مصور ہیں، بلکہ دنیا بھر کے مصوروں کے کام سے اچھی طرح واقف بھی ہیں۔ ان کی کئی نظمیں ہندوستانی مصوروں کے بارے میں ہیں۔ جیسے رویندر ناتھ ٹیگور (1941-1861)، امرتا شیر گل (1941-1913)، مقبول فدا حسین (2011-1915)، رام کمار (2018-1924)، جگدیش سوامی ناتھن (1994-1913) اور پراجی ساگرا (2014-1931)۔ ان کے علاوہ مغرب کے مصوروں کا ذکر بھی ان کی نظموں میں ملتا ہے، جیسے وان گاگ (Van Gogh,1880-1853)، گوگیں (Gaugin,1903-1848)، آسکر کلاؤڈ مونیٹ 'مونے' (Oscar Claude Monet,1926-1840)، سلواڈور ڈالی (Salvador Dali,1989-1904)، فریدا کالو (Frieda Kahlo,1958-1904)، جیاکو میتی (Giacometi,1986-1901) اور سیزان (Cezanne,1939-1906)۔

جینت پرمار کی مصوری میں وہ معصومیت ہے جو بچوں کی مصوری میں ہوتی ہے۔اسپینی مصور پابلو پکاسو(1881-1973)، جیسے بڑے مصور کو بھی افسوس تھا کہ اسے ایسی معصومیت میسر نہ تھی۔جینت پرمار کے ہمدم دیرینہ شفاعت قادری لکھتے ہی کہ:

''جینت پرمار بچپن میں گوبرمٹی کی کچی دیواروں پرلکڑی کے کوئلے سے تصویر بنایا کرتے تھے۔........پندرہ سال کی عمر ہی میں گھر کے حالات دیکھ کرجینت یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اسے جوکچھ بھی کرنا پڑے گا اپنے ہی بل بوتے پر کرنا پڑے گا۔اس لئے پندرہ سال کی عمر میں پورٹریٹ بنا کر بیچنا شروع کیا۔ ایک فریم میکر کے کہنے پر اس کے لئے مینیچر پینٹنگ بنانا اس کا پیشہ تھا۔لیکن یہاں بھی اپنے اجداد کی میراث دلت اچھوت ہونے کی وجہ سےاس کے لئے اسٹوڈیو میں پانی پینے کا مٹکہ اور گلاس الگ رکھا گیا۔استوہین آمیز سلوک کا اُس نے پامردی سے مقابلہ کیا اور اگلے دن سے اسٹوڈیو جانا بند کردیا۔.......اب مصوری اس کا پیشہ نہیں لیکن شوق ہے۔.......شاعری کے علاوہ دیگر فنون لطیفہ سے ان کا کوئی سروکار نہیں ہے۔برعکس اس کے جینت پرمار کا آج بھی مصوری سے رشتہ برقرار ہے۔''[1]

جینت پرمار کومصوری کا شوق بچپن میں فلمیں دیکھنے کے دوارن پردہ سیمیں پراردو ٹائٹل اور مسجد کی دیواروں پرنقش آیتیں دیکھ کر پیدا ہوا۔کیوں کہ اس میں انہیں پینٹنگ دکھائی دیتی تھی۔یہی وجہ ہے کہ اردو سیکھنے کے بعد خطاطی بھی ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔جینت پرمار کو سیاہ رنگ بہت پسند ہے۔اس علاوہ ان کی پینٹنگز چمکدار اور مختلف رنگوں سے بھرپور بھی ہوتی ہیں جس میں ان کی حساسیت اور شدتِ جذبات کی جھلک نظر آتی ہے۔

جینت پرمار کی مصوری بھی ان کی شاعری کی طرح خامشی سے اپنی کہانی سناتی ہے۔اس کے اندر بھی دردوغم کا الگ انبار ہےاورجینت پرمار نے شاعری کے ساتھ مصور کے کرب کو بھی جھیلا ہے۔اس بات کا

اندازہ ان کے مجموعوں میں کی گئی مصوری سے بہ خوبی ہوتا ہے۔جینت پرمار اپنے مختلف مجموعوں میں نظموں کی مناسبت سے تصویر بھی پینٹ کیئے ہیں تا کہ نظموں کے ساتھ تصویر سے بھی نظم کی تفہیم ممکن ہو سکے۔جینت پرمار کی شاعری میں جو معنوی فضا حسن کا پیکر نظر آتی ہے اس کی تصویر کشی ان کی مصوری میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ان کی پینٹنگ میں جہاں ظلم کے شکار دلت سماج کی تصویر کشی کی گئی ہے وہیں سنت کبیر داس، سنت روی داس، غالب، ٹیگور، امبیڈکر جیسی ہستیوں کی تصویر بھی ہے۔اس کے علاوہ بہت سے تصویریں جو معنی آفریں ہے ان کی نظموں کا رنگ دوبالا کرتی ہیں۔بقول گوپی چند نارنگ

> ''جس شاعری میں امیج سازی کو بطور ایک مادی وسیلے کے برتا گیا ہو وہ شاعری آرٹ کا بدل قرار پائے گی اور ایسا آرٹ شاعری کا بدل قرار پائے گا۔یعنی نظم تصویر بناتی ہے اور تصویر میں شاعری کا قفل نظر آتا ہے۔جینت پرمار کی تخصیص یہ ہے کہ وہ اردو کے ایسے اکلوتے شاعر ہیں جس کے شعری عمل میں آرٹ کا تخلیقی عمل رواں دواں ہے۔ دوسرے بھی ہوں گے لیکن کم از کم کسی کا تخلیقی عمل اتنا باہم دیگر مربوط اور متاثر نہیں'' ۲

(جینت پرمار، شعری مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں''، سخن کدہ، احمد آباد، سن ۲۰۰۶ء، ص۱۴)

اس طرح جینت پرمار کی معنویاتی فضاء کو آراستہ کرتی ہے وہ بذاتِ خود شاعر اور مصور دونوں ہے۔کسی سماج کی ناسازگار فضا کو سازگار بنانے میں عملی کارناموں کا جہاں رول رہتا ہے وہیں شاعری اور مصوری جیسے اصولی کارنامے کچھ کم نہیں ہوتے۔جینت پرمار نے ان دونوں عملی و اصولی نقطۂ عمل کا سماجی انقلاب کے حربے کو طور پر استعمال کیا ہے۔دلت تاریخ سے متعلق جو پینٹنگ انہوں نے بنائی ہے اس سے برہمنوں کی ظلم و جبر کی تاریخ کا اندازہ ہوتا ہے۔جس کا شکار دلت سماج رہا۔اسی لیے شاعری کے ساتھ مصوری میں حقیقت پسندانہ عنصر غالب ہے۔

جینت پرمار شعری مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں'' کے تیسرے صفحے پر پھول کی شکل کا سا ایک طغرا بنائے ہیں جو بظاہر ایک چیستاں معلوم ہوتا ہے۔طغرے کی نقل ذیل میں درج ہے۔

۳

درج بالا طغرے کو بہت غور سے دیکھنے پر طغرے میں چار لفظ پڑھے جاتے ہیں: 'نظم'، 'شاعر' اور 'دلت'۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ طغرا کتاب پڑھنے والے سے کہہ رہا کہ تم میری نظمیں سرسری طور پر نہیں پڑھ سکتے، ان پر غور کرنا ہوگا۔ اسی مجموعے میں جینت پرمار اردو کے مقتدر ناقد اور شاعر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کی جوانی کا ایک سکیچ بھی ہے، جس میں ان کے لمبے گھونگریالے بال نمایاں ہیں اور وہ پائپ پی رہے ہیں۔

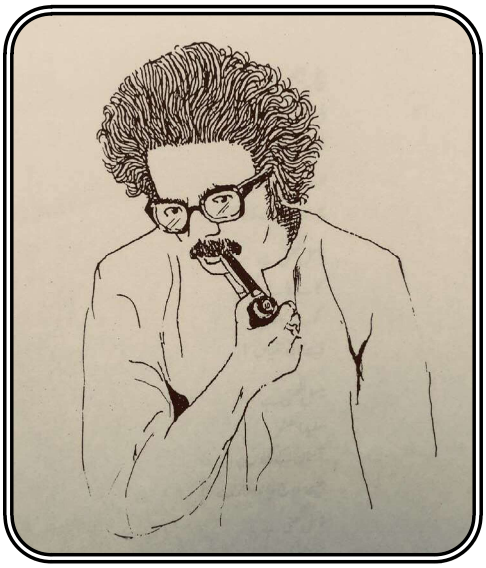

۴

اسی طرح شعری مجموعہ ''انتر ال''میں مقتدر ناقد، محقق و ادیب پروفیسر گوپی چند نارنگ صاحب کا سکیچ کھینچے ہیں۔ سکیچ کی نقل نیچے درج ہے۔

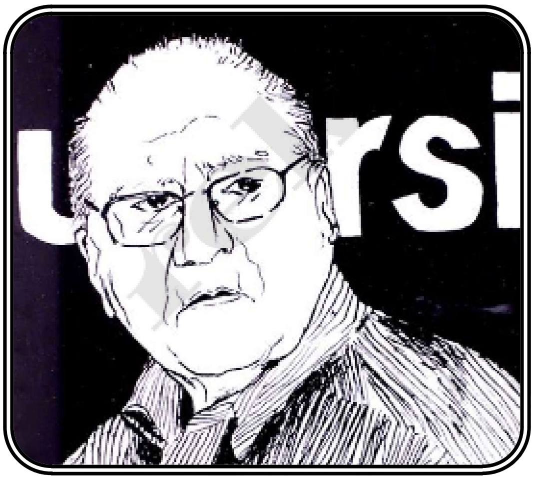

۵

جینت پرمار شعری مجموعہ ''مانند'' مرزا اسد اللہ خاں غالب کی نذر ایک غزل کی جس کا یہ شعر خوب ہے:

جب بھی پڑھتا ہوں تازہ لگتے ہیں
رنگ کیا کیا میاں اسد میں تھے

غزل کے ساتھ جینت پرمار مرزا اسد اللہ خاں غالب کا یہ پورٹریٹ بھی بنائے ہیں:

٦

مجموعہ ''انتر ال''، میں جینت پرمار بنگالی زبان کے نوبل انعام یافتہ شاعر، فلسفی اور افسانہ و ناول نگار

ربندر ناتھ ٹیگور صاحب کا بھی تصویر بنائے ہیں۔ تصویر کی نقل ذیل درج ہے۔

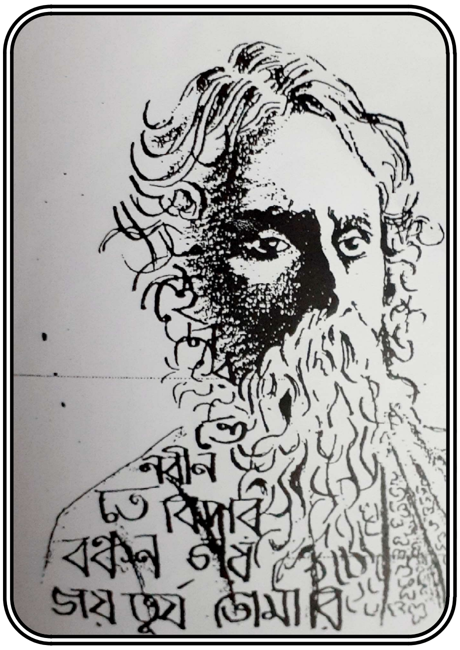

۷

شعری مجموعہ ''نظم یعنی'' کے دیباچہ میں جبینت پرمار نے مشہور اطالوی مصور لیوناردو دا ونچی (Leonardo da Vinci-1519-1452) کا مقولہ درج کیے ہیں کہ ''پینٹنگ شاعری ہے جسے محسوس کرنے کے علاوہ دیکھا بھی جا سکتا ہے اور شاعری پینٹنگ ہے جسے دیکھنے کے علاوہ محسوس بھی کیا جا سکتا ہے'' شاسی مقولے کی توسیع کرنے کو جبینت پرمار نے یہ تصویر بنائے ہیں۔ تصویر نیچے درج ہے۔

۸

جبینت پرمار اردو ادب کے عظیم افسانہ نگار، خاکہ نگار سعادت حسن منٹو صاحب کا بھی ایک بہت ہی خوبصورت

وبامعنی سکیچ بنائے ہیں۔سکیچ کی نقل نیچے درج ہے۔

۹

شعری مجموعہ ''نقطہ اور دوسری نظمیں'' میں جینت پرمار ایک خوبصورت طغرا بنائے ہوئے ہیں۔غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ یہ طغرا ان کی نظم ''نظم'' کی توضیحی تصویر ہے۔تصویر ذیل میں درج ہے۔

۱۰

شعری مجھوعہ ''اور'' میں جینت پرمار ہر مجموعے کی طرح اس مجموعہ میں بھی نظم کے مناسبت سے تصویر

بنائے ہوئے ہیں تا کہ تصویر سے بھی اس نظم کا مطلب سمجھا جا سکے۔ نظم ''اچھوت'' ملاحظہ ہوں:

تم مجھے چھوتی ہو جانم! / تن پر گنگا جل چھڑک کر / خود پوتّر ہوگئی / لیکن / نہیں دنیا میں ایسی چیز کوئی / جو پوتّر کر سکے مجھ کو! / میں تو پیدا ہی ہوا ہوں اپوتّر / عمر بھر میں اپوتّر ہی رہوں گا / اور مر جاؤں گا آخر اپوتّر۔

اب نیچے تصویر کی نقل دیکھئے۔۔۔

11

درج بالا تصویر اچھوت کی ہے۔ قدیم زمانے میں یہ دستور تھا کہ اچھوت لوگ جب گھر سے باہر نکلیں تو پہچان کے لیے یہ چیزیں ان کے ساتھ ہوں۔ ماتھے پر ایک پٹی تا کہ ان کا پسینہ زمین پر نہ گرے، گلے میں مٹکا تا کہ وہ زمین پر نہ تھوکیں، کمر سے لٹکتی ہوئی ایک جھاڑو تا کہ ان کے قدموں کے نشان صاف ہوتے رہیں اور ہاتھ میں ایک لاٹھی تا کہ زمین پر اس کی ضرب سے لوگوں کو ان کی موجودگی کا احساس ہو جائے۔ جینت پرمار نظم ''اچھوت'' اور اچھوت کی تصویر کے ذریعے سماجی غیر برابری پر طنز کیے ہیں۔

درج بالا تصاویر کے علاہ جبینت پر مار اپنے مجموعوں میں جابہ جا مختلف مقامات کو بھی رنگ و برش کے ذریعے قید کیے ہیں۔ جبینت پر مار رنگوں کا استعمال اپنی پینٹنگ میں بہ کثرت کیے ہیں۔ سرخ، زرد، کالا، سنہری رنگوں کے علاوہ مٹی، سمندر، آسمان کے رنگ بھی شامل ہیں۔ ذیل میں تصاویر درج ہیں:

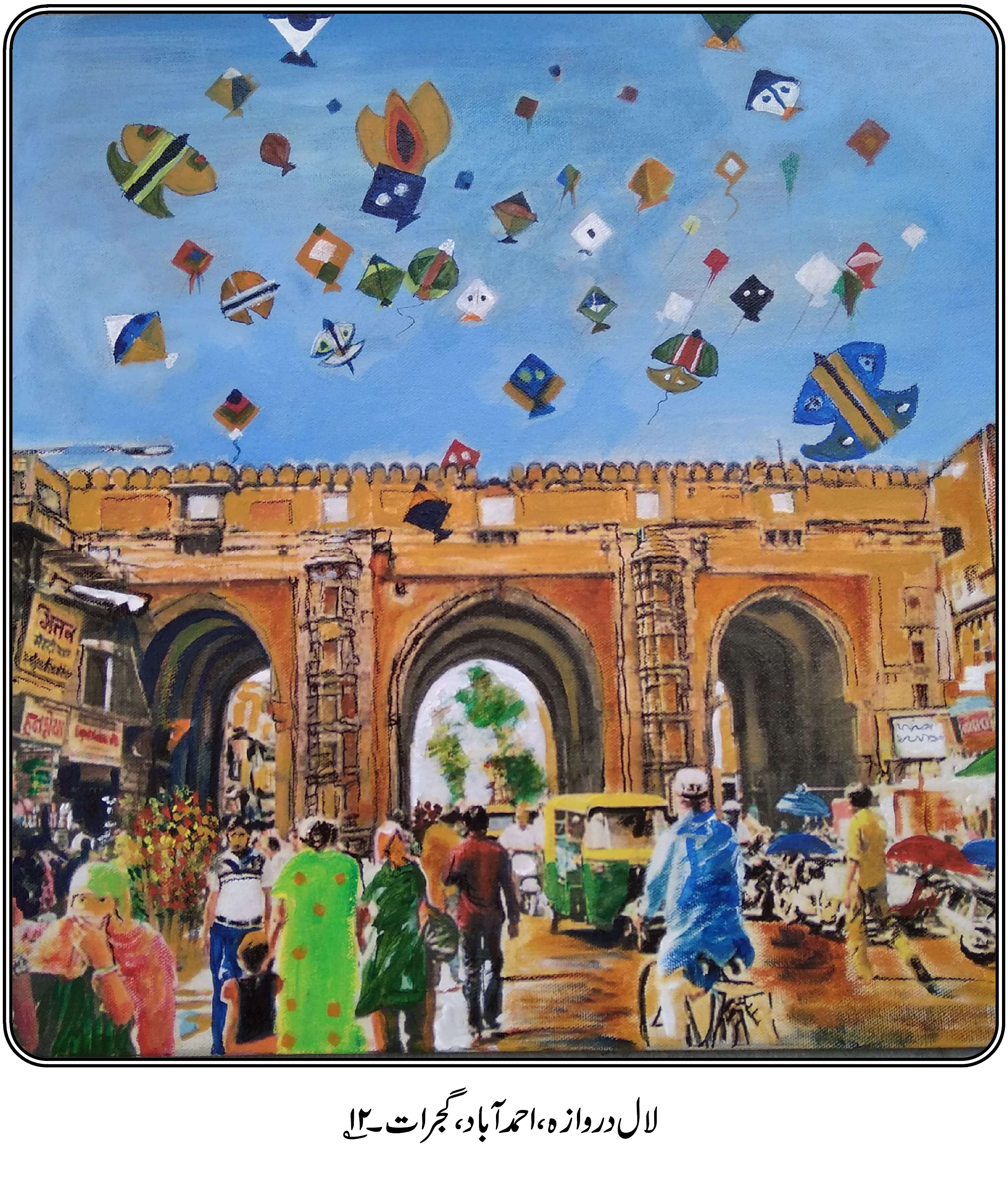

لال دروازہ، احمد آباد، گجرات۔۱۲

بنارس گنگا گھاٹ۔ ۱۳ء

کوسانی، ضلع بگیشور، اترا کھنڈ۔ ۱۴ء

اس کے علاوہ چند اور تصویریں نیچے درج ہیں آپ بھی دیکھئے کتنا خوبصورت بنائے ہیں:

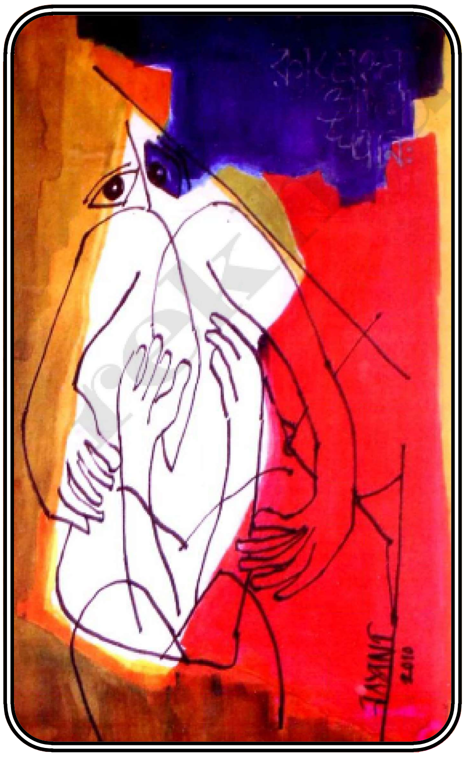

١٥

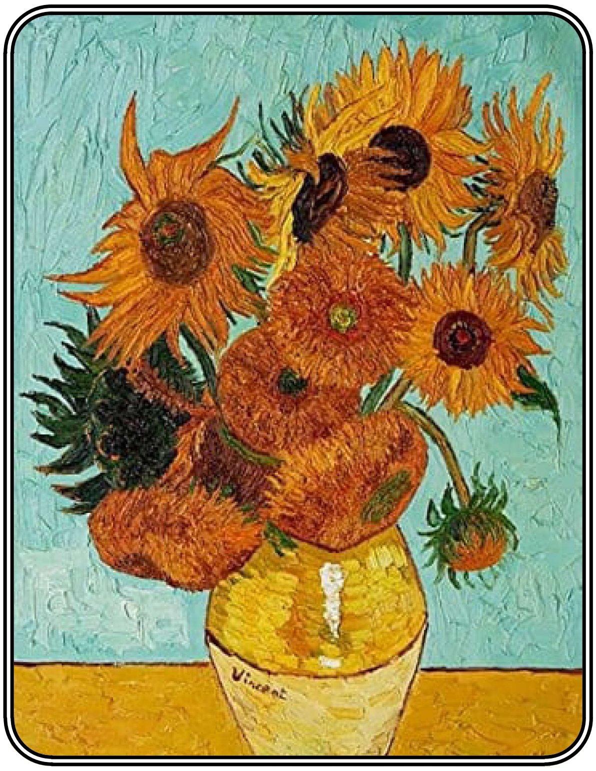

١٦

حروف کو خوبصورت انداز میں لکھنے کا فن ''خطاطی'' اور لکھنے والا ''خطاط'' کہلاتا ہے۔فن خطاطی ایسا فن ہے جو خوبصورت، دل نشیں الفاظ کی صورت کینوس پر اجاگر ہو کر لوگوں کے دل موہ لیتا ہے الفاظ میں ایسے رنگ بھرے جاتے ہیں کہ انسان دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔جیسا کہ مذکور ہوا جینت پرمار کو شاعری کے ساتھ مصوری اور خطاطی سے رغبت خاص ہے جس کا اندازہ ان کے مختلف شعری مجموعوں کی ورق گردانی کے بعد ہوتا ہے۔جینت پرمار کی خطاطی کے چند نمونے ذیل میں درج ہیں آپ بھی دیکھئے:

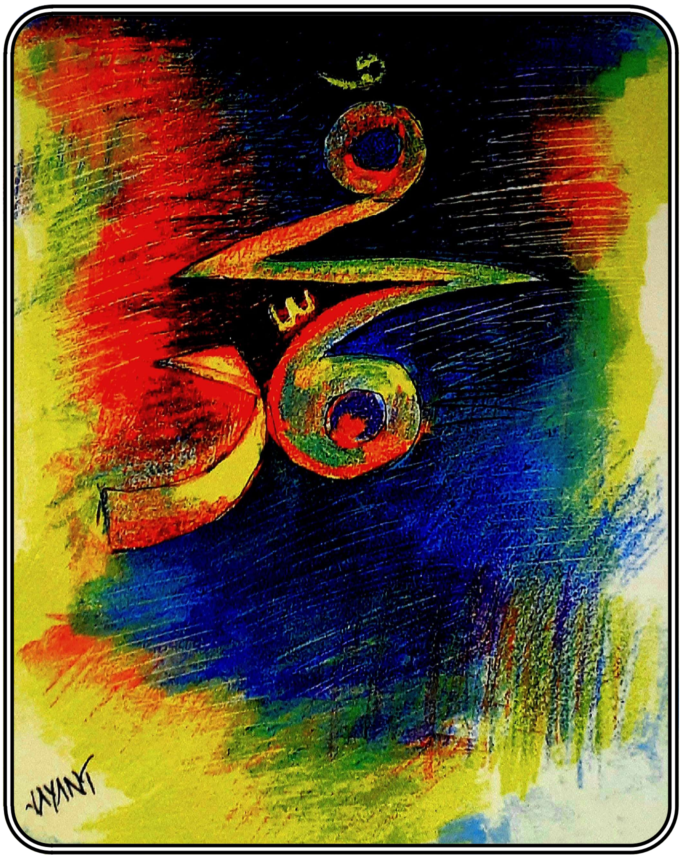
JAYANT

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پہ کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا
JAYANT

شمس الرحمٰن فاروقی

حوالے

۱۔ شفاعت قادری، ہمدم دیرینہ جینت پرمار، نیا دور، ممبئی، شمارہ ۳۱، ۲۰۰۹ء، ص ۹۹ تا ۱۰۵

۲۔ پنسل اور دوسری نظمیں، جینت پرمار، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۰۶ء

۳۔ پنسل اور دوسری نظمیں، جینت پرمار، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۶

۴۔ ایضاً

۵۔ انتر ال، جینت پرمار، کرناٹک اردو اکادمی، کرناٹک، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵

۶۔ مانند، جینت پرمار، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۴

۷۔ انتر ال، جینت پرمار، کرناٹک اردو اکادمی، کرناٹک، ۲۰۱۰ء، ص ۳۳

۸۔ نظم یعنی...، جینت پرمار، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۱۳ء، ص، ۲۱

۹۔ جینت پرمار کے فیس بک اکاؤنٹ سے

۱۰۔ نقطہ اور دوسری نظمیں، جینت پرمار، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۱۹، ص، ۳

۱۱۔ اور، جینت پرمار، موڈرن پبلشنگ ہوؤس، ۹، گولا مارکیٹ، ریا گنج، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۲

۱۲۔ جینت پرمار کے فیس بک اکاؤنٹ سے

۱۳۔ مانند، جینت پرمار، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۴۶

۱۴۔ انتر ال، جینت پرمار، کرناٹک اردو اکادمی، کرناٹک، ۲۰۱۰ء

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ جینت پرمار کے فیس بک اکاؤنٹ سے

۱۷۔ انتر ال، جبینت پر مار، کرنا ٹک اردو اکادمی، کرناٹک، ۲۰۱۰ء ص ۱۶

۱۸۔ نقطہ اور دوسری نظمیں، جبینت پر مار، سخن کدہ، احمد آباد، ۲۰۱۹، ص، ۲۶

۱۹۔ جبینت پر مار کے فیس بک اکاؤنٹ

۲۰۔ ایضاً

ماحصل

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ۱۹۸۰ ء کے بعد اردو اصناف میں جس نے سب سے زیادہ اثر قبول کیا ان میں افسانہ اور نظم خاصے اہمیت کے حامل ہیں۔ یوں تو ساٹھ اور ستر کی دہائی میں ہی مختلف تجربے کیے جا چکے تھے بعد میں مختلف تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ نثری نظم اس کا تازہ مثال ہے۔ نثری نظم کو فروغ دینے والے شعرا میں ایک اہم نام جینت پرمار کا بھی ہے۔ جینت پرمار عصر حاضر کے گجرات کے نامور شعراء میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ گذشتہ ابواب میں ان کی سوانح و شخصیت کے علاوہ ان کی شاعری کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک باب میں ان کے ہم عصر شعراء کی شخصیت کا مختصر تعارف اور شاعری کا جائزہ اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے۔ ایک باب میں جینت پرمار کا دلت شعور اور اس کے محرکات کو پیش کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ ایک باب میں ان کی مصوری کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

جینت پرمار کی ولادت 11 اکتوبر ۱۹۵۴ء میں گجرات کے شہر احمد آباد کے قصبہ شاہ پور کے ایک دلت مل مزدور کے گھر ہوئی۔ عہد طفلی احمد آباد کی سرزمین پہ بڑی ہی غربت میں گزری کیوں کہ وراثت میں انہیں کچھ بھی ایسا نہ ملا جس پر فخر کرتے یا جس کے سبب انہیں مالداروں یا عزت داروں میں شمار کیا جاتا۔ ہندوستانی سماج میں ایک دلت کے گھر پیدا ہونا شاید دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے، کیوں کہ ایک دلت کی جس دن ولادت ہوتی ہے اس دن چھوا چھات ، نفرت و حسد تا حیات اس کے نام رقم کر دیا جاتا ہے۔ جینت پرمار کو یہی چیز وراثت میں ملی تھی۔ دریائے سابرمتی اور گندی بستی کی تنگ گلیاں، بدبودار

ہوائیں، نالوں کی گندگی ،جھگی جھوپڑی، اوراس میں کوڑا کرکٹ اٹھانے والے فٹ پاتھ کے رہنے والے، بات بات پر جھگڑا کرنے والے شرابی اور جوا کھیلنے والوں کا جہاں بسیرا ہو ایسے ماحول میں جینت کا بچپن گزرا۔

جینت پرمار کی ابتدائی تعلیم شاہ پور کے ایک کارپوریشن گورنمنٹ (پرائمری) اسکول میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم محلے کے پرائمری اسکول سے حاصل کرنے کے بعد ہائی اسکول کی پڑھائی کے لئے شاہ پور ٹیوٹوریل اسکول میں داخلہ لیا۔ہائی اسکول انھوں نے ۱۹۷۱ء میں اچھے نمبرات کے ساتھ پاس کیا۔کامرس اسکول آف احمد آباد سے انھوں نے B.Com کی ڈگری ۱۹۷۴ء حاصل کی۔تعلیم کے اس مقام تک پہنچنے کے بعد ان کے لئے آگے کی پڑھائی جاری رکھنا دشوار ہو گیا مالی مسائل درپیش ہو گئے وسائل محدود اس پر غربت کا بھار آخر کار نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ارمانوں اور خوابوں کو بروئے کار نہ لا سکے اور آگے کی پڑھائی چھوڑنی پڑی۔مگر اسی بیچ انہیں پینٹنگ بنانے کے بہت سے order آنے لگے تھے ایسا ان کے مصوری کی اوصاف کے اسباب تھے،لیکن اس سے ان کے مالی مسائل حل نہ ہونے والے تھے۔آلامِ روزگار سے فارغ ہونے کے لیے ایک پینٹنگ کی دکان میں کام کرنے لگے، جہاں انہیں دلت ہونے کے باعث چھوا چھوت کا درد بھی سہنا پڑا۔دکان دار کا یہ برتاؤ دیکھ کر جینت پرمار نے اس دکان میں نوکری کرنی چھوڑ دی۔چار سال بعد یعنی 1978ء میں بینک آف بڑودہ میں موصوف کا تقرر بحیثیت کمپوٹر آپریٹر ہوا۔اور ۲۰۱۴ء تک اس بینک میں اپنی خدمات انجام دیے۔

جینت پرمار کی شادی شہر احمد آباد کے قصبہ بہرام پور ۱۹۸۵ء سن میں ہوئی۔ان کی اہلیہ کا نام مینا مہاپاترا ہے۔جو بہت ہی سلیقہ منداور نیک عورت ہیں۔بارہویں درجہ تک تعلیم حاصل کی ہیں۔ان کے والد کا نام بلدیو اور والدہ کا نام لکشمی ہے۔جینت پرمار اپنی شریکِ حیات کو شادی سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔والدہ اور بڑی بہن نے ان کے لیے لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔جینت پرمار کی شریکِ حیات سیدھی سادی باشعور اور خوش شکل خاتون ہیں۔ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار ہے ۔ ان کی اہلیہ ان کا بے حد خیال رکھتی ہیں،دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرتے ہیں۔

جینت پرمار کی دو اولادیں ہیں،ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔لڑکا بڑا ہے جو ۱۹۸۸ء میں پیدا ہوا۔اس کا نام سنکیت مہاپاتر ہے۔ وہ بڑے مہذب ، سنجیدہ اور ذہین فرزند ہیں۔ سنکیت مہاپاتر

B.Sc(Physics),M.Sc (Perfoming arts medicine) کی تعلیم سے سرفراز ہیں ساتھ ساتھ یہ ایک Music Composer میوزک کمپوزر بھی ہیں۔انھیں طبلہ بجانے اور پینٹنگ کا بھی بہت شوق ہے۔ ۱۹۹۲ء میں جینت پرمار کے گھر جولڑکی پیدا ہوئی اس کا نام وِدِشا مہا پاتر ہے۔یہ بھی ایک مہذب ،سنجیدہ اور ذہین بیٹی ہیں۔انھوں نے MBA,M.Com,B.Com کی تعلیم حاصل کی۔فی الوقت یہ بینگلور میں بینکنگ کورس کررہی ہیں۔انہیں اردو زبان وادب سے بھی بہت لگاؤ ہے۔موسیقی کی دلدادہ ہیں جس کی وجہ سے انھیں بھی گانے کا شوق پیدا ہوا نتیجۃً وہ آج ایک کلاسیکل سنگر کی حیثیت سے گائکی کی دنیا میں اپنی شناخت قائم کرچکی ہیں۔

جینت پرمار کی شخصیت کی بڑی خوبی انسان دوستی ہے۔وہ سیدھے، سچے، ایماندار، محنت کش، وفادار، نیک، با اخلاق اور ہمدرد انسان ہیں۔اللہ، رام، واہے گرو، گوتم ،ان کے لیے سب یکساں ہیں۔ان کے نزدیک انسانیت ہی انسان کا سب سے بڑا مذہب ہے وہ بڑے ملنسار، مہمان نواز اور دوست نواز شخص ہیں۔جینت پرمار کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوتے اور نہ ہی انھیں غصہ آتا ہے۔دوستوں کے ساتھ وہ ہمیشہ مخلصانہ انداز سے پیش آتے ہیں۔وہ خود کو کسی دوسرے سے اونچا تصور نہیں کرتے غرض یہ کہ ان کی شخصیت انسانیت کا ایک بہترین پیکر ہے۔یہ ساری باتیں باب اول جینت پرمار: سوانح اور شخصیت کے تحت ذکر کی گئی ہیں اور ذکر کردہ ان ساری باتوں کو حسب ضرورت داخلی اور خارجی دلائل سے مزین کیا گیا ہے۔

جینت پرمار کی شاعری کا آغاز ۱۹۸۰ء کے دہائی سے پہلے شروع ہوگیا تھا۔جینت پرمار جب سے تخلیقی کام کا انجام دے رہے ہیں تبھی سے آج تک نظم وغزل کو وسیلۂ اظہار بنایا ہے۔انہوں نے شاعری کا آغاز غزل سے کیا لیکن بہت جلد اپنا رجحان نظم نگاری کی طرف موڑ دیا۔جینت پرمار سے متعلق قابل غور بات یہ ہے کہ ان کی مادری زبان گجراتی ہے۔اردو انہوں نے بہت بعد میں سیکھی ،اس کے باوجود بھی انہوں نے اردو زبان میں غزلیں اور نظمیں کہنے میں کامیابی حاصل کی۔ بہت جلد ہی جینت پرمار نے اردو نظم کی مختلف ہئیتوں اور اردو شاعری میں استعمال کی جانے والی علامتوں اور استعاروں سے واقفیت حاصل کر لی۔جینت پرمار کے اب تک سات مجموعۂ کلام شائع ہو چکے ہیں جن میں ''اور'' ۱۹۹۹ء، ''پنسل اور دوسری نظمیں'' ۲۰۰۶ء، ''مانند'' ۲۰۰۷ء، ''انتر ال'' ۲۰۱۰ء، ''نظم یعنی'' ۲۰۱۳ء، ''جیا کو میتی کے سپنے'' ۲۰۱۶ء اور ''نقطہ اور

دوسری نظمیں''۲۰۱۹ء شامل ہیں۔

جینت پر مار کی تخلیقی حسیت کا اظہار بہ یک وقت برش اور رنگوں کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور صفحہ قرطاس پر قلم کے ذریعہ بھی۔ ان کی شاعری میں تخیل کی بلندی کے ساتھ ساتھ جدت اور تازگی پائی جاتی ہے۔ یہ ایک سنجیدہ شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں دکھ درد کا ذاتی تجربہ ملتا ہے۔ مشہور نقاد امتیاز احمد موصوف کی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں:

''اردو شاعری کے موجود منظر نامے پر جینت پر مار کی شاعری اپنی ایک الگ شناخت رکھتی ہے اور یہ شناخت رائج شعری تصورات سے مختلف ہے۔ اس میں دکھ درد کی جو لہر ہے وہ میؔر کی شاعری کی طرح ہڈی میں چھید کرنے والی بھلے ہی نہ ہو لیکن اس میں دکھ درد کا ذاتی تجربہ ضرور ملتا ہے۔ اس ذاتی تجربے کو پر مار نے آفاقی بنانے کی مختلف جگہوں پر کوششیں کی ہیں۔''

(''شعر و حکمت'' جلد ۔ول، مرتبین۔شہریار، مغنی تبسم، سائیں کیشو گرافک، کرونالین، چکڑ پلی، حیدرآباد، جولائی ۲۰۰۹ء، ص ۴۵۶)

جینت پر مار کی شاعری کا محور و مرکز دلت ادب رہا ہے۔ لیکن انہوں نے سماج اور زندگی سے جڑے مختلف موضوعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ ان کے ہاں حسن فطرت، سماجی، سیاسی و معاشی مسائل کے ساتھ ساتھ وہ تمام مصلحین و فلسفی، صوفیاء، نقاد، شعراء، ادباء، موسیقی کار اور مصور بھی ہیں۔ جن کی دانشوری کی آفاقیت آج بھی قائم و دائم ہے۔

جینت پر مار کی شاعری موٹے طور پر دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ پہلا حصہ اس شاعری کا ہے جو روایتی شاعری کا حسن رکھتی ہے۔ اس حصے میں جینت پر مار کا کمال بس اتنا ہے کہ انہوں نے سہل ممتنع جیسے سیدھے سادہ اور صاف ستھرے اور عموماً چھوٹی بحر کے شعر کہے ہیں:

تھے کھڑکی میں محدود منظر مرے ــــ مرا آسماں مختصر بھی تو تھا
جسے شعر کہتے رہے ہم سدا ــــ وہ کاغذ پہ خونِ جگر بھی تو تھا
ذرا ٹھہر اس کو کاندھا دے دوں ــــ یہ لاش تو میرے شہر کی ہے

جینت پرمار کی شاعری کا دوسرا حصہ وہ ہے جو تجربات کو کھلے انداز میں بغیر کسی تکلف یا پردہ داری کئے پیش کرتا ہے۔ یہ تجربے جیسے ہیں ویسے ہی شاعری میں اتر آئے ہیں۔ مثال کے طور پر نظم ''سپنا دیکھنے والے ہاتھ'' کے آخری بند کے چار سطریں ملاحظہ ہوں:

چائے کے کپ دھوتے ہاتھوں میں
گُو کی بالٹی سر پہ رکھے ہاتھوں میں
اچھوت کے کالے ہاتھوں میں
بانس کے نیزے چمکیں گے

شاعری کے علاوہ جینت پرمار کی ایک اور تخلیقی جہت ہے۔ وہ ہے ان کی مصوری۔ اردو کے صف اول کے شعرا میں یہ پہلے شخص ہیں جو مصوری میں بھی غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں۔ جینت پرمار نہ صرف ایک اچھے مصور ہیں، بلکہ دنیا بھر کے مصوروں کے کام سے اچھی طرح واقف بھی ہیں۔ جینت پرمار کو مصوری کا شوق بچپن میں فلمیں دیکھنے کے دوران پردہ سیمیں پر اردو ٹائٹل اور مسجد کی دیواروں پر نقش آیتیں دیکھ کر پیدا ہوا۔ کیوں کہ اس میں انہیں پینٹنگ دکھائی دیتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو سیکھنے کے بعد خطاطی بھی ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ جینت پرمار کو سیاہ رنگ بہت پسند ہے۔ اس علاوہ ان کی پینٹنگز چمکدار اور مختلف رنگوں سے بھرپور بھی ہوتی ہیں جس میں ان کی حساسیت اور شدتِ جذبات کی جھلک نظر آتی ہے۔

جینت پرمار کی مصوری میں وہ معصومیت ہے جو بچوں کی مصوری میں ہوتی ہے۔ ان کی مصوری بھی ان کی شاعری کی طرح خاموشی سے اپنی کہانی سناتی ہے۔ اس کے اندر بھی درد وغم کا الگ انبار ہے اور جینت پرمار نے شاعری کے ساتھ مصور کے کرب کو بھی جھیلا ہے۔ اس بات کا اندازہ ان کے مجموعوں کی گئی مصوری سے بہ خوبی ہوتا ہے۔ جینت پرمار اپنے مختلف مجموعوں میں نظموں کی مناسبت سے تصویر بھی پینٹ کیے ہیں تا کہ نظموں کے ساتھ تصویر سے بھی نظم کی تفہیم ممکن ہو سکے۔

جینت پرمار کی نظموں وغزلوں کی خصوصیت یہ ہے کہ قاری کو افہام وتفہیم کی الجھنوں میں نہیں ڈالا بلکہ سادہ سلیس زبان کا استعمال کیا ہے جس میں تہہ داری کی وسعت ملتی ہے۔ اور نہ ہی فارسی آمیز الفاظ کو برتا ہے اسی سبب ان کا کلام قاری کے دل میں راست اتر تا ہے۔ انہوں نے تشبیہ، صنائع وبدائع، علامتوں اور

استعاروں سے بھی کام لیا ہے۔کہیں کہیں دشنام طرازی بھی کی ہے جس کے سبب ان کی نظمیں رسائل کے مدیران نے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔منظر نگاری پر قدرت حاصل ہے۔بعض جگہ نثری طرز ادافن نظم نگاری کے لحاظ سے ایک بڑا عیب ہے اور چند نظموں میں تسلسل ٹوٹتا نظر آتا ہے۔لیکن یہ عیب ان کی شاعری کی عظمت کے لیے رکاوٹ نہ بن سکے۔انہوں نے سماجی وفطری موضوعات کا جس زاویہ سے مشاہدہ وموازنہ کیا ہے اس کی افادیت کبھی کم نہیں ہوگی۔

کتابیات

بنیادی ماخذ

نمبر شمار	مصنف	کتاب	ناشر، اشاعت	سن
ا۔	جینت پرمار	اور	موڈرن پبلشنگ ہوؤس، ۹، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی۔۱۱۰۰۰۲	۱۹۹۹ء
۲۔	جینت پرمار	پنسل اور دوسری نظمیں	سخن کدہ، احمدآباد، گجرات۔۳۸۲۴۸۰	۲۰۰۶ء
۳۔	جینت پرمار	مانند	سخن کدہ، احمدآباد، گجرات۔۳۸۲۴۸۰	۲۰۰۷ء
۴۔	جینت پرمار	انتر ال	کرناٹک اردو اکادمی، کرناٹک۔۵۶۰۰۲۵	۲۰۱۰ء
۵۔	جینت پرمار	نظم یعنی	سخن کدہ، احمدآباد، گجرات۔۳۸۲۴۸۰	۲۰۱۳ء
۶۔	جینت پرمار	جیا کومیتی کے سپنے	سخن کدہ، احمدآباد، گجرات۔۳۸۲۴۸۰	۲۰۱۶ء
۷۔	جینت پرمار	نقطہ اور دوسری نظمیں	سخن کدہ، احمدآباد، گجرات۔۳۸۲۴۸۰	۲۰۱۹ء

ثانوی ماخذ

نمبر شمار	مصنف	کتاب	ناشر، اشاعت	سن
ا۔	ابوالکلام قاسمی	شاعری کی تنقید	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی	۲۰۱۱ء
۲۔	اجے مالوی	نئی فکریاتی جہات	بھارگو پریس، الہ آباد، اترپردیش	۲۰۱۵ء
۳۔	اختر انصاری	غزل کی سرگزشت	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۱۹۸۵ء

۴۔	اخلاق حسین دہلوی	فن شاعری	کتب خانہ خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی	۲۰۱۳ء
۵۔	اعظم انصاری ڈاکٹر	دلت ادب: نظریہ ورجحان	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔۱۱۰۰۰۶	۲۰۱۵ء
۶۔	امبیڈکر بھیم راؤ ڈاکٹر	کلیات ونگارشات وخطبات، جلد۔(۱تا۲۱)	ڈاکٹر بی آر۔امبیڈکر فاؤنڈیشن وزاراتِ سماجی انصاف اوراختیار، دہی حکومتِ ہند، نئی دہلی۔۱۱۰۰۰۱	۱۹۹۹ء
۷۔	اوم پرکاش بالمیکی	دلت ساہتیہ کا سوندریہ شاستر	رادھا کرشن پرکاشن، نئی دہلی	۲۰۰۱ء
۸۔	اے۔ایم شعلہ پروفیسر	شعرائے گجرات	اِمت پرکاشن، جودھپور، راجستھان	۱۹۸۳ء
۹۔	ایوب محمد ڈاکٹر	بھارت میں دلت مسلمان (ہندی)	این۔آئی۔ایم	۲۰۰۱۵ء
۱۰۔	جاوید، زینت اللہ	شعری رویے	امیج پبلی کیشنز، اورنگ آباد	۱۹۷۷ء
۱۱۔	جاوید، زینت اللہ	نئی اردو شاعری	امیج پبلی کیشنز، اکولہ	۱۹۸۷ء
۱۲۔	جے پرکاش کردن	دلت کویتا سَم کالین پریدریشہ (ہندی)	راہول پرکاشن، دہلی	۲۰۱۸ء
۱۳۔	حالیؔ، مولانا الطاف حسین	مقدمہ شعروشاعری	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۱۹۹۴
۱۴۔	حامد کاشمیری	جدید شعری منظرنامہ	جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی (آرٹ اینڈ لینگویجز)	۱۹۷۴ء
۱۵۔	حبیب النساء بیگم سید یوسف علی	صادقہ نواب سحؔر شاعری کے تناظر میں	روشن پرنٹرس، دہلی	۲۰۱۸ء
۱۶۔	حنیف ترین	دلت کویتا جاگ اُٹھی	ترین پبلی کیشنز، نئی دہلی	۲۰۱۸ء
۱۷۔	حنیف کیفی	اردو میں نظمِ معرّا اور آزاد نظم	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی	۲۰۰۳ء
۱۸۔	جعفری، علی سردار	ترقی پسند تحریک کی نصف صدی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۱۹۸۷ء

۱۹۔	جمال محمد صدیقی	قدیم ہندوستان میں شودر	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان وزارت ترقی انسانی وسائل حکومت، نئی دہلی۔۱۱۰۰٦٦	۱۹۹۹ء
۲۰۔	چندر بھان خیال	گمشدہ آدمی کا انتظار	سنگھرش پرکاشن ۱۸/۴٦ کوشک اینکیو، دہلی۔۱۱۰۰۰۹	۱۹۹۷ء
۲۱۔	چندر بھان خیال	لولاک	فرید بُکڈ پو لمٹیڈ دریا گنج، نئی دہلی	۲۰۰۲ء
۲۲۔	خلیل رحمٰن اعظمی	اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ	۲۰۰۷ء
۲۳۔	رمیش چندر چترویدی	بیسویں صدی کی ہندی دلت کویتا (ہندی)	ساہتیہ سنتھان غازی آباد	۲۰۱۹ء
۲۴۔	رؤف خیر	اِقرا	اردو اکادمی آندھرا پردیش حیدرآباد	۱۹۷۷ء
۲۵۔	رؤف خیر	ایلاف	اردو اکادمی آندھرا پردیش حیدرآباد	۱۹۸۲ء
۲٦۔	ریاض لطیف	عدم تراش	سخن کدہ، احمد آباد، گجرات	۲۰۱٦ء
۲۷۔	سید ظہیر الدین مدنی ڈاکٹر	اردو غزل گجرات میں	ساہتیہ اردو اکادمی حکومت گجرات، گاندھی نگر گجرات	۱۹۹۵ء
۲۸۔	سید محمد عقیل	غزل کے نئے جہات	مکتبہ جدید، نئی دہلی	۱۹۸۸ء
۲۹۔	سید محمد حسین	اردو میں عشقیہ شاعری	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ	۱۹۸۷ء
۳۰۔	سیفی سرونجی	ندا فاضلی کا تخلیقی سفر	انتساب پبلی کیشنز، سرونجی، مدھیہ پردیش	۲۰۱۰ء
۳۱۔	سُوشیل شالو ڈاکٹر	دلت کویتا: پرمپرا اور پری پیکشہ (ہندی)	سِدھارتھ بُک دہلی	۲۰۱۴ء
۳۲۔	سُورج چوہان	سَم کالین ہندی دلت ساہیتہ (ہندی)	بانی پرکاشن نئی دہلی	۲۰۱۷ء
۳۳۔	شجاع خاور	اللہ ہو	چمن انٹرپرائزز پٹودی ہاؤس	۲۰۰۰ء
۳۴۔	شعور اعظمی	شعورِ عروض	کتاب دار، ممبئی	۲۰۰۹ء

۳۵۔	شفیق فاطمہ شعریٰ	گلّہ صفورہ	مکتبہ جامعہ لیمٹیڈ جامعہ نگر نئی دہلی	۱۹۹۰ء
۳۶۔	شمیم حنفی	غزل کا نیا منظر نامہ	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۱۹۹۰ء
۳۷۔	شہپر رسول ڈاکٹر	اردو غزل میں پیکر تراشی	مکتبہ جامعہ لیمٹیڈ، نئی دہلی	۱۹۹۹ء
۳۸۔	شین کاف نظام	لفظ در لفظ	راجستھان اردو اکادمی، جے پور، رجستھان۔۳۰۲۰۰۱	۲۰۰۰ء
۳۹۔	صادقہ نواب سحر	باوجود	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۱۸ء
۴۰۔	صغریٰ رحمانی	تخمِ خون	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۱۶ء
۴۱۔	عبادت بریلوی	غزل اور مطالعۂ غزل	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۱۹۵۵ء
۴۲۔	عدم گونڈوی	دھرتی کی سطح پر (ہندی)	انوج پرکاشن، اندر پرستھ پرتا پگڑھ، اتر پردیش	۲۰۱۲ء
۴۳۔	عقیل احمد صدیقی	جدید اردو نظم نظری و عمل	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۱۹۹۰ء
۴۴۔	عدم گونڈوی	سمے سے مُٹھ بھیڑ (ہندی)	بانی پرکاشن دریا گنج نئی دہلی	۲۰۱۰ء
۴۵۔	علی انور	مسواوات کی جنگ (ہندی)	بانی پرکاشن دریا گنج نئی دہلی	۲۰۰۱ء
۴۶۔	عنبر بہرائچی	دوب	دانش محل امین آباد لکھنؤ	۱۹۹۰ء
۴۷۔	غضنفر	دِوّیہ بانی	مسلم ایجوکیشن پریس، علی گڑھ	۲۰۰۰ء
۴۸۔	کلیم الدین احمد	اردو شاعری پر ایک نظر	بک امپوریم سبزی باغ پٹنہ۔۸۰۰۰۰۴	۱۹۸۵ء
۴۹۔	کمار پاشی	محمد علوی: ایک مطالعہ	سطور پرکاشن نئی دہلی	۱۹۰۰ء
۵۰۔	کنول بھارتی	دلت ساہتیہ کی اودھارنا،	بودھی ستو پرکاشن، رام پور، اتر پردیش	۲۰۰۶،
۵۱۔	قمر رئیس ڈاکٹر	معاصر اردو غزل	اردو اکادمی، نئی دہلی	۱۹۹۵ء
۵۲۔	گوپی چند نارنگ	اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ	اردو اکادمی دہلی	۲۰۱۱ء
۵۳۔	گوپی چند نارنگ	جدید کے بعد	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۰۵ء
۵۴۔	گوپی چند نارنگ	ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت	اَیڈ شاٹ پبلی کیشن ممبئ	۲۰۰۴ء

۵۵۔	لالہ موتی رام	اچھوت قومیں	مفید عام پریس لاہور پاکستان	۱۹۲۵ء
۵۶۔	مصحف اقبال توصیفی	ستارہ یا آسمان	اردو اکادمی آندھرا پردیش، حیدرآباد	۱۹۷۷ء
۵۷۔	مصحف اقبال توصیفی	دور کنارا	موڈرن پبلشنگ ہاؤس	۲۰۰۵ء
۵۸۔	محسن جلگانوی	سبز سمندر	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۱۵ء
۵۹۔	محی الدین بمبئی والا پروفیسر	گجرات کی علمی، ادبی وثقافتی میراث	حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اور ریسرچ سینٹر، احمد آباد	۲۰۰۴ء
۶۰۔	منصور احمد اجازی ڈاکٹر	اچھوت خون	کرادن آنسیٹ سبزی باغ، پٹنہ	۲۰۰۶ء
۶۱۔	مظفر شہہ میری	اردو غزل کا استعارتی نظام	معراج پبلی کیشنز	۱۹۹۴ء
۶۲۔	مبارک علی ڈاکٹر	اچھوت لوگوں کا ادب	تاریخ پبلی کیشنز، لاہور پاکستان	۲۰۱۲ء
۶۳۔	مُلک راج آنند	اچھوت	ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی	۱۹۹۰ء
۶۴۔	ممتاز الحق ڈاکٹر	اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۱۹۹۷ء
۶۵۔	ممتاز الحق	جدید غزل کا فنی، سیاسی سماجی مطالعہ	ایجوکیشن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۱۹۹۸
۶۶۔	موہن داس نیمیشرائے	ہندی دلت ساہیتہ (ہندی)	ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی	۲۰۱۴ء
۶۷۔	ناہیدہ سلطانہ	علی ظہیر: شخص اور شاعر	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۱۴ء
۶۸۔	نعمان شوق	فریز میں رکھی شام	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۰۴ء
۶۹۔	وقار قادری (مترجم)	دلت کتھا	ایڈ شاٹ پبلی کیشن، ممبئی	۲۰۰۴ء
۷۰۔	وہاب اشرفی	تاریخ ادبِ اردو، جلد سوم	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۱۷۹۸ء
۷۱۔	وہاب اشرفی	مابعد جدیدیت مضمرات و مُمکنات	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی	۲۰۰۴ء
۷۲۔	یعقوب راہی (مترجم)	مراٹھی شاعری، دلت فکر و نظر تک	اظہار پبلیکیشن، ممبئی	۲۰۱۶ء

۷۳۔ یعقوب راہی (مترجم) دلت آواز مراٹھی کی منتخب نظموں کے تراجم ایڈشاٹ پبلی کیشنز ممبئی ۱۹۹۸ء

رسائل وجرائد

نمبر شمار	رسائل وجرائد	ایڈیٹر	مقام اشاعت	سن
۱۔	آج کل	خورشید اکرم	نئی دہلی	اپریل ۲۰۰۹ء
۲۔	اپنی ماٹی (ہندی)	جتندر یادو	راجستھان چیتوڑ گڑھ	اکتوبر ۲۰۱۷ تا مارچ ۲۰۱۸ء
۳۔	استعارہ	صلاح الدین پرویز، یوگیندر بالی، حقانی القاسمی	دہلی	جون ۲۰۰۶ء
۴۔	استفسار	شین کاف نظام، عادل رضا منصوری	راجستھان، جے پور	اکتوبر ۲۰۱۶ء تا مارچ ۲۰۱۷ء
۵۔	جنگ (روزنامہ)	محمود شام	کراچی، پاکستان	۲۸/ دسمبر/ ۲۰۱۶
۶۔	دنیا (روزنامہ)	میاں عامر محمود	لاہور، پاکستان	۱۱/ اگست/ ۲۰۱۶
۷۔	زرین شعاعیں	فرید رحمت اللہ	بنگلور، کرناٹک	نومبر ۲۰۱۲/ جون ۲۰۱۷ء
۸۔	شعر و حکمت (جلد۔اول)	مغنی تبسم، شہریار	حیدرآباد، ہندوستان	جولائی ۲۰۰۹ء
۹۔	شمع حیات	ذاکر حسین دہلی کالج	ذاکر حسین دہلی کالج، دہلی یونی ورسٹی	۲۰۱۷ء
۱۰۔	فکر و تحقیق	ڈاکٹر محمد اکرام الدین	دہلی	جنوری تا فروری ۲۰۱۵ء
۱۱۔	نیاورق	ساجد رشید	ممبئی	۲۰۰۹ء

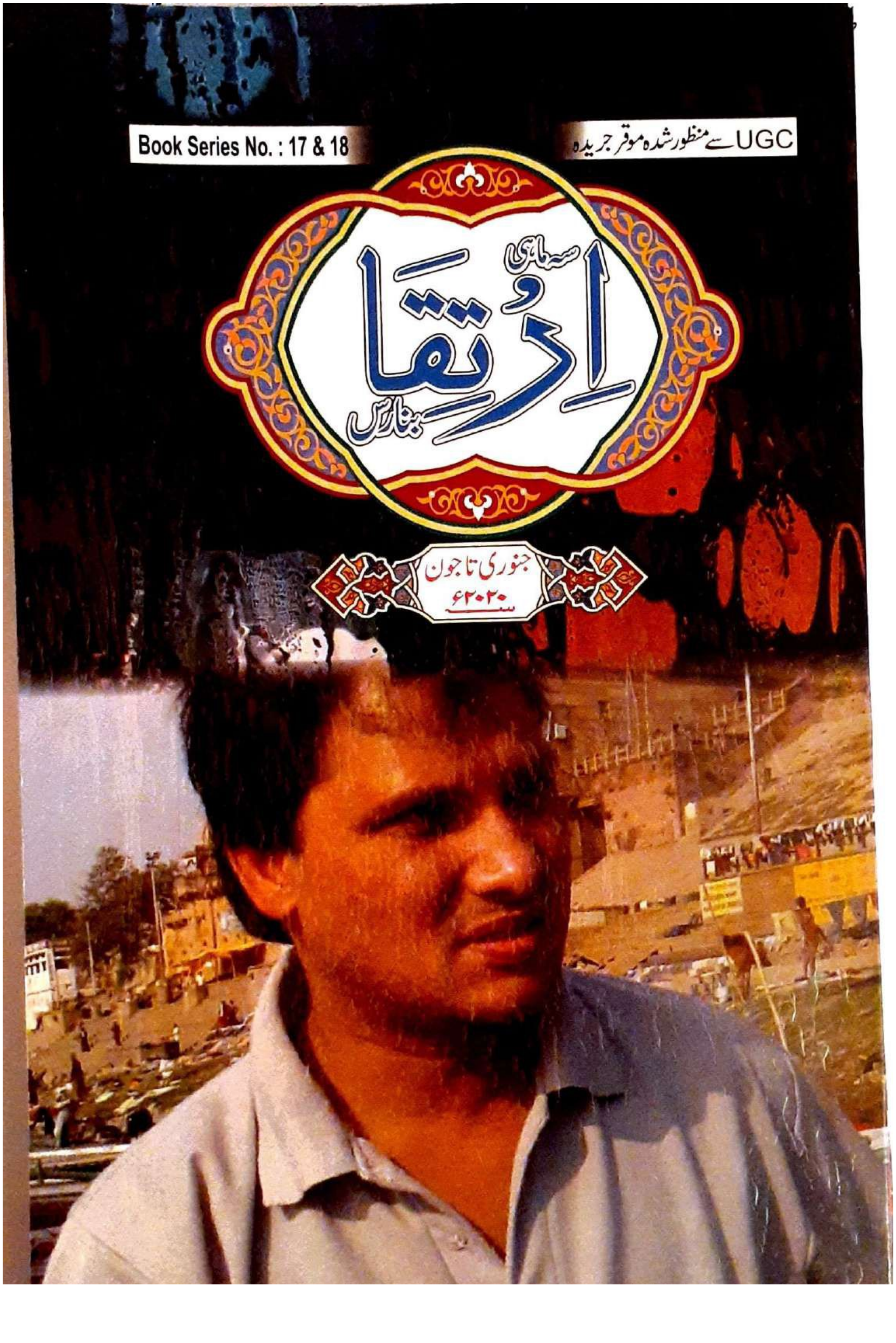
Book Series No. : 17 & 18
UGC سے منظور شدہ موقر جریدہ
سہ ماہی
ارتقا
بنارس
جنوری تا جون
۲۰۲۰ء

سہ ماہی ارتقا بنارس
ادبی وتہذیبی جریدہ

به یادگار: ڈاکٹر سلمان راغب

UGC سے منظور شدہ موقر جریدہ

مدیر : شاد عباسی

طابع وناشر : شاہ نواز

گوشۂ ڈاکٹر سلمان راغب

مجلس ادارت :

پروفیسر ظفر احمد صدیقی، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی، صدر شعبۂ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی
شمیم طارق، ممبئی، منفرد شاعر معزز صحافی
ڈاکٹر شہریار، مدیر (اردو)، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی
ڈاکٹر ثوبان سعید، شعبۂ اردو، خواجہ معین الدین چشتی اردو فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ

مجلس مشاورت :

تاج الدین اشعر رام نگری، سابق مدیر روز نامہ قومی مورچہ، بنارس
پروفیسر نسیم احمد، سابق صدر شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی
ڈاکٹر حسن عباس، ڈائریکٹر رضا لائبریری، رام پور
ڈاکٹر اے آر منظر، پروفیسر حیدر آباد سینٹرل یونیورسٹی

سرپرست :

الحاج سعید الرحمٰن صاحب، تاج اسٹیٹ، وارانسی
الحاج رشید احمد صاحب، ڈائریکٹر روز وُڈ اکیڈمی، وارانسی
الحاج ابو سعید صاحب سرپرست مدرسہ تعلیم القرآن، گوہاٹی، آسام
الحاج احمد بابو صاحب، ڈائریکٹر احد انٹر نیشنل اکیڈمی، وارانسی

قانونی مشیر :

ابوالکلام ایڈوکیٹ، بادشاہ باغ، وارانسی

● جلد: ۵ شمارہ: ۲،۱
● جنوری تا جون ۲۰۲۰ء

ISSN : 2456-0340
Title No. 1285609

اس شمارہ کی قیمت : ۷۵ روپے

سالانہ : ایک سو روپے
لائبریری کے لئے سالانہ چندہ 200.00
ڈاک خرچ اس کے علاوہ

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ :

ایڈیٹر سہ ماہی ارتقا مالتی باغ، پانڈے حویلی، وارانسی
0542-2455161, 9336928764, 9264929530
E-mail: irteqa16@gmail.com

منی آرڈر فارم پر اپنا نام، خریداری نمبر اور پتہ انگریزی میں صاف صاف اور پن کوڈ کے ساتھ لکھیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔
کسی بھی قسم کی چارہ جوئی صرف بنارس کی عدالت میں کی جاسکتی ہے۔

فہرست

اپنی بات	شاد عباسی	3
(۱) ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے	پروفیسر آفتاب احمد آفاقی	6
(۲) ڈاکٹر سلمان راغب کی یادیں	شمیم طارق	10
(۳) آہ سلمان، تم تو اک داغ بن گئے دل کا	تاج الدین اشعر رام نگری	14
(۴) تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خوبیاں باقی	ڈاکٹر قاسم انصاری	17
(۵) آہ سلمان راغب	مولانا عبدالباطن نعمانی	21
(۶) کتنا مشکل ہے الوداع کہنا	ایم اے فاروقی	24
(۷) ڈاکٹر سلمان راغب دوست بھی محسن بھی	ڈاکٹر ثوبان سعید	30
(۸) سلمان راغب، میرا بھائی	مولانا احسن جمیل	38
(۹) سلمان راغب، دل کے آئینے میں ہے تصویر یار	خلیق الزماں خلیق	41
(۱۰) ڈاکٹر سلمان راغب	نعمان حسن خاں	47
(۱۱) آہ ڈاکٹر سلمان راغب	مولانا عبدالغفار سلفی	50
(۱۲) یادیں یا آہیں	نسیم بن آسی	53
(۱۳) آہ سلمان بھائی رحمہ اللہ	مولانا زہیر عبدالرحمٰن رحمانی	57
(۱۴) ڈاکٹر سلمان راغب اور فرہنگ کلام مومن	تمنا شاہین	59
(۱۵) ادب نواز بھائی سلمان راغب	ڈاکٹر ظہیر محمد	66
(۱۶) اللہ نے مجھے دو سلمان دیے	ماسٹر اشفاق احمد، غازی پوری	68
(۱۷) یہ کیا ہو گیا؟	الحاج سید عالم حسین	72
(۱۸) ڈاکٹر سلمان راغب	ڈاکٹر اختر مسعود	74
(۱۹) یہ بزم زرنگار پہ افسردگی ہے کیوں	مولانا ظل الرحمٰن	76
(۲۰) کاش آج ہوتے آپ	ایڈوکیٹ ابوالکلام	79
(۲۱) بیاد ڈاکٹر سلمان راغب	عاکف حکمت	82
(۲۲) ادبیات و صحافت میں منفرد سلمان	آغا عمران شاہ	84
(۲۳) کیا لکھوں؟		

حصہ منظومات

(۱) تاثرات سلمان راغب کی بیماری سے موت تک	اشعر رام نگری	92
(۲) آہ سلمان راغب	طرب صدیقی	94
(۳) آہ ڈاکٹر سلمان راغب	عابد سلیم پوری	95
(۴) تاثرات	ظفر مرزا پوری	97
(۵) سلمان بھائی	ڈاکٹر بختیار نواز	100
(۶) جو یادوں میں ہے اب وہ سلمان راغب	خالد سعود	101
☆غم کا فکری سیاق اور زاہد اعظمی کا شعری رویہ	ڈاکٹر محمد جابر زماں	103
☆ سٹاک ہوم، رسم ورواج اور طرز زندگی	فارقلیط عشرت	121
☆نظم	ڈاکٹر رؤف خیر	127
☆ ڈاکٹر مہیندر کمار اگروال آئینۂ غزل میں	پروفیسر معین الدین شاہین	128
☆غزل	خالد جمال	132
☆ منور رانا کی شاعری میں ماں کا تقدس	ڈاکٹر عتیق اجمل وزیر	133
☆ جینت پرمار کی غزل گوئی	سری سین کمار بھارتی	138
☆ عصرِ حاضر میں اردو تحقیق وسائل ومسائل	عبدالحلیم انصاری، محمد حلیم	148
☆خبریں		156

اپنی بات

ارتقا کے گزشتہ دو شماروں جنوری تا جون ۲۰۱۸ء 'شمیم طارق' نمبر اور 'صبح بنارس اور بنارس کے پانچ شعرا' ۲۰۱۹ء کے خصوصی نمبر کی طرح یہ شمارہ بھی جنوری تا جون ۲۰۲۰ء کا خصوصی نمبر جس میں سلمان راغب (مرحوم) کے نام سے ایک گوشہ آخر میں رکھا گیا ہے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

چھ مہینوں کی ان تاریخوں کے درمیان ہندوؤں کا ہولی کا تہوار خوشیوں کے رنگ بکھیرتا گزر چکا ہے اور مسلمانوں کا عالمی تہوار عید بھی اپنی خوشیاں لٹانے کے لئے دل کے دروازوں پر دستک دے رہی ہوگی، ان کے علاوہ اور بھی نہ جانے کتنے مواقع خوشیوں کے پھول بکھراتے ہوئے آئندہ سال کا آسرا دے کر گزر چکے ہوں گے لیکن اسی درمیان غم کا کوئی ایسا حادثہ رونما ہو جاتا ہے تو وہ غم کا دن خاص طور سے خوشیوں کے ہجوم میں مجسم غم بن کر سامنے آجاتا ہے

جینت پرمار کی غزل گوئی (ایک مطالعہ)

سری سین کمار بھارتی

غزل ہر دور میں شعراء کی پسندیدہ صنف رہی ہے۔ غزل نے زمانے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو ڈھالا ہے۔ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اس صنف کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ آزادی کے بعد غزل کے موضوعات میں تبدیلی آتی گئی۔ شعراء نے غزل میں نئے نئے موضوع کو شامل کیا۔ جدید شعراء نے غزل میں نئی لفظیات کو پیش کیا۔ صرف مسلم شعراء ہی نہیں بلکہ کئی غیر مسلم شعراء نے بھی میدان غزل میں طبع آزمائی کی۔ 1990ء کے بعد ایک شاعر اردو شاعری میں منظر عام پر آیا۔ جسے دنیائے شعروادب جینت پرمار کے نام سے جانتا ہے۔ یوں تو جینت پرمار بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں اور دلت شاعر کی حیثیت سے اردو میں اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ لیکن انہوں نے غزلیں بھی کہی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ناقدین نے ان کی غزلوں سے متعلق بہت کم لکھا ہے۔ نظم کے مقابلے میں جینت پرمار نے غزلیں بہت کم کہی ہیں۔ جینت پرمار کے اب تک سات مجموعۂ کلام شائع ہو چکے ہیں جن میں ''اور'' 1999ء، ''پنسل اور دوسری نظمیں'' 2006ء، ''مانند'' 2007ء، ''انتر ال'' 2010ء، ''نظم یعنی'' 2013ء، ''جیا کو میتی کے سپنے'' 2016ء اور ''نقطہ اور دوسری نظمیں'' 2019ء شامل ہیں۔ ان کے شعری مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں'' کو ساہتیہ اکادمی، دہلی سے 2008ء میں ایوارڈ سے نوازا گیا۔ علاوہ ازیں بھاشا بھارتیہ سمان 2006ء، گجرات اردو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ 2001ء، 2006ء، 2008ء، کمار پاشی ایوارڈ 2001ء، بھارتی دلت ساہتیہ اکادمی ایوارڈ 2002ء، اور حال ہی میں ڈاکٹر بی۔ آر امبیڈکر جیون گئورو ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔

جینت پرمار 11 راکتوبر1954ءکو گجرات کے شہر احمد آباد کے قصبہ شاہ پور کے ایک دلت مل مزدور کے گھر پیدا ہوئے۔ چونکہ ان کے ماں باپ پڑھے لکھے نہیں تھے اس لیے گھریلو ماحول بھی تعلیم وتعلم سے عاری تھا۔انہوں نے محض اپنی محنت لگن اور جستجو سے تعلیم حاصل کی پھر شاعری کے شوق نے انہیں اردو زبان وادب کی طرف راغب کیا تو اردو زبان بھی انہوں نے دلچسپی سے سیکھی اوراس زبان میں شاعری کرنے لگے۔ابتداء میں انہوں نے غزلیں کہیں۔پھرنظم نگاری کی طرف راغب ہوئے۔انہوں نے'' کالی غزل'' کے نام سے ایک غزل احمد آباد کے نام لکھی ہے جس میں انہوں نے سنہ ۲۰۰۲ میں ہونے والے فسادات کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح شہروں میں فسادات کے موقع پر سڑکوں پر لاشیں دکھائی دیتی ہیں۔غزل کے تین اشعار ملاحظہ ہوں

بری طرح سے سڑی ہوئی ہے
یہ لاش تو کس شہر کی ہے

نہ اس طرف سے کبھی گزرنا !
گلی میں افواہ جاگتی ہے

ذرا ٹھہر اس کو کاندھا دے دوں
یہ لاش۔تو۔میرے شہر کی ہے

ماہنامہ'' آج کل'' اپریل2009ء کے شمارہ میں جینت پرمار کا انٹرویواوران کا منتخب کلام شائع ہوا۔جس میں مندرجہ بالاغزل بھی شامل ہے۔اسی انتخاب میں شامل ایک اورغزل ہے جس کے مطلع میں جینت پرمار بے حس اور خودغرض سماج کا نقشہ مناظرِ فطرت کے حوالے سے کھینچتے ہیں۔

پو پھٹی دھوپ کا دریا نکلا
راستہ آنکھ جھپکتا نکلا

مذکورہ غزل کے ایک اور شعر میں شاعر نے ''اسم محمد'' کو لے کر شعر کہا ہے۔ اسم محمد سے پیغمبر محمد ﷺ کا نام مراد ہے۔ شاعر نے محمد ﷺ کی عظمت کو اس شعر میں بیان کیا ہے۔ یہ بہت عمدہ شعر ہے۔ شعر ملاحظہ کیجئے۔

ہونٹ پر اسم محمدؐ بن کر
خانۂ دل سے اجالا نکلا

یوں تو جینت پرمار اپنی غزلوں کے مقابلے نظموں کو زیادہ ترجیح دی ہے لیکن ان کی غزلیں کم ہونے کے باوجود بھی اپنا ایک اثر رکھتی ہیں انہوں نے غزلوں میں معیاری زبان کا استعمال کیا ہے۔ کہیں کہیں فارسی آمیز لفظیات بھی ان کی غزلوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کا انداز تکلم بڑا شائستہ ہے۔ نغمہ صدیقی اورنگ آبادی لکھتی ہیں:

''ان کے قلم سے لکھا ہوا ہر وہ حرف شیریں و نغمگی لہجہ کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری کچھ اور نہیں بلکہ ان کی ذاتی محبت کا یقین و ایمان ہے جو چہار سو آج اپنے زندہ و تابندہ ہونے کے امکان سے قریب قریب ہیں۔'' [۱]

جینت پرمار نہ صرف ایک شاعر ہیں بلکہ وہ ایک عمدہ مصور بھی ہیں ان کی غزلوں میں ان کی مصوری کی جھلک صاف طور پر نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلیں خوبصورت پیکروں اور رنگ و نور کا مرقع ہیں۔ شاید اسی لیے گوپی چند نارنگ نے لکھا ہے:

''جینت پرمار کی تخصیص یہ ہے کہ وہ اردو کے ایسے اکلوتے شاعر ہیں جن کے شعری عمل میں آرٹ کا تخلیقی عمل رواں دواں ہے۔'' [۲]

مثال کے طور پر ان اشعار کو دیکھئے۔

ابھی تک آنکھ کی کھڑکی کھلی ہے
کوئی کمرے کے اندر جاگتا ہے

چمکتی دھوپ کا بے رنگ ٹکڑا
اکیلا پربتوں پر گھومتا ہے
گھنے جنگل سے لے کر گھاٹیوں تک
ہوا کا ٹیڑھا میڑھا راستہ ہے

گلی کے موڑ پر تاریک کمرا
ہماری آہٹیں پہچانتا ہے

ان اشعار میں شاعر نے ایک خوبصورت امیج بنائی ہے۔ان میں رنگ بھی نظر آتا ہے، پینٹنگ بھی نظر آتی ہے، رومانس بھی نظر آتا ہے، شعر بھی سنائی دیتا ہے اور لے بھی سنائی دیتی ہے۔جینت پرمار پیکر بنانا خوب جانتے ہیں۔ایک شعر دیکھئے۔

دھوپ چڑیا چہچہا اٹھے گی پھر
پیکرِ شب پارہ پارہ دیکھنا

اس شعر میں جینت پرمار دھوپ کی چڑیا لکھنے کے بجائے صرف دھوپ چڑیا لکھے ہیں۔اسی طرح ایک اور شعر میں دیکھیں لفظوں کا کتنے شاندار طریقے سے استعمال کیے ہیں۔

ریت ہوئے چلتے چلتے
سوچا تھا گھر آئے گا

جینت پرمار اس شعر میں ریت کی جگہ خاک بھی لکھ سکتے تھے لیکن خاک ہونے میں جو استعارہ بنتا ہے۔اس میں جسم میں بھی بنتا ہے اور موت کا بھی اشارہ ہوتا ہے اور اشارے جو خاک سے نکل سکتے ہیں۔لیکن جینت پرمار وہاں خاک لکھے نہیں ریت لکھے ہیں۔اور ریت سب سے نکارہ چیز ہے۔اسی غزل کا ایک اور شعر دیکھئے۔

مٹی کا تن ہے اپنا
آگے سمندر آئے گا

یہاں جینت پرمار خوب جانتے ہیں کہ ریت کہاں لکھنی ہے کہاں مٹی لکھنی ہے خاک کہاں لکھنی ہے اور خاک کے کیا کیا Dimension ہوتے ہیں مٹی کے کیا ہوں گے اور ریت کے کیا کیا ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جینت کو مصوری کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ پھر بعد میں شاعری کا شوق چرایا تو ان کی نظر مظلوم سماج پر پڑی اور انہوں نے سماج میں پھیلی غیر برابری کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔ ایک حساس انسان جب اپنی سطح سے اتر کر ایک عام انسان کی طرح سرل ہوجاتا ہے تو اس کے اندر شاعری جنم لیتی ہے۔ جینت پرمار کی شاعری عہد حاضر کا منظرنامہ ہے۔ امتیاز احمد ان کی شاعری کے متعلق رقمطراز ہیں۔

''اردو شاعری کے موجودہ منظر نامے پر جینت پرمار کی شاعری اپنی ایک الگ شناخت رکھتی ہے اور یہ شناخت رائج شعری تصورات سے مختلف ہے۔ اس میں دکھ درد کی جولہر ہے وہ میرؔ کی شاعری کی طرح ہڈی میں چھید کرنے والی بھلے ہی نہ ہو لیکن دکھ درد کا ذاتی تجربہ ضرور ملتا ہے۔'' ۳

جینت پرمار نے غزل کو اپنے اظہار کا وسیلہ نہیں بنایا کیونکہ ان کے دل میں جو درد پنہا ہے اس کے بیان کے لئے انہیں غزل کا دامن تنگ معلوم ہوا اسی سبب انہوں نے نظموں کا سہارا لیا۔ لیکن غزلوں میں ان کی لفظیات بڑی اچھی رہی ہیں۔ انہوں نے غزل کے معیار کو ملحوظ رکھا ہے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

نہ جانے کون سی بستی میں چاند ٹھہرا ہے
سیاہ رات کا دریا ہے میرے حصے میں

مرا جسم خوشبو کا جنگل لگے
مجھے کوئی شاخِ صبا چھوگئی

دل سوچتا ہے یہ بھی نیا حادثہ نہ ہو
بچھڑے تھے ہم جہاں سے اسی موڑ پر ملے

جینت پرمار کی شاعری علاقائی سطح تک محدود نہیں بلکہ ان کی شاعری کے شغل نے ہندوستانی تہذیب وثقافت کی قدروں کے نت نئے موضوع کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے جینت پرمار کی پہچان آج ملک بھر میں بن گئی ہے یہ اور بات ہے کہ بحیثیت غزل گو ان کا مرتبہ اتنا بلند نہیں جتنا کہ بحیثیت نظم نگار رہا ہے۔ ان کی زیادہ تر غزلیں جدید طرز اظہار کی نمائندگی کرتی ہیں۔ بعض غزلوں میں رومانی عنصر بھی مل جاتا ہے۔

لمس میں جانے کیسا جادو تھا
جسم کی شاخ کر گیا وہ ہری

جینت پرمار کی غزلوں نے اردو شاعری میں منفرد لب ولہجہ اور وہ روایتی انداز چنا جو نمونہ فن کار بن کر سنہری لفظوں میں اپنا منفرد مقام بناتا ہے۔ شعری مجموعہ ''مانند'' کے ایک غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

نہ دے سکوں گا تجھے لمحہ سکون کبھی
گلِ عذاب کا سایہ ہے میرے حصے میں

یہ پوری غزل پانچ شعر کی غزل ہے اس میں ہر بار دوسرا مصرعہ یہ آتا ہے ''گلِ عذاب کا سایہ ہے میرے حصے میں'' یہ شعر کہیں ترقی پسندی کی یاد دلاتا ہے۔ جینت پرمار سے پہلے اسی بات کو فیض کچھ اس طرح کہے ہیں۔

مجھ سے پہلی سی محبت میری محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت میری محبوب نہ مانگ

مذکورہ بالا جینت پرمار کا یہ شعر اردو شاعری کے روایتی رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا تجربہ ان کے شعری مجموعہ ''انتر ال'' میں شامل ایک غزل کے مطلع میں بھی نظر آتا ہے۔ غزل ملاحظہ ہوں۔

موج مچھلی سیپ سورج ناریل
حیرتوں سے دیکھتے ہیں سبز پل

موج مچھلی سیپ سورج ناریل
آمری جاں ریشمی سانسوں میں ڈھل

موج مچھلی سیپ سورج ناریل
آج کے دن اور یہ سب دیکھ چل

موج مچھلی سیپ سورج ناریل
جسم کی دیوار سے باہر نکل

موج مچھلی سیپ سورج ناریل
آج ہوگی ایک، اچھی سی غزل

مذکورہ بالا غزل پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں مطلع کے شعر کے مصرع اول کو بار بار دہرا کر جینت پرمار نے اپنی شاعرانہ انفرادیت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

جینت پرمار کے ہر شعری مجموعوں میں زیادہ تر نظمیں ہی شامل ہیں چند غزلیں اور کچھ دوہے نظر آتے ہیں جسے ہم مجموعی طور پر ان کی دس فیصدی شاعری کا حصہ کہہ سکتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں بعض جگہ دقیق الفاظ بھی ملتے ہیں۔ ان کے شعری مجموعہ ''مانند'' کے صفحہ نمبر 102 پر

تحریر کردہ غزل دل کو چھو لینے والی ہے۔جس میں ردیف وقوافی کا استعمال بھی شاعر نے خوب کیا ہے۔مطلع میں شاعر کہہ رہا ہے کہ یہاں ایک نیم کا درخت تھا جواب نہیں ہے اور محلے میں پریوں کا گھر بھی تھا دوسرے شعر میں شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ شاعری کتنی مشکل سے تخلیق کی جاتی ہے وہ کاغذ پہ صرف لفظ ہی نہیں ہوتے بلکہ شاعر کا خونِ جگر بھی اس میں شامل ہوتا ہے۔اس غزل کے دو شعر ملاحظہ ہو۔

یہاں نیم کا اک شجر بھی تو تھا
محلے میں پریوں کا گھر بھی تو تھا

جسے شعر کہتے رہے ہم سدا
وہ کاغذ پہ خونِ جگر بھی تو تھا

جینت پرمار اگر اپنی غزلوں پر ترجیح دیتے تو ضرور وہ ایک بہترین غزل گو شاعر بن سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے دلت نظریات کو پیش کرنے کیلئے نظم کا سہارا لیا۔ان کی غزلوں کے متعلق اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان کی غزلوں میں مروجہ لفظیات کے علاوہ نئی لفظیات بھی ملتی ہیں کہیں کہیں صنعت تکرار کا استعمال بھی شاعر نے کیا ہے اس ضمن میں چند اشعار پیش ہیں۔

وہ نیک نام جسے آج تک میں پڑھ نہ سکا
وہ حرف مہکتا ہے میرے حصے میں

اسی راستے میں کڑی دھوپ ہے
اسی راستے میں صنوبر بھی ہے

لفظ لفظ معنی دے
پھر نئی کہانی دے

ان کی غزلوں کا اسلوب شائستہ ہے۔ان کی سنجیدہ اور سادگی پسند شخصیت ان کی غزلوں

میں بھی نمایاں ہے۔ ایک غیر اردو داں ہونے کے باوجود بھی جینت پرمار نے جتنی بھی غزلیں کہی ہیں وہ یقیناً قابل ستائش ہیں۔ ان کے یہاں چھوٹی بحر میں بھی غزلیں ملتی ہیں اور بڑی بحر میں بھی، ان کی غزلیں جدید غزل کے انتخاب میں شمار کی جاسکتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

آگ اک جسم کے شجر میں تھی
خواہشوں کی ہوا سفر میں تھی

ہر طرف اک عجیب منظر تھا
اک گھٹن آسمان بھر میں تھی

سروں میں سر پھری وحشی ہوا ہے
نہ جانے شہر کو کیا ہو گیا ہے

نکل بھاگے تو ہیں اک دائرے سے
مگر آگے نیا پھر دائرہ ہے

دیکھا جائے تو ان کی شاعری کے موضوع دلت مسائل، حسن فطرت، سماجی سیاسی و معاشی مسائل کے ساتھ ساتھ وہ تمام مصلحین، فلسفی، صوفیاء، نقاد، شعرا و ادباء، موسیقار کار اور مصور بھی ہیں، جن کی دانشوری کی آفاقیت جاوداں ہے۔ مثلاً امیر خسرو، ولی، غالب، اوکتا دیو پاز، وان گاگ، امبیڈکر، ٹیگور، گوگیں، کمار پاشی، ندا فاضلی، محمد علوی، وارث علوی، ریاض لطیف، شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ وغیرہ۔ مجموعہ ''پنسل اور دوسری نظمیں'' میں رقم کردہ غزل انہوں نے مرزا اسداللہ خاں غالب کی نذر کی ہے۔

تند شعلے مری لحد میں تھے
طوق و تعویذ بھی سینے میں تھے

دل نے چاہا چھپا لوں آنکھوں میں
وہ ستارے جو دل کے حد میں تھے

اک جنوں سر پسند تھا گویا
کچھ شفق حوصلے شبد میں تھے

جب میں پڑھتا ہوں تازہ لگتے ہیں
رنگ کیا کیا میاں اسدؔ میں تھے

☆☆☆

حوالے :

۱۔ نغمہ صدیقی ''اردو کا عاشق زاد: جبینت پرمار''، مضمون مطبوعہ رسالہ ''زرین شعاعیں''، بنگلور، شمارہ ۱۱، نومبر ۲۰۱۲، ص ۴۲

۲۔ ''شعر و حکمت''، حیدرآباد، جولائی ۲۰۰۹ء، جلد اول، ص ۴۵۶

۳۔ آفاقی عالم صدیقی ''نئی غزل کے چند اہم غیر مسلم شعرا''، مضمون مطبوعہ رسالہ ''ہندستانی زبان''، ممبئی، جلائی۔ستمبر ۲۰۱۷ء، ص ۵۹

ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
گچی باؤلی، حیدرآباد، تلنگانہ ۔ 500046
ای میل: srisenkumar786@gmail.com
فون: 9505398429

(گوشۂ ڈاکٹر نخشب مسعود)

ISSN 2320-6519
U.G.C. Approved No.42266.

سرزمین ولی اورنگ آبادی (دکن) سے
جاری ہونے والا معیاری رسالہ

QUARTERLY (URDU)
AKS-E-ADAB
AURANGABAD

(سہ ماہی)
عکس ادب (اُردو)
اورنگ آباد

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۲۰ء

قارئین کی نیک تمناؤں کے ساتھ
تیتسواں شمارہ جلد (۹)

غم ٹپکنے لگا ہے لفظوں سے
دردِ کیسے بیاں کرے کوئی
ڈاکٹر نخشب مسعود

سہ ماہی اورنگ آباد

عکسِ ادب

جلد(۹) شمارہ(۳۳) اکتوبر تا دسمبر ۲۰۲۰ء

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر یوسف صابرؔ (ڈاکٹر خان یوسف خان جبار) 09326772575
معاون مدیر: شرجیل احمد خاں موبائل : 09595686784
اعزازی مدیر: ڈاکٹر منتخب مسعود موبائل : 09372012930
مینیجنگ ڈائریکٹر: سید فرزانہ نسیم موبائل: 09766597904

سرپرست
☆ ڈاکٹر عبدالکریم سالار (جلگاؤں)
☆ نور خاں (جالنہ)

مجلس مشاورت
- علامہ ناوک حمزہ پوری (حمزہ پور)
- علیم صبا نویدی (چنئی)
- مناظر عاشق ہرگانوی (بھکن پور)
- معصوم شرقی (کولکتہ)
- شفیع احمد شفیع (پربھنی)
- ڈاکٹر ڈرانی ایس۔ایم (ناندیڑ)
- مبین نذیر (مالیگاؤں)

مجلس ادارت
☆ ڈاکٹر عقیلہ سید غوث ☆ سید مسعود احمد قیصرؔ
☆ ڈاکٹر عابد حسین محمد صادق ☆ وجاہت قریشی
☆ طاہر حسین طاہرؔ ☆ مقصود اشرف جالنوی
☆ حبیب النساء ☆ ڈاکٹر سلیم نواز حسرتؔ
☆ ڈاکٹر ارشاد احمد خان ☆ ابراہیم خان

جو کسی خواب نے دیکھا نہ تصور نے کہیں
بات تو جب ہے کہ انسان وہاں تک پہنچے
(ڈاکٹر یوسف صابرؔ)

شمارہ کی قیمت	:	۵۰/روپے
زرسالانہ (بدست)	:	۲۰۰/روپے
زرسالانہ (بذریعہ پوسٹ)	:	۲۵۰/روپے
لائبریری کے لئے	:	۲۵۰/روپے
رجسٹرڈ پوسٹ	:	۳۰۰/روپے
تاحیات خریداری (بھارت)	:	۳۰۰۰/روپے
بیرونی ممالک	:	۱۰۰۰۰/تا ۱۵۰۰۰/روپے

سرکولیشن منیجر : تنزیل احمد خان (Mob. 09284747707)

خریداری اور اشتہار کے لئے منی آرڈر، چیک اس نام سے بھیجیں:
Yousuf Khan Jabbar Khan
Bank of Maharashtra
S/Ac/ No. 60021185230
IFSC code MAHB 0000278
SBI
S/Ac/ No.SB 52068629025
IFSC code SBIN 0020786

مقام اشاعت/ترسیل زر/مضامین/تخلیقات سے متعلق خط و کتاب کا پتہ
Yousuf Khan Jabbar Khan
Editor : Aks-e-Adab *(Quarterly)*
Green Velly, Near Kohinoor Lawns,
Ruby Building No.4, B-Wing, Flat No.B-5,
Rauza Baugh, Aurangabad(MS) 431001
Mobile : 09326772575
email : akseadab@gmail.com

طباعت
سویرا آفسیٹ،
بھڑکل گیٹ، ضلع اورنگ آباد (مہاراشٹر) 431001

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
"عکس ادب" سے متعلق کوئی بھی قانونی چارہ جوئی اورنگ آباد کی عدالت میں ہوگی۔

☆ترتیب وتزئین☆

☆اداریہ	ڈاکٹر یوسف صابرؔ	۳
☆دینی معلومات	ڈاکٹر ایم۔ایم۔شیخ ،سیدہ فرزانہ نسیم	۴
☆عکسِ ایماں (حمد و نعت)	کیفی بلگرامی، چشتی سلیم ،سیدرؤ ف قاضی انصار، ڈاکٹر شاداب ذکی، ڈاکٹر خلیل صدیقی	۵
☆مغزِ ادب	● ڈاکٹر یوسف صابرؔ	۶
☆مضامین (تحقیق وتنقید)		
● پانچواں درویش: مظفر حنفی	ڈاکٹر صفدر	۷
● ڈاکٹر معصوم شرقی اپنی تحقیق........	محمد احمد دانش	۹
● عہد حاضر میں ولی دکنی کی معنویت.......	ڈاکٹر شیخ ساجدہ	۱۰
● نورالحسنین بحیثیت افسانہ نگار	ایس۔ سمترا انوگھرے	۱۱
● ایک وضعدار روایتی شاعر.........	ڈاکٹر ارشاد احمد خان	۱۳
● حرفِ معطر پر ایک سرسری نظر	ڈاکٹر یوسف صابرؔ	۱۵
● وحدت الوجود اور وحدالشہود	عبدالقدیر خان کیفی	۱۶
● مرزا دبیر اور اردو مرثیہ نگاری	ڈاکٹر تنویر احمد	۱۷
● بھینت پر ماری نظموں میں دلت......	سری سین کمار	۱۸
● فکشن، سمت اور رفتار.....	ڈاکٹر انصاری فہمیدہ	۲۰
● مولانا جلال الدین رومی کا فن......	ڈاکٹر ساجد انصاری	۲۳
● ڈاکٹر یوسف صابرؔ کی خاکہ نگاری	ڈاکٹر عبدالرب	۲۶
● برف، شگوفوں اور جہلم کا شاعر.......	ڈاکٹر محی الدین زور	۲۷
● اردو ناول اور تانیثیت	محمد اکرام الحق	۲۹
● محسن اردو محمد عبدالرشید انجینئر	انصاری محمد عبدالرحیم	۳۰
● ڈاکٹر اقبال برکی بحیثیت ادیب اطفال	مبین احمد	۳۱
● حق کی راہوں کا شاعر......	اختر صادق	۳۳
● علی جواد زیدی کی حیات، شخصیت اور شاعری	خان عبدالصمد ضلعدار	۵۷
☆خصوصی گوشہ (اس شمارے کی شخصیت): ڈاکٹر منتخب مسعود		۳۵تا۴۴/اور ۵۰رو۶۱

☆قلمی تعاون: ● ڈاکٹر عظیم راہیؔ ● طاہر انجم ● ابن ادم ● ڈاکٹر الیاس صدیقی ● نورالحسنین ● ڈاکٹر عبدالعزیز عرفان
● پروفیسر ڈاکٹر انسانؔ ● عارف خورشید ● امان افسرؔ

☆افسانوی ادب:		
● افسانہ: بیچ بھنور ندیا گہری	نورالحسنین	۳۵
● افسانہ: ایک عید ایسی بھی	تبسم پروین	۴۹
☆تعارف وتبصرے: ● ڈاکٹر یوسف صابرؔ ● ڈاکٹر منتخب مسعود ● مرزا عبدالقیوم ندوی		۵۱
☆اخبار عکس ادب		۵۳
☆خلوصِ عکس ادب: (منتخب خطوط)		۵۵

● انصار احمد معروفی ● ایم۔این۔عبداللہ پاشاہ ● ڈاکٹر صفدر ● تبسم پروین ● عطاءاللہ شاہ

☆شاعری: ● طاہر حسین طاہرؔ ● سعید رحمانی ● ضررؔ و صفی ● علیم صبا نویدی ● شاہ حسین نہری ● ڈاکٹر مختارؔ ۵۸
● ڈاکٹر یوسف صابرؔ ● بلال انورؔ ● سردار آصف ● ارشد مینا نگری ● سید مظہرؔ ● م۔ش۔نجمی ● انصاری جاوید ● سیما شکور
● جاوید ناصرؔ ● مدہوش بلگرامی ● بشارت علی خان اخترؔ ● ڈاکٹر خلیل صدیقی قاضی ● پریم ناتھ بسملؔ ● ڈسیہ شیخ میناؔ
● سید ضمیر افسرؔ ● خلیق الزماں نصرتؔ ● حافظ کرناٹکی ● محمد موسیٰ ● بشر نوازؔ ● اظہر نیرؔ ● ڈاکٹر عقیلہ ● بی۔ایس۔جین جوہرؔ ● ارشد صدیقی ● سراجؔ اورنگ آبادی ● ولی اورنگ آبادی ● جواد شیخ ● خضر احمد خان شررؔ ● فاروق شمیمؔ

لائف ممبران

● عتیقہ اطہر موسیٰ	(اورنگ آباد)
● قاضی خسرو	(اورنگ آباد)
● ڈاکٹر مسرت فردوس	(اورنگ آباد)
● ڈاکٹر کیرتی مالوے	(اورنگ آباد)
● انصاری ابرار احمد	(اورنگ آباد)
● مہر سلطانہ جبار قریشی	(اورنگ آباد)
● ڈاکٹر عبدالرب	(اورنگ آباد)
● سید وہاب الحق	(اورنگ آباد)
● محمد سعید احمد محمد سردار	(اورنگ آباد)
● ڈاکٹر فرحت نسرین	(اورنگ آباد)
● ڈاکٹر شرف النہار	(اورنگ آباد)
● ڈاکٹر معین فاطمہ	(اورنگ آباد)
● ڈاکٹر مخدوم فاروقی	(اورنگ آباد)
● مولانا آزاد کالج	(اورنگ آباد)
● شیخ شہلا سلطانہ	(اورنگ آباد)
● بربانی نیشنل اردو پرائمری اسکول	(اورنگ آباد)
● ڈاکٹر قاضی رضوانہ تبسم	(اورنگ آباد)
● اسماء روحی قادری	(اورنگ آباد)
● شیخ ظہور احمد	(اورنگ آباد)
● مبین نذیر	(مالیگاؤں)
● مقصود اشرف	(مالیگاؤں)
● ڈاکٹر شاد ایاز	(مالیگاؤں)
● ڈاکٹر شاداب روش	(مالیگاؤں)
● انصاری شفیق احمد محمد شعبان	(مالیگاؤں)
● سٹی کالج	(مالیگاؤں)
● خان عبدالغفار خان کالج	(پاتھری)
● عالیہ کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر)	(جالنہ)
● ڈاکٹر سلیم نواز جعفرآبادی	(جالنہ)
● سید غازی علی فاروق	(جالنہ)
● تحسین درانی	(جالنہ)
● عبدالوہاب (اسسٹنٹ پروفیسر)	(جالنہ)
● ڈاکٹر نسیم بیگم	(پربھنی)
● ڈاکٹر سلیم محی الدین	(پربھنی)
● خضر احمد خان شررؔ	(پربھنی)
● حبیب النساء	(پربھنی)
● ڈاکٹر قاضی کلیم	(پربھنی)
● ڈاکٹر شاہدہ درانی	(ناندیڑ)
● ڈاکٹر ارشاد احمد خان	(ناندیڑ)
● شیخ ہما کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر)	(ناندیڑ)
● اظہر احمد غلام یزدانی	(ناندیڑ)
● اختر صادق	(ناندیڑ)
● اختر جلیب	(ناندیڑ)
● ڈاکٹر کلیم	(پونہ)
● ڈاکٹر عنبر خاتون	(ہزاری باغ)
● ڈاکٹر فرحت حسین خوشدلؔ	(ہزاری باغ)
● رشید ضاربؔ	(حیدرآباد)
● ڈاکٹر عقیلہ سید غوث	(امبہ جوگائی)
● ڈاکٹر قمر النساء	(خلدآباد)
● ڈاکٹر مقبول احمد مقبول	(اودگیر)
● ڈاکٹر خالد مبشر	(دہلی)
● سید صبیح الدین	(بیدر)
● J.J.T. University	(راجستھان)
● ڈاکٹر سید اصفیا صدف سید ذکریا	(بیڑ)
● محبوب پاشا ہاشمی	(پنچنی)
● ڈاکٹر نکہت آراء	(شولاپور)
● شیخ ارم فاطمہ	(علگہ)

جینت پرمار کی نظموں میں دلت تصورات

• سری سین کمار بھارتی
ریسرچ اسکالر شعبہ اردو،
یونیورسٹی آف حیدرآباد
گچی باؤلی، حیدرآباد،
تلنگانہ ۔ 500046
فون:9505398429

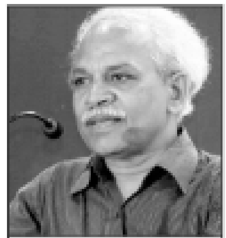

جینت پرمار

☆ خلاصہ (Abstract):
لفظ ''دلت'' سنسکرت زبان کا لفظ ہے جو لفظ ''دل'' سے مشتق ہے جس کے معنی روندا ہوا، کٹا ہوا، چیرا ہوا، ٹوٹا ہوا، لپٹا ہوا، بچھلا ہوا، مسلا ہوا، دبایا ہوا، کچلا ہوا، برباد کیا ہوا، پھاڑا ہوا اور بچھوڑا ہوا ہیں۔ ہندی لغت میں لفظ دلت کے معنی کچھ اس طرح دیئے ہوئے ہیں جس کا دلن یا استحصال ہوا ہو، روندا یا کچلا ہوا، بہت غریب، بھکاری، جو سماجی، مالی، تعلیمی اعتبار سے پیچھے رہ گیا ہو۔
دلت ادب سے مراد وہ ادب ہے جو دلتوں کے مسائل کو پیش کرتا ہے۔ دلت ادب کو مراٹھی زبان کے زیر اثر ہندوستان کی مختلف زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں فروغ ہوا۔ اردو میں اس کا عمدہ نمونہ جینت پرمار کی شاعری ہے۔ اردو میں دلت ادب کی شروعات ابھی مکمل طور سے نہیں ہوئی ہے۔ لیکن دلت طبقوں سے ہمدردی کا اظہار اردو ادب کے شعراء و ادیبوں کی تحریروں میں بھی ملتا ہے۔ جن میں علامہ اقبال، فیض احمد فیض، منشی جوالا پرشاد، پریم چند، علی عباس حسینی، فراق گورکھپوری، یعقوب راہی، چندر بھان خیال اور صادق نواب سحر بھی شامل ہیں۔ اس مقالے میں جینت پرمار کی نظموں میں دلت تصورات پیش کئے گئے ہیں۔

۱۹۸۰ء کے بعد اردو نظم میں کئی تبدیلیاں آتی گئیں۔ ۱۹۸۰ء کے بعد نئی نظمیں کہی جانے لگیں جیسے آزاد نظم، نثری نظم، ترائیلے، سانٹ وغیرہ۔ جمالیات و رومان کے نئے تلازمے نکالے گئے۔ اظہار کی سطح پر بھی دیکھیں تو غیر ضروری تجریدیت اور ابہام کی جگہ ابلاغ و ترسیل پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ روایت سے انحراف و انکار کے بجائے کلاسیک سے از سر نو استفادہ کرنے پر آمادگی ظاہر کی جانے لگی۔ ۸۰ء کے بعد نظم گو شعرا کی تعداد ۶۰ کے دہے کے مقابلے کم رہی۔ ۸۰ء کے بعد ابھرنے والے نظم گو شعراء میں حمید الماس، محمد علوی، زبیر رضوی، ندا فاضلی، ساجد حمید، خالد سعید، حامد اکمل، جبار جمیل، عنبر بہرائچی، شیدا رومانی، بلراج کومل اور جینت پرمار کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

جینت پرمار کا تعلق گجرات کے شہر احمد آباد سے ہے انہوں نے شاعری کا آغاز غزل سے کیا لیکن بہت جلد اپنا رجحان نظم نگاری کی طرف موڑ دیا۔ جینت پرمار کے متعلق قابل غور بات یہ ہے کہ ان کی مادری زبان گجراتی ہے۔ اردو انہوں نے بہت بعد میں سیکھی، اس کے باوجود انہوں نے اردو زبان میں غزلیں اور نظمیں کہنے میں کامیابی حاصل کی۔ بہت جلد جینت پرمار نے اردو نظم کی مختلف ہیئتوں اور اردو شاعری میں استعمال کی جانے والی علامتوں اور استعاروں سے واقفیت حاصل کر لی اور خالص نظمیہ شاعری کے ذریعہ ادبی حلقوں میں اپنی شناخت بنائی۔ ان کی نظموں کے متعلق کوثر مظہری لکھتے ہیں:

''ان کی تخلیقی حسیت کا اظہار بہ یک وقت برش اور رنگوں کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور صفحہ قرطاس پر قلم کے ذریعہ بھی۔ ان کی نظموں میں باپ، ماں، نانی اور ایسے ہی دوسرے رشتوں کا تقدس بھی ملتا ہے اور مذموم سیاست سے پیدا شدہ ہندستان کا کریہہ چہرہ بھی۔ دکھوں اور غموں کی جھیل میں وہ سنگ ریزے مار کر لہریں پیدا کرتے ہیں اور یہ لہریں انسانی دلوں کے ساحلوں کو چھوتی اور بھیدتی رہتی ہیں۔''[1]

جینت پرمار کی شاعری کا محور و مرکز دلت ادب رہا ہے۔ انہوں نے سماج اور زندگی سے جڑے مختلف موضوعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ علاوہ ازیں سیر و سیاحت کے مقامات پر بھی ان کے یہاں نظمیں ملتی ہیں جیسے 'اوٹی میں اک شام' 'کوسانی' 'کوسانی ۲' 'کوسانی ۳' 'مرینا بیچ' 'مرینا بیچ پر ایک لڑکی' وغیرہ۔ جینت پرمار چوں کہ خود بھی دلت ہیں اور وہ بہتر طور پر جانتے ہیں کہ دلتوں کے مسائل کیا ہوتے ہیں اسی سبب انہوں نے اپنی نظموں میں دلتوں پر کیے جانے والے ظلم و ستم کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک حساس انسان جب اپنی سطح سے اتر کر ایک عام انسان کی طرح ہو جاتا ہے تو اس کے اندر شاعری جنم لیتی ہے۔ جینت پرمار کا پہلا شعری مجموعہ ''اور'' 1999ء میں منظر پر آیا۔ اس مجموعہ میں انکی وہ مخصوص نظمیں شامل ہیں جو انہوں نے دلت ادب کے لیے لکھی ہیں۔ ان کی اہم نظموں میں ''منو'' 'میری کویتا تیز نکیلا خنجر ہے' ''قلم نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا'' ''اپرا'' ''پینٹر اور پوسٹر'' ''کالا سورج'' ''گدڑی'' ''میری بستی میں اک شام'' وغیرہ خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی شاعری سے متعلق بال گنگادھر لکھتے ہیں:

'' دلت مسائل پر لکھی نظمیں محض کورے کاغذ کا پیٹ بھرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتیں اگر عملی زندگی میں ڈوب کر نہ لکھی گئی ہوتیں۔ جینت پرمار بحیثیت دلت ان سماجیاتی مسائل سے دو چار تھے اس لئے ان کا مشاہدہ کوری بحث ہے۔ چھوا چھوت کا درد جو ایک دلت سہتا ہے وہ کوئی اور نہیں محسوس کر سکتا۔ اس لئے ان کا درد اس بات کی مزید دلیل پیش کرتا ہے کہ دلتوں کا درد اس کا باغی لب و لہجہ جعلی نہیں ہے بلکہ ظلم و جبر کے پس منظر میں ایجاد و انتشار ہے جو دلتوں کے وقار کو ریزہ ریزہ کرتا ہے''[2]

صدیوں سے کیے جا رہے دلتوں کے ظلم و ستم کو جینت پرمار نے اپنی نظموں میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''منو اسمرتی'' اس نظریہ کے تحت برہمن یہ سمجھتے ہیں کہ وہ منہ سے پیدا ہوئے ہیں اور وہ سب ذاتوں سے پاک ہیں۔ اس طرح وہ دلتوں کو حقیر سمجھتے آئے ہیں۔ جینت پرمار کی نظم ''منو'' برہمنوادی نظام کی سخت مخالفت کرتی ہے۔ نظم کے چند سطر ملاحظہ ہو۔

ایک نہ اک دن
گھر کے آگے
نیم کے شاخ پہ
ننگا کر کے
لٹکا دوں گا تجھ کو منو!
تیری رگوں کو چیر پھاڑ کے دیکھوں گا
تو نے پیا ہے کتنا لہو
میرے بزرگوں کا!

جینت پرمار کی نظمیں دلتوں کو صرف تسلی ہی نہیں دیتی بلکہ دوش بدوش ہو کر لڑنے کے لیے بھی آمادہ کرتی ہیں۔ عدم مساوات کا خاتمہ کرنا چاہتی ہیں۔ سماج میں دلتوں کو ان کا مقام دلانے کے لیے جینت پرمار

نے بھر پور کوشش کی ہے ۔ چھوا چھوت کا معاملہ ہندوستان میں برسوں سے چلا آرہا ہے اس کے خاتمہ کے لیے بھی تنظیموں نے اپنے اپنے طور پر کوشش کی، یہی کوشش شاعری کے ذریعہ جینت پرمار کر رہے ہیں۔ جینت پرمار نے ایک نظم میں چھوا چھوت کا تذکرہ بڑے پُراثر انداز میں کیا ہے نظم کا عنوان ''اچھوت'' ہے شاعر اعلیٰ ذات کی لڑکی سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے۔

''تم مجھ کو چھوتی ہو جانم
تن پہ گنگا جل چھڑک کر
خود پوتر ہوتی ہو
لیکن دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں
جو پوتر کر سکے مجھ کو!
میں تو پیدا ہی ہوا ہوں اپوتر
عمر بھر اپوتر رہوں گا
اور مر جاؤں گا آخر اپوتر

جنیت پرمار کی نظم ''میری بستی میں شام'' حقیقت کا رنگ اجاگر کرتی ہے۔

جینت پرمار نے اس نظم میں دلتوں کی بستیوں میں شام کی تصویر کشی کی ہے۔ شام کی خوبی سیاہی یا تاریکی ہے۔ دلت بستیاں اکثر جھگی جھوپڑیوں کی ہوتی ہیں، جہاں گندے نالے، یا کوڑے کرکٹ کا ڈھیر ہوتا ہے۔ دلتوں کی آبادی کا یہ علاقہ ان کی سماجی و اقتصادی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ دلت اکثر محنت مزدوری سے بیوی بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ امیروں کی شام رنگینوں سے آراستہ ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے کہ میری بستی کی شام روزمرہ کی طرح بدبو میں لپٹی، روکھی سوکھی کھانے ترپتی آہوں سے شروع ہوتی ہے جو شام غم کی سیاہی میں غرق ہو جاتی ہے۔ نالے ہوں یا گٹر دلت بستیوں میں بھوکے، ننگے بچے یا لوگ دیکھے جا سکتے ہیں۔ جینت پرمار کی شاعری سے متعلق بلراج کومل رقم طراز ہیں:

''اردو زبان کے تعلق سے کوئی ایسی تحریک بھی وجود میں نہیں آئی جسے دلت ادب کی تحریک کہا جا سکے۔ اردو زبان میں لکھنے والے کوئی ادیب بھی سامنے نہیں آئے جنہیں ہم دلت سروکاروں سے وابستہ قرار دے سکیں۔ اس پس منظر میں جینت پرمار غالباً اردو کے واحد شاعر ہیں (وہ گجراتی زبان میں بھی دلت ادب کے سروکاروں کا اظہار کرتے ہیں) جنہوں نے دلت سروکاروں کو اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا ہے۔ ان کی دلت سروکاروں سے جڑی ہوئی نظمیں اپنی مخصوص شناخت رکھتی ہیں۔ ان کی شاعری کا یہ پہلو انہیں عملی طور پر دیگر زبانوں کے دلت ادب سے جوڑتا ہے''۔ ۳

جینت پرمار کی نظموں کا موضوع صرف دلت ہی نہیں ہے۔ ان کے ہاں حسن فطرت، سماجی، سیاسی و معاشی مسائل کے ساتھ ساتھ وہ تمام مصلحین و فلسفی، صوفیا، نقاد، شعراء، ادباء اور مصور بھی ہیں۔ جن کی دانشوری کی آفاقیت جاوداں ہے۔ جیسے امیر خسروؔ، غالبؔ، ولیؔ، وان گاگ، گوگیں، پاز، نیم حنفی، محمد علوی، کمار پاشی، ندا فاضلی، شمس الرحمن فاروقی، گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر بی۔ آر امبیڈکر، ٹیگور، لکشمی مانے، اوکتاویو پاز۔ ایک نظم دیکھیں جس میں جینت پرمار میکسیکن شاعر اوکتاویو پاز کو کس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

''میں نے پاز کو دیکھا تھا
امیر خسروؔ کے مقبرے پر
شام کے پیلے سائے میں
سُر اور شبد کے گنبد نیچے
نظام الدین اولیا فقیر
امیر خسرو کے درمیاں
نظم کی محرابوں کے نیچے سویا ہوا''

جینت پرمار کی نظموں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی زبان عام فہم اور لہجہ سیدھا سادا ہے۔ انہوں نے قاری کو ابہام و تفہیم کی الجھنوں میں نہیں ڈالا اور نہ ہی فارسی آمیز الفاظ کو برتا ہے اسی سبب ان کا کلام قاری کے دل میں راست اترتا ہے۔ انہوں نے علامتوں اور استعاروں سے بھی کام لیا ہے کہیں کہیں دشنام طرازی بھی کی ہے جس کے سبب ان کی نظمیں رسائل کے مدیران نے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں۔ جینت پرمار زبان کی صفائی سے زیادہ اپنے مقصد پر توجہ دیتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا پیغام پورے سماج تک بہ آسانی پہنچے خصوصاً دلت سماج کو وہ راہ راست پر لانا چاہتے ہیں۔ وہ دلت سماج کو ان کا جائز مقام دلانا چاہتے ہیں۔ آج نہیں تو کل ان کی یہ کوشش ضرور کامیاب ہوگی اور دلتوں کی امیدوں کا سورج طلوع ہوگا۔

جدید نظم نگاری میں جینت پرمار نے اپنی منفرد شناخت بنائی ہے۔ ان کے جملہ سات شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں پہلا ''اور''1999ء دوسرا ''پنسل اور دوسری نظمیں ''2006، تیسرا ''مانند'' 2007 چوتھا ''اتنرال'' 2010 پانچواں ''نظم یعنی'' 2013 چھٹا ''جیا کومیتی کے سپنے''2016، اور ساتواں'' نقطہ اور دوسری نظمیں''2019ء میں منظر عام پر آچکے ہیں۔ جینت پرمار نے اپنی شناخت نظم گو شاعر کے طور قائم کر لی ہے۔ انہوں نے غزلیں بھی کہی ہیں لیکن ان کی نظمیں غزلوں پر غالب آتی ہیں ان کی ادبی خدمات کے صلے میں انھیں ''ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ'' بھاشا بھارتی سمان''، ''گجرات اردو ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ''، ''بھارتی دلت ساہتیہ اکادمی ایوارڈ'' کے علاوہ'' کمار پاشی ایوارڈ'' اور حال ہی میں انہیں'' ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر جیون گورو ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ جینت پرمار کا شعری سفر جاری ہے۔ ان کی پہچان ہندوستان تک محدود نہیں بلکہ پورے برصغیر کے ادبی حلقوں میں ہے۔

☆

حوالے

۱۔ مطبوعہ سہ ماہی رسالہ'' اذکار'' کرناٹک اردو اکاڈمی کا مجلہ' شمارہ ۲۲ جنوری۔مارچ ، ۲۰۱۳ء ص ۷۵۔۷۶

۲۔ رسالہ ''شمع حیات'' ذاکر حسین دہلی کالج دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۲۰۱۷۔۲۰۱۶ ص ۱۵۷۔۱۷۵

۳۔ ''شعر و حکمت'' حیدر آباد، جلد اول، جولائی ۲۰۰۹ء، ص ۴۴۹

☆☆☆

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

Maulana Azad National Urdu University

(A Central University established by an Act of Parliament in 1998)

Gachibowli , Hyderabad (T.S.) 500 032, Ph: 040 – 23006612,13,14, 15

(Accredited 'A' Grade by NAAC)

Certificate

This is to certify that smt/sri/Dr. SRISEN KUMAR BHARTI *has participated in the Two Day International Seminar on Hindi aur Urdu ki Saajhi Virasat held on 30-31 March, 2017 and chaired session/presented a paper entitled* "Gangajamuni Mushtarka tahzeeb ke Rabiya Nazeer Akabarabadi"

Dr.Karan Singh Utwal
Convenor

Dr.Shamshul Hoda
Co-convenor

Dr.Mohd.Khalid Mubashir-uz-Zafar
Director

Date : 31st March 2017

क़ौमी कौन्सिल बराए फ़रोग़-ए-उर्दू ज़बान, नई दिल्ली और
उर्दू विभाग, काशी हिन्दू विश्वविद्यालय
के संयुक्त तत्वावधान में
दो दिवसीय राष्ट्रीय संगोष्ठी

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی اور
شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی
کے ذریعے مشترکہ طور پر منعقدہ
دو روزہ **قومی سیمینار**

"نذیر بنارسی: حیات اور کارنامے"

दिनांक: 28,29 नवम्बर 2018 **"नज़ीर बनारसी: हयात और कारनामे"** بتاریخ ۲۸/۲۹ نومبر ۲۰۱۸ء

National Seminar on "Nazeer Banarasi: Life & Works

on 28th - 29th November 2018.

Certificate

This is certify that Prof./Dr./ Ms./Mr./Mrs/....Srisen Kumar Bharti....
...Research Scholar...has participated and presented his/ her paper/ delivered lecture entitled...Nazeer Ki Shayari me Qaumi Yakjahti... in the **Two-Day National Seminar on "Nazeer Banarasi: Life & Works"** and contributed towards the success of the seminar.

Organizing Secretary
Dr. Mosharraf Ali
Department of Urdu

Organized by: NCPUL, New Delhi & Department of Urdu, BHU

Convener
Dr. Aftab Ahemad Afaqui
Head, Department of Urdu

University of Hyderabad

(A Central University by an Act of the Parliament)

Department of Urdu School of Humanities

DECLARATION

I, **Srisen Kumar Bharti,** hereby declare that the research embodied in the present thesis entitled**“Jayenth Parmar Hayath Aur Fann”** submitted by me under the supervision of **Dr. Abdur Rab Manzar** is a bonafide research work for the award of **Doctor of Philosophy** in **Urdu** from the **University of Hyderabad**. I also declare to the best of my knowledge that it has not been submitted in part or full to this or any other university or institution for the award of any degree or diploma. I hereby declare that my thesis can be deposited in Shodganga/INFLIBNET.

Date:………………….. **Srisen Kumar Bharti**

Place: Hyderabad **Reg.No.15HUPH08**

University of Hyderabad

(A Central University by an Act of the Parliament)

Department of Urdu School of Humanities

CERTIFICATE

This is to certify that the thesis entitled **"Jayenth Parmar Hayath Aur Fann "** submitted by **Srisen Kumar Bharti** bearing Enrolment Number **15HUPH08** in partial fulfillment of the requirements for award of **Doctor of Philosophy** in the School of Humanities, Department of Urdu is bonafide work carried out by him under my supervision and guidance. The thesis is free from plagiarism and has not been submitted previously in part or full to this or any other university or institution for award of any degree or diploma.

Papers related to this thesis have been:

A. Published in the following publications.

1. Jayant Parmar Ki Ghazal Goyee in Irteqa, Volume: 05, Issue: 01,02, Pages:138-147, January to June -2020, (ISSN: 2456-0340)
2. Jayant Parmar Ki Nazmon Men Dalit Tasavvuraatin Aks-e-Adab, Volume: 09, Issue: 33, Pages:18-19, Quarterly,October to December-2020, (ISSN: 2320-6519)

B.Presented at the following Conferences.

1. Two- day International Seminar on, "Ganga Jamuni Mushtarka Tahzeeb Ke Rasia Nazeer Akabarabadi" 30-31 March 2017, Maulana Azad National Urdu University Hyderabad, T.S.India.
2. Two- day National Seminar on "Nazeer Banarasi: Hayaataur Karname" on 28th to 29th November 2018, at Dept. Of Urdu, Banaras Hindu University Varanasi, U.P

Further, the student was exempted from doing coursework (recommended by Doctoral Committee) on the basis of the following courses passed during his M.Phil. Programme and the M.Phil. Degree was awarded.

S.No.	Course Code	Course Title	Credits	Result
01	HU701	Research Methodology	5.00	Pass (A)
02	HU702	Practical Criticism	5.00	Pass (B+)
03	HU721	Textual Criticism	5.00	Pass (A)
04	UR780	Dissertation	15.00	Pass (A)

Supervisor **Head of the Department** **Dean School of Humanities**

JAYENTH PARMAR HAYATH AUR FANN

A Thesis Submitted to the University of Hyderabad in Partial Fulfilment of the Requirements for the Award of

DOCTOR OF PHILOSOPHY

IN

URDU

By

SRISEN KUMAR BHARTI

Enrolment No. 15HUPH08

Supervisor

DR.ABDUR RAB MANZAR

Associate Professor, Deptt. of Urdu
University of Hyderabad

DEPARTMENT OF URDU

SCHOOL OF HUMANITIES

University of Hyderabad, Gachibowli, Hyderabad, Telangana-500046

2021